

• نو سو انتیس ویں رات

نو سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ورد خاں نے کہا میں نے عورتوں کی طرف رجحان تو بالکل ترک کر دیا لیکن ان کی حرکتوں کی سزا کیا دینی چاہیے کیونکہ تیرے باپ شمش کی موت کا باعث یہی عورتیں ہیں، میرا مقصد ہر گز یہ نہ تھا مجھے معلوم نہیں کہ میری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ کہ میں نے ان کی بات مان لی اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا چیخ ماری اور کہا ہائے افسوس کیا ہوا میرے وزیر کی صائب رائے کہاں گئی..... کدھر گئے۔ دوسرے وزیر اور حکومت کے بڑے بڑے لوگ! وزیر نے کہا جرم محض عورتوں کا نہیں ان کی مثال محض ایک خوب صورت کھلونے کی سی ہے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں جو کوئی انہیں خریدنا چاہتا ہے وہ اس کے ہاتھ بک جاتی ہے اور جو انہیں خریدنا نہیں چاہتا اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن جرم اسی کا ہے جو خریدتا ہے بالخصوص جب کہ وہ اس کے نقصان کو جانتا ہو۔ میں بھی تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں اور اس سے پہلے میرے باپ نے بھی تجھے خبردار کیا تھا لیکن تو نے اس کی نصیحت نہ مانی۔ بادشاہ بولا میں گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں اور میرے پاس سوا اس کے کوئی عذر نہیں کہ خدا کا یہی حکم تھا۔ وزیر نے کہا، اے بادشاہ خدا نے ہمیں پیدا کیا، ہم میں قوت دی، ارادہ اور اختیار دیا اگر ہم چاہیں ایک کام کریں نہ چاہیں نہ کریں۔ خدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم ایسا کام کریں جس میں نقصان ہو اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ ہم اچھا کریں یا برا اپنے ارادے سے کرتے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ تو بالکل سچ کہتا ہے واقعی غلطی میری ہے کہ میں شہوتوں میں پڑا رہا۔ میں نے کئی بار اپنے آپ کو ڈرایا اور تیرے باپ شمش نے بھی بار بار ڈرایا۔ لیکن میرا نفس عقل پر غالب آ گیا تو مجھے ان غلطیوں سے روک سکتا ہے۔ تاکہ

میری عقل نفسانی شہوتوں پر غالب آ جائے؟ وزیر نے جواب دیا ہاں! میں ایک بات بتا سکتا ہوں جس سے تو پھر ایسی غلطی نہ کرے وہ یہ ہے کہ تو جہالت کو چھوڑ کر انصاف پسندی سے کام کرے۔ اپنی خواہشات کی نافرمانی اور اپنے مالک کی فرمانبرداری کر اپنی عادتیں ترک کر کے اپنے عادل باپ کی عادتوں کو اپنا رہنما بنا خدا اور اپنی رعیت کے حقوق ادا کر، اپنے دین، اپنی رعیت اور ذات کی حفاظت فرض جان، ہر بات کا انجام سوچ، ظلم و جور اور فساد سے دست کش ہو، عدل و انصاف اور خضوع و خشوع پر کار بند ہو، خدا کے احکام کی تعمیل سے منہ نہ موڑ، اس کی مخلوق کے ساتھ جو اس نے تیرے سپرد کی ہے مہربانی سے پیش آ، ان سے ایسا برتاؤ کر کہ وہ تجھے ہمیشہ دعا دیں۔ اگر انہوں نے ہمیشہ تجھے دعا دی تو تیری زندگی خوشی سے گزرے گی، خدا اپنی رحمت سے تجھے معاف کرتا رہے گا اور تجھے دیکھے گا تیرا رعب مانے گا تو اپنے دشمنوں کو نیچا دکھائے گا۔ خدا ان کے لشکروں کو تباہ کر دے گا، اس کے نزدیک تو مقبول ہو گا اور خلق کے نزدیک محبوب۔ بادشاہ بولا تو نے سچ مچ میرے دل کو زندہ کر دیا، اپنی شریں کلامی سے اس میں روشنی پیدا کر دی، میری اندھی آنکھیں نورانی کر دیں۔ خدا نے چاہا تو میں تیری تمام باتوں پر کاربند رہوں گا، جن خواہشات اور گناہوں میں مشغول ہوں انہیں چھوڑ دوں گا حتیٰ کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے گا۔ میں باوجود بڑی عمر کے مثل تیرے بیٹے کے ہوں اور تو باوصف کم عمری کے میرے باپ کی طرح۔ میرا فرض ہے کہ جو کچھ تو کہے اسے حتیٰ الامکان پورا کروں۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تیری وجہ سے مجھے ایسے سیدھے راستے پر لگا دیا۔ جس سے میرا رنج و غم دور ہو گیا۔ تیری معرفت اور تدبیر سے میری رعیت سلامتی کے گنبد میں آ گئی اس وقت تو میرے ملک کا منتظم ہے تو ہمیشہ کرسی پر بیٹھا کرے گا اور جو کچھ تو کرے گا میں تسلیم کروں اور تیری بات کبھی نہ ٹالوں گا۔ اگرچہ تو کم سن ہے لیکن تیری عقل اور تیرا علم بہت بڑا ہے۔

وزیر بولا اے نیک بخت بادشاہ! نصیحت سے مجھے تجھ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ

تیری بخششوں کی وجہ سے یہ مجھ پر فرض ہے اور یہ حال میرا ہی نہیں بلکہ میرے باپ پر بھی تیری نعمتیں حد سے زائد تھیں۔ ہم سب تیرے احسانوں اور مہربانیوں کو تسلیم کرتے ہیں اور کیوں تسلیم نہ کریں تو ہمارا چرواہا اور حاکم ہے۔ ہمارے دشمنوں کو مار کر ہم سے بھگا دیتا ہے، ہمارا پرے دار اور ہماری حفاظت کا ضامن ہے، ہماری سلامتی کی جان توڑ کوشش کرتا ہے اگر ہم فرمانبرداری میں اپنی جانیں بھی دے دیں تو بھی تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم دل سے خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے تجھے ہمارا ولی اور حاکم بنایا اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تیری عمر دراز کرے تجھے ہر کام میں کامیابی دے، مشکل میں ڈال کر تیرا امتحان نہ لے، تیری مراد بر لائے تمام عمر لوگوں پر تیرا دبدبہ قائم رکھے، تجھے اتنی قوت عطا کرے کہ تو ساری دنیا کا سرتاج بن جائے، تمام دشمنوں کو نیچا دکھائے، تجھے یہ توفیق دے کہ تو عالموں اور بہادروں کو اپنے ملک میں اکٹھا کرے، جاہلوں اور بزدلوں کو نکال باہر کرے اور اپنی رعیت سے گرانی اور تکلیفوں کو دور رکھے، ان میں الفت اور محبت پیدا کرے، خدا اپنے کرم و مہربانی سے تجھے دنیا میں بہبودی اور آخرت میں نیکی عطا کرے۔ آمین! وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے لئے کوئی بات دشوار نہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ وزیر کی یہ دعا سن کر بادشاہ باغ باغ ہو گیا اس سے بے حد محبت کرنے لگا اور کہا اے وزیر! سن تو میرے نزدیک مثل بھائی، بیٹے اور باپ کے ہے سوائے موت کے اب ہمیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ میری تمام ملکیت پر تجھے خرچ کرنے کا اختیار ہے اور اگر میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرے بعد تو تخت پر بیٹھے گا کیونکہ تجھ جیسا میرے تمام ملک میں کوئی نہیں۔ میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تیس ویں رات

نو سو تیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا اس کے بعد اس نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے نام لکھ کر وہ حاضر ہوں اور شہر میں دھندورا پڑا دیا کہ سب خاص و عام آئیں۔ بادشاہ نے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور ایسا دستر خوان بچھوایا کہ اس سے پہلے کبھی نہ بچھا ہو گا، خاص و عام سب کو دعوت دی سب آ کر ایک مہینے تک کھایا پیا کئے۔ بادشاہ نے اپنے تمام نوکر چاکروں اور فقیروں کے پہننے کے لئے کپڑے بخشے، پڑھے لکھوں کو بڑے بڑے انعام دیئے۔ تمام عالموں اور حکیموں کا شمس کے بیٹے سے تعارف کرایا اور اس سے کہا کہ ان میں سے سات کو منتخب کر کے اپنے ماتحت وزیر بنا لے۔ شمس کے بیٹے نے چھ کو منتخب کر لیا جو عمر میں سب سے بڑے، عقل میں سب سے زیادہ قابل تھے اور انہیں بادشاہ کے پاس لے جا کر وزارت کے خلعت پہنائے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم ابن شمس کے ماتحت میرے وزیر ہو اگرچہ وہ عمر میں تم سے چھوٹا ہے لیکن عقل میں تم سب سے بڑھا ہوا ہے لہذا وہ جو کچھ تم سے کہے تمہیں ماننا ہو گا اور جو کچھ حکم دے اس کی تعمیل کرنی ہو گی۔ اس کے بعد بادشاہ نے انہیں وزراء کے دستور کے موافق زردوز کرسیوں پر بٹھایا ان کا روزینہ اور تنخواہیں مقرر کیں پھر ان سے کہا کہ ملک کی خدمت کے لئے ان لوگوں میں سے منتخب کر لیں جو دعوت میں حاضر تھے ہزار ہزار، سو سو اور دس دس کے سردار بنالیں۔ بادشاہ نے ان کے بھی روزینے اور تنخواہیں مقرر کر دیں۔ جیسے کہ سرداروں کی ہوتی ہیں اور ان سے کہا کہ تمام حاضرین کو بڑے بڑے انعامات دیں اور انہیں عزت و احترام سے ان کے وطن بھیج دیں پھر اس نے اپنے والیوں کو حکم دیا کہ رعیت کے ساتھ انصاف کریں اور امیروں اور غریبوں سب کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔ وزیروں

نے دعا دی کہ اس کی عزت ہمیشہ قائم رہے اور عمر دراز ہو! بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں تین دن تک چراغاں کیا جائے۔

یہ تو ملک کے انتظام کے بارے میں بادشاہ، اس کے وزیر ابن شماس، امراء اور والیوں کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کی ان چیمتی عورتوں کا حال سنو جن کی چالوں اور فریب کی وجہ سے وزیر مارے گئے تھے اور ملک تباہ ہو گیا جب سب لوگ رخصت ہو گئے اور ملک کا انتظام ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا، حکم دیا کہ باقی وزیروں کو بلا جب وہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے تنہائی میں کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں اب تک سیدھے راستے سے پھرا ہوا، جمالت میں غرق، نصیحتوں اور نصیحت کرنے والوں سے برگشتہ اور عہد و پیاں کو توڑا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ان عورتوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا، وہ مجھے اپنی بیہودہ گوئی سے مکرو فریب میں رکھتی تھیں اور میں ان کی باتوں میں آ جاتا تھا۔ کیونکہ میں ان کی شیریں بیانی اور نرم کلامی کو نصیحت سمجھتا تھا لیکن وہ قاتل زہر نکلیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ محض میری ہلاکت اور بربادی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھیں۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ انصاف کی بنا پر میں انہیں سزا دوں تا کہ اور لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ بتاؤ کس طرح سے انہیں سزا دینی چاہیے۔ وزیر ابن شماس نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جرم محض عورتوں کا نہیں بلکہ اس میں وہ مرد بھی شامل ہیں جنہوں نے ان کا کہنا مانا۔ بہر حال عورتوں کو سزا دینی واجب ہے اس کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ تو بڑا بادشاہ ہے تیرا حکم ماننا چاہیے، دوسرے یہ کہ انہوں نے تیرے ساتھ بڑی دیدہ دلیری کی، تجھے دھوکا دیا، ایسی باتوں میں دخل اندازی کی جن سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اور جن کے متعلق باتیں کرنے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ وہ سزا کی مستحق ضرور ہیں لیکن جو سزا انہیں مل چکی ہے کافی ہے اب انہیں محض نوکرانیاں بنا کر رکھ۔ آگے تجھے اختیار ہے۔

بعض دوسرے وزیروں نے بھی وہی مشورہ دیا جو ابن شماس نے دیا تھا مگر ایک وزیر نے

آگے بڑھ کر بادشاہ کو سجدہ کیا اور کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! اگر تو ان کی بربادی پر تلا ہوا ہے تو میرا کہنا مان اور اپنی ایک چیمتی عورت سے کہہ کہ جن جن عورتوں نے تجھے دھوکا دیا ہے انہیں وہ اس کوٹھڑی میں لے جائے جہاں وزراء اور حکما قتل کئے گئے ہیں تو انہیں وہاں قید کر دے اور انہیں بہت تھوڑا کھانا پینا دے، بس اتنا کہ وہ زندہ رہ سکیں انہیں وہاں سے نکلنے کی بالکل اجازت نہ ہو اور جو کوئی ان میں سے مر جائے اسے وہیں پڑا رہنے دے یہاں تک سب مر مٹیں۔ یہ کم از کم ان کی سزا ہے کیونکہ اس تمام فتنے کی وجہ وہی ہے اور ان پر یہ مقولہ ٹھیک اترتا ہے کہ جو اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور اپنی چار چیمتی عورتوں کو بلا کر مجرم عورتیں ان کے حوالے کیں اور کہا انہیں مقتولوں کی کوٹھڑی میں لے جا کر قید کر دو۔ بادشاہ نے ان کے لئے تھوڑا تھوڑا اور خراب کھانا پینا مقرر کر دیا۔ وہ اپنی کرکوت پر بہت پچھتاہیں بے حد افسوس کرنے لگیں۔ خدا نے انہیں دنیا میں نامرادی دی اور آخرت میں عذاب۔ وہ برابر اس اندھیری اور بدبو دار جگہ میں پڑی رہیں، ہر روز ان میں سے دو چار مر جاتیں یہاں تک کہ سب مر مٹیں اور اس کی خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی۔ یہ تھا انجام بادشاہ، اس کے وزیروں اور رعیت کا۔ سب تعریفیں ہیں واسطے خدا کے جو قوموں کو مارتا سڑی ہڈیوں کو جلاتا ہے اور ابد تک عزت و احترام اور پاکی کا مستحق ہے۔

○ رنگریز ابو قیر اور نائی ابو صیر کی کہانی

اسکندریہ میں دو شخص رہتے تھے ایک کا نام ابو قیر تھا دوسرے کا ابو صیر۔ ابو قیر رنگریز تھا اور ابو صیر نائی۔ دونوں کی دکانیں بازار میں پاس پاس تھیں۔ رنگ ریز بڑا چال باز، جھوٹا اور شریر تھا کسی برائی سے نہ جھجکتا۔ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک اس کے پاس کپڑے رنگوانے آتا تو وہ رنگائی پہلے لے لیتا اور گاہک سے کہتا کہ میں

ان داموں سے رنگ مول لاؤں گا مگر انہیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا پھر کپڑے بھی بیچ ڈالتا اور ان کے دام کھا پی جاتا۔ ہمیشہ اچھے سے اچھا کھانا کھاتا اور جب کپڑے والا آتا تو اس سے کہتا کہ کل دھوپ نکلنے سے پہلے آئیو تو تیرے کپڑے رنگے ہوئے ملیں گے۔ یہ سن کر کپڑے والا چلا جاتا اور اپنے دل میں کہتا کہ کل کا دن بھی دور نہیں۔ جب وہ دوسرے دن آتا تو رنگ ریز کہتا کل آ کر لے جائیو کیونکہ کل میں رنگنے سے فارغ نہ ہو سکا، میرے ہاں مہمان آ گئے تھے۔ میں ان کی خدمت میں لگا رہا، کل تم کو کپڑے رنگے رنگائے تیار ملیں گے۔ گا ہک چلا جاتا اور پھر تیسرے دن آتا۔ رنگ ریز کہتا کل میں مجبور تھا کیونکہ رات کو میری بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور دن بھر اس کے لئے ضروری چیزیں مہیا کرتا رہا، کل ضرور اپنے کپڑے لے جائیں۔ گا ہک پھر آتا اور رنگ ریز کوئی اور بہانہ نکال دیتا قسمیں کھاتا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اکتیس ویں رات

نو سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب گاہک رنگ ریز کے پاس آتا تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ نکال دیتا اور قسمیں کھاتا یہاں تک کہ گاہک تنگ آ جاتا اور کہتا کہ تو کب تک کل کل کرتا رہے گا، میرے کپڑے واپس دے دے میں رنگوانا نہیں چاہتا۔ رنگ ریز کہتا کہ بھائی، خدا کی قسم میں تجھ سے شرمندہ ہوں لیکن کیا بتاؤں بس یہ سمجھ لے کہ جو شخص لوگوں کو دق کرتا ہے خدا اسے دق کرتا ہے گاہک کہتا بتا تو سہی کیا ہوا؟ رنگ ریز جواب دیتا میں نے تیرے کپڑے ایسے رنگے تھے جس کا جواب نہیں اور رسی پر لٹکا دیئے تھے کوئی کم بخت انہیں چرا لے گیا اور مجھے پتا بھی نہ لگا کہ کس نے چرایا۔ اگر گاہک بھلا مانس ہوتا تو کہتا کہ خیر خدا ان کے بدلے مجھے اور دے گا اور اگر بدمعاش ہوتا تو تو میں میں ہونے لگتی لیکن اگر وہ حکام کے پاس بھی جا کر شکایت کرتا تو بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ لگتا۔ رنگ ریز کا یہی رویہ رہا یہاں تک کہ سب لوگ اس کی بدمعاشی سے واقف ہو گئے اور ایک دوسرے کو ابوقیر سے خبردار کرتے رہے وہ ضرب المثل ہو گیا سب نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا اور اگر کوئی پھنستا تو وہی جو اس سے واقف نہ ہوتا پھر بھی ہر روز اس سے تو تو میں میں ہوتی رہتی آخر اس کا کام بند ہو گیا۔ اب رنگ ریز نے یہ ترکیب شروع کی کہ اپنے پڑوسی نائی کی دکان کے اندر جا بیٹھتا اور اپنی دکان کے دروازے کی طرف دیکھتا رہتا اگر اسے کوئی نیا گاہک دکھائی دیتا تو نائی کی دکان سے نکل کر باہر آتا اور کہتا کہ کیا چاہتا ہے؟ گاہک جواب دیتا کہ یہ کپڑے رنگ دے۔ رنگ ریز کہتا کون سا رنگ چاہتا ہے، رنگ ریز بدمعاش تو تھا مگر رنگائی کے ہنر میں بھی اس کی پوری دست گاہ تھی اور چونکہ ہر شخص کو دھوکہ دیتا اس لئے وہ غریب رہتا، اچھا تو وہ

کپڑے لے لیتا اور کہتا کہ رنگائی پیشگی دیتا جا کل آ کر کپڑے لے جائیو۔ گاہک رنگائی دے کر چل دیتا۔ جب گاہک چلا جاتا تو رنگریز کپڑے لے کر بازار میں بیچ آتا اور گوشت ترکاری، تمباکو میوے خرید لاتا اور اگر وہ کسی کو دکان پر کھڑا دیکھتا جو کپڑے رنگنے کو دے گیا ہے اسے اپنی صورت نہ دکھاتا کئی سال تک اس کا یہی دستور رہا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اس نے اسی طرح ایک بڑے آدمی کے کپڑے لے کر بیچ ڈالے اور اس کے دام کھا پی گیا۔ گاہک روز اس کی دکان پر آتا لیکن اسے نہ پاتا۔ کیونکہ رنگریز جب کسی کو دیکھتا جس کے کپڑے اس کے پاس ہوتے تو جا کر ابو صیر نائی کی دکان میں چھپ رہتا جب اس بڑے آدمی نے اسے بار بار دکان پر نہ پایا اور وہ آتے آتے تھک گیا تو جا کر قاضی کے پیادے کو لے آیا اور اس نے کئی مسلمانوں کے روبرو دکان کے دروازے میں کیلیں ٹھونک کر مہر لگا دی کیونکہ اس نے دکان میں گاہک کی چیزوں کے بدلے کچھ ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن دیکھے، پیادے نے پڑوسیوں سے کہا اس سے کہہ دینا کہ اس گاہک کے کپڑے لے آئے اور دکان کی کنجی لے جائے۔ یہ کہہ کر گاہک اور پیادہ دونوں چلے گئے۔ ابو صیر نے ابو قیر سے کہا یہ کیا آفت ہے کہ جو تیرے پاس کپڑے لاتا ہے تو انہیں کھو دیتا ہے اس بڑے آدمی کے کپڑے کیا ہوئے؟ اس نے جواب دیا اے میرے پڑوسی! چوری ہو گئے۔ ابو صیر بولا عجیب بات ہے جو چیز کوئی شخص تجھے دے جاتا ہے اسے چور چرا لے جاتا ہے، کیا تیرے یہاں چوروں کا اڈا ہے؟ میرے خیال میں تو جھوٹ بولتا ہے، آخر واقعہ کیا ہے؟ رنگریز نے کہا کہ میرے ہاں سے کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔ ابو صیر بولا پھر تو لوگوں کے کپڑوں کا کیا کرتا ہے؟ ابو قیر نے جواب دیا جو گاہک کپڑے لاتا ہے انہیں بیچ کر کھا جاتا ہوں۔ ابو صیر نے کہا کیا یہ خدا نے تیرے لئے حلال کر رکھا ہے؟ ابو قیر بولا میں ناداری کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں، میرا پیشہ چلتا نہیں اور میں غریب ہوں، میرے پاس کچھ نہیں۔ ابو صیر نے کہا میرا کام بھی رکا ہوا ہے اگرچہ میں اس فن میں استاد ہوں اور میرا جواب اس شہر میں نہیں لیکن میرے غریب ہونے کی وجہ سے

کوئی میرے پاس خط بنوانے نہیں آتا اس لئے مجھے اس پٹھے سے نفرت ہو گئی ہے۔
ابوقیر رنگ ریز بولا بھائی میں بھی اپنے پٹھے سے نفرت کرنے لگا ہوں پھر اس شہر میں
ٹھہرنے سے کیا فائدہ۔ چل ہم دونوں دوسرے شہروں کی سیر کریں۔ ہمارے پٹھے ایسے
ہیں کہ ہر جگہ کام دیں گے۔ یہاں سے نکل کر خدا نے چاہا تو ہمارے سارے دلدر
دور ہو جائیں گے۔ غرض کہ ابوقیر نے ابوصیر سے سفر کی خوبیاں یہاں تک بیان کیں
کہ وہ چلنے پر راضی ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

• نو سو بتیس ویں رات

نو سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابو صیر چلنے پر راضی ہو گیا۔ ابو قیر بہت خوش ہوا اور ابو صیر سے کہنے لگا اے پڑوسی! اب ہم دونوں بھائی بھائی ہو گئے ہیں ہم میں کوئی فرق نہیں ہمیں چاہیے کہ فاتحہ پڑھیں اور عہد کریں کہ ہم میں سے جو کام کرے وہ نکھٹو کو بھی کھلائے اور جو باقی بچے اسے صندوق میں جمع کرتے رہیں۔ جب ہم لوٹ کر اسکندریہ آئیں تو انصاف سے برابر برابر تقسیم کر لیں۔ ابو صیر نے یہ بات مان لی۔ فاتحہ پڑھ کر وعدہ کر لیا۔ ابو صیر نے تو دکان بند کر کے چابی دکان کے مالک کو دے دی لیکن ابو قیر نے چابی قاضی کے پیادے کے پاس رہنے دی اور دکان کو بند سربہ مہر چھوڑ کر چل دیا۔ دونوں اسی روز ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ نائی کی خوش قسمتی سے کشتی میں سوا اس کے اور کوئی نائی نہ تھا حالانکہ اس میں علاوہ ناخدا اور ملاحوں کے ایک سو بیس مسافر تھے۔ جوں ہی کشتی کے بادبان کھلے نائی نے رنگ ریز سے کہا بھائی! سمندر میں ہمیں کھانے پینے کی ضرورت ہو گی اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کم ہے۔ اس لئے اگر کوئی مجھ سے کہے گا کہ اے نائی! میری حجامت بنا دے تو میں ایک روٹی یا نصف درہم یا ایک پیالہ پانی کے عوض بنا دوں گا۔ اس سے مجھے اور تجھے دونوں کو فائدہ ہو گا۔ رنگ ریز نے کہا بہت خوب اور لیٹ کر سو گیا۔

اب نائی اٹھا اپنی کسوت سنبھالی، پیالہ ہاتھ میں لیا اور رومال کی بجائے ایک پھٹا پرانا کپڑا کندھے پر ڈالا کیونکہ وہ غریب تھا اور مسافروں میں گھومنے لگا۔ ایک مسافر نے کہا استاد! میری حجامت بنا دے، نائی نے حجامت بنا دی۔ مسافر نے اسے نصف درہم دے دیا۔ نائی بولا بھائی! اس نصف درہم کا میں کیا کروں گا؟ اگر تو مجھے ایک روٹی دیتا تو وہ مجھے

سمندر پر زیادہ کام دیتی۔ میرا ایک ساتھی اور ہے اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کافی نہیں۔ مسافر نے اسے ایک روٹی ایک ٹکڑا پنیر کا بھی دے دیا اور اس کے پیالے میں میٹھا پانی بھر دیا۔ نائی یہ چیزیں لے کر ابوقیر کے پاس پہنچا اور کہا کہ روٹی پنیر کے ساتھ کھا اور پیالہ پانی کا پی لے۔ ابوقیر نے روٹی کھائی اور پانی پیا اس کے بعد ابوقیر پھر اپنی کسوت لے کر مسافروں کے پاس گیا۔ ایک شخص کے بال دو روٹیوں کے بدلے بنائے اور ایک دوسرے کے بال پنیر کے بدلے اب ہر طرف سے اس کی بلاؤ شروع ہو گئی۔ جب کو اس سے کہتا کہ استاد میری حجامت بنا دے تو اس سے دو روٹیوں اور نصف درہم کی شرط کر لیتا۔ کیونکہ کشتی میں اور کوئی نائی نہ تھا لہذا مغرب سے پہلے پہلے اس نے تیس روٹیاں اور تیس نصف درہم کما لئے۔ علاوہ ان کے بہت سا پنیر، زیتون اور مچھلیاں جمع کر لیں۔ اب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ جو کچھ وہ مانگتا اسے مل جاتا۔ ایک بار اس نے ناخدا کی حجامت بنائی اور اس نے شکایت کی میرے پاس سفر میں کھانے پینے کے لئے کم ہے۔ ناخدا نے کہا مرحبا! ہر رات اپنے ساتھی کے ساتھ ہمارے ہاں کھانا کھا جایا کر جب تک تم ہمارے ساتھ سفر میں ہو ہر گز تکلیف نہ اٹھاؤ۔ اب نائی رنگ ریز کے پاس گیا دیکھا کہ وہ ابھی تک سو رہا ہے اسے جگایا۔ اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا اس کے پاس روٹیوں، زیتون، پنیر اور مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ پوچھا کہ تجھے یہ سب چیزیں کہاں سے مل گئیں؟ نائی نے کہا خدا کی مہربانی سے۔ رنگ ریز نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن ابوصیر بولا بھائی! ان میں سے کچھ نہ کھا، یہ کسی اور وقت کام آئیں گی۔ میں نے آج ناخدا کی حجامت بنائی تھی اور اس سے اپنی ناداری کا رونا رویا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ اپنے ساتھی کو لے کر ہر رات ہمارے ساتھ کھانا کھا جایا کر لہذا آج رات پہلا کھانا ناخدا کے ساتھ ہے۔ ابوقیر بولا کہ سمندر کے سفر سے میرا جی متلا رہا ہے اور میں اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا۔ مجھے یہی چیزیں کھا لینے دے تو اکیلا ناخدا کے پاس جا کر کھا آؤ۔ نائی بولا بہت خوب اس نے دیکھا کہ رنگ ریز نوالے اس طرح سے توڑتا ہے جیسے پہاڑ میں پتھر اور

یوں نکل جاتا ہے جیسے ہاتھی۔ جس نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا ہو۔ ایک نوالے کو اتارنے سے پہلے دوسرا نوالہ منہ میں رکھ لیتا ہے اور کھانے کی طرف اس طرح دیکھتا ہے جیسے بھوت اور اس طرح سانس بھرتا جاتا ہے جیسے بھوکا بیل چارے دانے کو دیکھ کر۔ اتنے میں ایک ملاح نے آ کر کہا اے استاد! ناخدا کہتا ہے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ آ کر شام کا کھانا کھا جا۔ ابوصیر نے ابوقیر سے کہا چلتا ہے میرے ساتھ؟ اس نے جواب دیا میں چل نہیں سکتا۔ نائی اکیلا گیا اس نے دیکھا کہ ناخدا بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے دسترخوان پر بیس یا بیس سے بھی زیادہ قسم کے کھانے چنے ہوئے ہیں وہ اور اس کے ساتھی نائی اور اس کے ساتھی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ناخدا نے نائی کو دیکھ کر پوچھا تیرا ساتھی کہا ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا سمندر کے سفر کی وجہ سے اس کا جی متلا رہا ہے۔ ناخدا بولا مضائقہ نہیں، اس کی متلی جاتی رہی گی۔ تو میرے ساتھ کھا، میں تیری راہ دیکھ رہا تھا۔ ناخدا نے ایک سینی میں کباب اور ہر کھانے سے تھوڑا تھوڑا الگ رکھ دیا اور جب نائی کھا چکا تو اس نے کہا یہ سینی اپنے ساتھی کے لئے لیتا جا۔ ابوصیر اسے لے کر ابوقیر کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ اونٹ کی طرح کھانا اپنے دانتوں سے پیس رہا ہے اور نوالے پر نوالہ تیزی سے منہ میں رکھتا جاتا ہے۔ ابوصیر بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ یہاں نہ کھا۔ ناخدا بہت بھلا آدمی ہے۔ جب میں نے اس سے کہا کہ تجھے متلی ہو رہی ہے تو دیکھ اس نے تیرے لئے کیا بھیجا ہے۔ ابوقیر بولا لا ابوصیر نے سینی اس کے آگے رکھ دی اور وہ اس طرح کھانے پر پل پڑا جیسے گھبرایا ہوا کتا یا حملہ آور شیر یا رخ جو کبوتر پر گرتا ہو۔ وہ شخص جو مارے بھوک کے مرنے کے قریب ہو یہ دیکھ کر کہ ابوصیر وہاں سے چل دیا اور ناخدا کے پاس جا کر قہوہ پیا پھر لوٹ کر ابوقیر کے پاس آیا تو دیکھا اس نے سینی کو خالی کر کے ایک طرف پھینک دیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تینتیس ویں رات

نو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب ابوصیر نے دیکھا کہ ابوقیر نے سنی کو خالی کر کے ایک طرف پھینک دیا ہے تو وہ اسے لے جا کر ناخدا کے ایک نوکر کو دے آیا اور ابوقیر کے پاس آ کر سو رہا۔ دوسرے روز پھر ابوصیر نے حجامتیں بنانی شروع کر دیں۔ جو کچھ وہ کماتا ابوقیر کے پاس لے آتا اور ابوقیر خوب کھاتا پیتا پڑا اینڈا کرتا اور سوائے ضرورت رفع کرنے کے اور کسی کام کے لئے نہ اٹھتا۔ ابوصیر ہر روز رات کے وقت اس کے لئے ناخدا کے پاس سے سنی بھر کر کھانا لاتا۔ یہ حالت بیس دن تک رہی یہاں تک کہ کشتی نے ایک شہر کے بندر گاہ میں لنگر ڈالا اور دونوں کشتی میں سے اتر کر شہر گئے۔ سرائے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لی۔ ابوصیر نے اس میں فرش بچھایا اور جن جن چیزوں کی انہیں ضرورت تھی خرید کر لایا گوشت لا کر پکایا لیکن ابوقیر کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی سو گیا اور اس وقت جاگا جب کہ ابوصیر نے اس کے آگے دسترخوان بچھا کر اسے جگایا۔ اٹھتے ہی اس نے کھانا کھایا اور ابوصیر سے کہا برا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر سو گیا۔ چالیس دن تک اس کی یہی حالت رہی۔ نائی ہر روز اپنی کسوت لے کر شہر جاتا جو کچھ کماتا اسے لے کر ابوقیر کے پاس آتا دیکھتا کہ وہ سو رہا ہے اسے جگاتا جب وہ جاگتا تو اس طرح کھاتا گویا وہ کبھی سیر نہ ہو گا اور پھر سو جاتا۔ اس طرح سے اور چالیس روز گزر گئے۔ جب کبھی ابوصیر کہتا کہ بیٹھ کر آرام کر اور جا کر شہر کی سیر کر۔ وہ ایسا خوب صورت ہے کہ اس کا جواب نہیں تو ابوقیر جواب دیتا برا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ ابوصیر نائی ہر گز یہ گوارا نہ کرتا کہ ابوقیر کا دل دکھے اس سے کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے وہ رنجیدہ ہو لیکن اکتالیس ویں دن وہ خود بیمار پڑ گیا چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا تو اسے ایک آدمی نوکر رکھ لیا تاکہ وہ ان

کے لئے کھانا پینا لے آیا کرے۔ نائی کا تو یہ حال تھا لیکن ابوقیر کو سوائے کھانے اور سونے کے کسی بات سے غرض نہ تھی۔

URDU4U.COM
رفتہ رفتہ نائی کی بیماری زیادہ بڑھ گئی اور وہ بے ہوش پڑا رہنے لگا۔ ادھر ابوقیر مارے بھوک کے بے چین ہو گیا اور ابوصیر کی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ اسے بہت سے درہم مل گئے۔ انہیں لے کر اس نے کوٹھڑی کے دروازے میں قفل لگایا اور بے کسی کو خبر کئے چلتا بنا۔ نوکر بھی اس وقت بازار گیا ہوا تھا اس نے بھی ابوقیر کو جاتے نہیں دیکھا۔ ابوقیر نے بازار جا کر پہننے کے لئے عمدہ عمدہ کپڑے خریدے اور شہر کی سیر کرنے لگا دیکھا کہ اس شہر کا جواب دینا میں نہیں ہر شخص کا لباس سفید ہے یا نیلا۔ ایک رنگ ریز کی دکان پر جا کر بھی اس نے یہی دیکھا کہ سارے کپڑے نیلے رنگے ہوئے ہیں وہاں اس نے ایک رومال نکال کر رنگ ریز کو دیا اور کہا استاد! اسے رنگ دے اور بتا کہ اس کی رنگائی کیا ہو گی؟ اس نے جواب دیا بیس درہم۔ ابوقیر نے کہا ہمارے ملک میں تو اس کی رنگائی دو درہم ہوتی ہے۔ رنگ ریز بولا جا اپنے ملک میں رنگا لے۔ میں تو بیس درہم سے کم میں نہیں رنگوں گا۔ ابوقیر بولا میں اسے لال رنگوانا چاہتا ہوں۔ رنگ ریز نے کہا مجھے لال رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے کہا ہرا؟ اس نے کہا مجھے ہرا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے کہا پیلا؟ اس نے کہا مجھے پیلا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابوقیر نے ایک ایک کر کے سارے رنگوں کے نام لے ڈالے۔ لیکن رنگ ریز نے کہا کہ اس شہر میں چالیس استاد ہیں، نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے بیٹے کو رنگنا سکھا دیتے ہیں۔ اگر اس کے کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو ہماری تعداد میں ایک کی کمی ہو جاتی ہے اگر اس کے دو بیٹے ہوتے ہیں تو ہم ان میں سے ایک ہی کو سکھاتے ہیں اور اگر وہ مر جاتا ہے تو اس وقت اس کے بھائی کو۔ ہمارے پیشے کے مقررہ قواعد ہیں اور نیلے رنگ کے سوار رنگنا نہیں آتا۔

اس پر ابوقیر نے رنگ ریز سے کہا میں رنگ ریز ہوں اور ہر رنگ رنگنا جانتا ہوں۔ اگر تو مجھے اپنے ہاں نوکر رکھ لے تو میں تجھے تمام رنگ رنگنے سکھا دوں گا تا کہ تو دوسرے

رنگ ریزوں میں بڑا رنگریز مانا جائے۔ اس نے جواب دیا ہم پردیسی کو اپنے پیشے کے اندر ہر گز نہیں لیتے۔ ابوقیر بولا اگر میں اپنی دکان الگ کھول لوں؟ اس نے جواب دیا یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ابوقیر اسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس گیا اس نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے نے دیا تھا۔ اس طرح وہ چالیسوں استادوں کے پاس ہو آیا لیکن نہ کوئی اسے شاگرد بنانے پر راضی ہوا نہ استاد۔ اس کے بعد اس نے رنگ ریزوں کے چودھری کے پاس جا کر سارا ماجرا کہا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کسی پردیسی کو اپنے میں نہیں ملاتے۔ اس پر ابوقیر کو بہت غصہ آیا اس نے شہر کے بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا کہ جہاں پناہ! میں پردیسی ہوں اور میرا پیشہ رنگ ریزی ہے۔ یہاں رنگ ریزوں کے ساتھ مجھے یہ یہ باتیں پیش آئیں۔ میں کئی طرح کے لال رنگ رنگ سکتا ہوں مثلاً گلابی اور عنبی اور طرح طرح کے ہرے رنگ مثلاً دھانی، پستی، زیتونی، اور کابی اور طرح طرح کے کالے رنگ مثلاً سرمئی اور کوئلے کے رنگ کا اور طرح طرح کے پیلے رنگ مثلاً نارنجی اور لیمونی غرض کہ وہ سارے رنگ گنا گیا اور کہنے لگا جہاں پناہ! تیرے شہر کے رنگ ریز سوائے نیلے کے اور کوئی رنگ رنگ نہیں سکتے اور مجھے بہ حیثیت شاگرد یا استاد کے بھی قبول نہیں کرتے۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن میں تیرے لئے الگ ایک دکان کھول دوں گا اور تجھے سرمایہ دوں گا ان کی پروا نہ کر جو کوئی تیرے کام میں مداخلت کرے گا میں اسے اسی کی دکان کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔ اب بادشاہ نے معماروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ شہر میں جائیں اور جو جگہ اسے پسند آئے خواہ وہ دکان ہو یا سرائے یا کچھ اور اس کے مالک کو وہاں سے نکال دیں اور اس کی جگہ ابوقیر کے لئے اس کی خواہش کے موافق رنگ ریز خانہ بنا دیں اور جیسا وہ کہے کریں۔ بعد ازاں بادشاہ نے اسے ایک عمدہ لباس پہننے کو دیا اور ایک ہزار دینا دے کر کہا جب تک دکان تیار ہو تو انہیں اپنے اوپر خرچ کر۔ ان کے علاوہ دو غلام خدمت کے لئے آئے اور ایک گھوڑا جس پر زردوز چار جامہ تھا سواری کو۔ جب وہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ کوئی امیر ہے۔ بادشاہ نے

اس نے لئے ایک گھر خالی کرا کے اس میں فرش بچھوا دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• نو سو تینتیس ویں رات

نو سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ نے ابوقیر کے لئے ایک گھر خالی کرا کے اس پر فرش بچھوا دیا وہ اس میں رہنے لگا دوسرے دن معماروں کو ساتھ لے کر سوار ہوا شہر میں پھر کر غور سے دیکھنے کے بعد ایک جگہ پسند کی اور کہا یہ جگہ ٹھیک ہو گی۔ انہوں نے اس کے مالک کو نکال کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے جتنا وہ چاہتا تھا اس سے زیادہ ہرجانہ دیا اور وہاں دکان بننے لگی۔ ابوقیر معماروں سے کہتا جاتا کہ یوں بناؤ اور یوں بناؤ یہ کرو اور یہ کرو یہاں تک کہ ایسا ایسا رنگریز خانہ تیار ہو گیا ہے جس کا جواب نہ تھا۔ اب اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا رنگریز خانہ بن گیا ہے۔ رنگوں کے دامنوں کی ضرورت ہے تاکہ کام شروع کروں۔ بادشاہ نے کہا چار ہزار دینار لے جا یہ دکان کی پونجی ہے اور اپنے کام کی باگلی دکھا۔ ابوقیر دینار لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ نیل کی افراط ہے اور وہ بے حد سستا ہے اس نے وہ تمام چیزیں خرید لیں جن سے اسے رنگریز خانے کے لئے ضرورت تھی۔ بادشاہ نے اس کے پاس پانچ سو کپڑے بھیجے اس نے انہیں رنگنا شروع کیا اور طرح طرح سے رنگ کر انہیں دکان کے آگے پھیلا دیا جب لوگ ادھر سے گزرتے تو عجیب نظارہ دیکھتے جو انہوں نے عمر بھر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی دکان پر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ تماشا دیکھنے والے کہتے کہ استاد ان رنگوں کے نام کیا ہیں؟ وہ جواب دیتا کہ یہ لال ہے، یہ زرد اور یہ ہرا۔ غرض کہ وہ سارے رنگوں کے نام انہیں بتاتا۔ اب لوگ اپنے کپڑے لانے اور کہنے لگے انہیں فلاں فلاں رنگوں میں رنگ دے اور جو چاہے ان کی رنگائی لے لے۔ جب بادشاہ کے کپڑے رنگ چکا تو انہیں لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گیا اسے بہت کچھ انعام دیا۔ تمام لشکر والے اس کے پاس آتے۔ کپڑے لاتے اور کہتے کہ انہیں اس اس طرح کے رنگ

دے اور وہ ان کی خواہش کے مطابق رنگ دیتا۔ اسی طرح سے اس پر سونا چاندی برسنے لگا وہ ہر جگہ مشہور ہو گیا اور اس کے رنگریز خانے کا نام لوگوں نے سلطانی رنگ ریز خانہ رکھ دیا۔ ہر طرف سے اسے آمدنی ہونے لگی اور کسی رنگریز کی مجال نہ تھی کہ اس سے بات تک بھی کر سکے۔ وہ اس کے پاس آتے اس کے ہاتھ چومتے اس سے معذرت کرتے کہ ہم نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیا اپنی خدمت پیش کرتے اور کہتے کہ تو ہمیں اپنا شاگرد بنا لے لیکن وہ کسی کو بھی شاگرد بنانے پر راضی نہ ہوتا کیونکہ اس کے پاس خود غلام اور کنیزیں تھیں اور بہت کچھ مال و دولت۔

یہ تو ابوقیر کا قصہ ہوا اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ جب ابوقیر اس کے درہم لے کر اسے بیمار اور بے ہوش چھوڑ کر کوٹھڑی میں قفل لگا چلتا ہوا تو وہ تین دن تک کوٹھڑی میں بند پڑا رہا۔ دربان کی نظر کوٹھڑی کے دروازے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ قفل پڑا ہوا ہے۔ مغرب تک دونوں میں سے کوئی بھی اسے دکھائی نہ دیا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ بے کرائے ادا کئے بھاگ گئے یا مر گئے ہیں یا نہ جانے ان کا کیا حال ہوا۔ وہ دروازے کے قریب آیا تو اسے اندر سے نائی کے کراہنے کی آواز سنائی دی، نظر اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ کنجی قفل کے اندر لگی ہوئی تھی۔ دروازہ کھول کر اندر گیا دیکھا کہ نائی پڑا کراہ رہا ہے۔ پوچھنے لگا خیر تو ہے تیرا ساتھی کہاں گیا؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں ابھی بیماری سے اٹھا ہوں۔ میں نے بارہا آواز دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ بھائی! خدا کے لئے تھیلی میں سے جو میرے سرہانے ہے پانچ ادھلیاں لے کر کھانے کے لئے کوئی چیز لے آئیں۔ بہت بھوکا ہوں۔ دربان نے ہاتھ بڑھا کر تھیلی نکالی تو وہ خالی تھی۔ اب ابوصیر کو یقین ہو گیا کہ ابوقیر تھیلی خالی کر کے بھاگ گیا ہے۔ دربان سے کہا کیا تو نے میرے ساتھی کو نہیں دیکھا؟ اس نے جواب دیا میں نے تین دن سے اسے نہیں دیکھا۔ میرا گمان تھا کہ تم دونوں چلے گئے ہو۔ نائی بولا اس نے مجھے بیمار دیکھ کر میرے دام چرا لئے اور بھاگ گیا۔ یہ کہہ کر وہ رونے پٹنے لگا۔ دربان نے کہا مضائقہ نہیں وہ اپنے کئے کی سزا خدا سے پائے گا۔ دربان

نے اس کے لئے یخنی پکائی اور کٹورا بھر کر اسے پلائی۔ اس طرح وہ دو مہینے تک نائی کو اپنی جیب سے کھلاتا پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ خدا نے اسے شفا دی اور وہ چلنے پھرنے لگا تو اس نے دربان سے کہا اگر خدا نے مجھے قدرت دی تو تیری بھلائوں کا بدلہ دوں گا اگرچہ بدلے دینے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔ دربان بولا شکر ہے خدا کا کہ تو اچھا ہو گیا۔ میں نے جو کچھ کیا محض خدا کے لئے کیا۔

اب نائی سرائے سے نکل کر بازاروں میں سیر کرنے لگا، پھرتے پھرتے وہ بازار میں پہنچا جہاں ابو قیر کا رنگریز خانہ تھا اس نے دیکھا کہ کپڑے رنگ بہ رنگ کے رنگے ہوئے دروازے پر پھیلے ہوئے ہیں اور لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ نائی نے شہر والوں میں سے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا جگہ ہے اور یہ بھیڑ کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ یہ سلطانی رنگریز خانہ ہے جسے ابو قیر نامی ایک پردیسی نے کھولا ہے جب وہ کپڑا رنگتا ہے تو ہم آ کر تماشا دیکھتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں کے رنگ ریز اس طرح کے رنگ رنگنا نہیں جانتے۔ اسے شہر کے رنگریزوں کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے اس کی دست گیری کی اور اس کے لئے یہ رنگریز خانہ بنوایا۔ ابوصیر یہ سن کر خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شکر ہے اللہ نے اس کی مصیبت دور کر دی۔ اور وہ دکان دار بن گیا۔ دکان کھولنے کی وجہ سے وہ تیرے پاس سے چلا آیا اور تجھے بھول گیا لیکن جب وہ بے کار تھا تو تو نے اس کے ساتھ بھلائی کی تھی جب وہ تجھے دیکھے گا تو تیری بھلائی کے بدلے وہ بھی تیرے ساتھ بھلائی کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ رنگریز خانے کے دروازے کی طرف بڑھا دیکھا کہ ابو قیر دکان کے دروازے پر شاہانہ لباس پہنے ہوئے ایک اونچی چوکی پر بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے چار حبشی غلام اور چار گورے غلام عمدہ عمدہ کپڑے پہنے کھڑے ہیں اور دس غلام کپڑے رنگ رہے ہیں کیونکہ اس نے انہیں خرید کر رنگریزی کا کام سکھایا تھا اور وہ تکیوں کے بیچ میں یوں بیٹھا ہوا ہے جیسے بڑا وزیر عالی شاہ بادشاہ اور اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا۔ بس اتنا کہتا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ کرو۔ ابوصیر اس کے سامنے جا کھڑا

ہو گیا۔ خیال کیا کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گا، سلام کرے گا اور اس کی عزت اور خاطر تواضع کرے گا لیکن جوں ہی ان کی چار آنکھیں ہوئیں تو ابوقیر نے کہا اے خبیث! میں تجھ سے کتنی بار کہوں کہ اس کارخانے کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا کر؟ اے چوٹے! کیا تو مجھے لوگوں میں بدنام کرنا چاہتا ہے؟ پکڑو اسے۔ یہ سنتے ہی غلاموں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ ابوقیر ڈنڈا لے کر اٹھا اور کہا اسے پچھاڑو۔ جب انہوں نے اسے پچھاڑا تو ابوقیر نے اس کی پیٹھ پر سو ڈنڈے لگائے پھر انہوں نے اسے چت کیا اور اس نے پیٹ پر سو ڈنڈے رسید کئے اور کہا اے خبیث اے خائن! اگر میں نے تجھے پھر دکان کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو تجھے فوراً پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا وہ تجھے والی کے سپرد کر دے گا اور والی تیری گردن توڑ دے گا۔ دور ہو یہاں سے خدا تیرا ستیاناس کرے! اس مار پیٹ اور ذلت کے سلوک سے وہ دل شکستہ ہو کر چل دیا۔ لوگوں نے ابوقیر سے پوچھا کہ اس شخص نے کیا کیا تھا؟ اس نے جواب دیا یہ چور ہے، لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے۔

• نو سو پینتیس ویں رات

نو سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابو قیر نے کہا کہ یہ چور ہے، لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے، میرے یہاں سے بھی کئی بار کپڑے چالے گیا ہے لیکن میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ خدا اسے معاف کرے! وہ غریب آدمی ہے اس لئے میں اس کے ساتھ سختی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو ان کے کپڑوں کے دام دے دیتا ہوں اور اسے نرمی سے منع کرتا ہوں پھر بھی وہ مانتا نہیں اگر دوبارہ آیا تو میں اسے بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا اور وہ اسے قتل کر کے لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دے گا۔ یہ سن کر لوگ بھی اس کی پیٹھ پیچھے اس کو برا بھلا کہنے لگے۔

یہ تو ابو قیر کا قصہ ہوا۔ اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ وہ سرائے جا کر اس سوچ میں پڑ گیا کہ ابو قیر نے اس کی کیسی بری گت بنائی۔ جب بیٹھے بیٹھے اس کے درد میں کمی ہوئی تو وہ بازار گیا اسے خیال آیا کہ حمام جانا چاہیے اس نے ایک شہر والے سے پوچھا کہ بھائی! حمام کا راستہ کون سا ہے؟ اس نے کہا حمام کیا چیز ہوتی ہے؟ ابوصیر نے جواب دیا جہاں لوگ نہاتے ہیں اور اپنا میل دور کرتے ہیں۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ ابوصیر نے کہا میں تو حمام جانا چاہتا ہوں۔ شخص نے کہا ہم حمام نہیں جانتے، ہم تو سمندر کے کنارے نہانے جاتے ہیں۔ جب ابوصیر کو معلوم ہوا کہ اس شہر میں حمام نہیں ہے بلکہ لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حمام ہوتا کیا ہے تو وہ بادشاہ کے دربار میں گیا اس کے آگے زمین چومی اسے دعا دی اور کہا کہ میں ایک پردہ کی ہوں اور حمام کا کام کرتا ہوں۔ تیرے شہر میں آ کر میں نے حمام جانے کا ارادہ کیا لیکن یہاں ایک حمام بھی نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس شہر میں اتنی خوبیاں ہوں وہاں حمام نہ ہوں جو دنیا کی بہترین نعمت ہے۔ بادشاہ نے پوچھا حمام کیا ہوتا ہے؟ ابوصیر نے حمام کی تعریف بیان کی اور کہا تیرا شہر پورا شہر نہیں ہو سکتا

جب تک اس میں حمام نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا تو خوب آیا اور اسے ایک لاجواب پوشاک پہنائی ایک گھوڑا اور دو غلام عطا کئے، چار کنیزیں اور دو گورے غلام دیئے اور ایک گھر فرش سے آراستہ کرا دیا۔ رنگریز سے زیادہ اس کا احترام کیا اور معماروں کو اس کے ساتھ بھیج کر حکم دیا کہ جو جگہ یہ پسند کرے وہاں اس کے لئے ایک حمام بنا دو۔

ابوصیر معماروں کو لے کر شہر میں آیا اور ایک جگہ پسند کر کے ان سے کہا کہ یہاں حمام بنا دو پھر اس نے اس میں اتنے اچھے نقش و نگار بنوائے کہ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا حمام تیار ہو گیا ہے۔ اس میں نقش و نگار بھی ہو گئے ہیں۔ اب محض فرش کی کمی رہ گئی ہے۔ بادشاہ نے اسے دس ہزار دینار دیئے۔ اس نے حمام کے لئے فرش خریدا اور پردے ڈالے۔ لوگ دیکھتے اور تعجب کرتے وہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی وہ تماشا دیکھتے اور پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟ ابوصیر کہتا یہ

حمام ہے اس کے بعد اس نے حوض میں ایک فوانہ لگایا، پانی گرم کیا اور حمام چل نکلا۔ پھر اس نے بادشاہ سے دس گورے غلام مانگے جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں۔ بادشاہ نے اسے دس گورے غلام دے دیئے جو چاند کی طرح خوبصورت تھے۔ ابوصیر ان کی مالش کرتا اور کہتا کہ گاہکوں کے ساتھ ایسا کیا کروں۔ اس کے بعد اس نے ڈھنڈورا پیٹنے والے شہر میں بھیجے کہ اے لوگو! حمام آؤ، کیونکہ اس کا نام سلطانی حمام ہے۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اس نے غلاموں سے کہا ان کے بدن دھوئیں اور انہیں نہلائیں۔ نہانے کے بعد لوگ حوض میں غوطہ مارتے اور نکل کر چبوترے پر بیٹھتے۔ غلام ان کی اسی طرح مالش کرتے جیسا ابوصیر نے انہیں سکھایا تھا۔ تین دن تک لوگ آتے نہاتے رہے اور اس نے ان سے کوئی اجرت نہ لی۔

چوتھے دن بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سوار ہو کر حمام آیا۔ ابوصیر نے خود بادشاہ کی مالش اور میل کی بتیاں اتار کر اسے دکھائیں وہ بہت خوش ہوا جب وہ اپنا بدن چھوتا تو وہ چکنا اور صاف ستھرا معلوم ہوتا۔ اس کے بعد ابوصیر نے حوض میں گلاب ملا دیا۔ بادشاہ اس میں غوطہ لگا کر نکلا تو اس کا بدن مکھ اٹھا پھر اس نے بادشاہ کو چبوترے

پر بٹھایا غلاموں نے اس کی مالش کی۔ بادشاہ نے پوچھا استاد! حمام اسی کا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں! بادشاہ نے کہا میرے سر کی قسم بے اس حمام کے میرا شہر شہر نہ تھا۔ پھر کہا تو ہر شخص سے اجرت لیا کر۔ ابوصیر نے کہا جو تو حکم دے وہ لیا کروں گا۔ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور کہا کہ جو کوئی نہانے آئے اس سے ایک ہزار دینار لے۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ! لوگ سب ایک سے نہیں، کوئی امیر ہے کوئی غریب۔ اگر میں ہر ایک سے ایک ہزار دینار لوں تو حمام بند ہو جائے گا۔ کیونکہ غریب آدمی ایک ہزار نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے کہا تو پھر تو کیا اجرت لے گا؟ ابوصیر نے کہا جو جس کا جی چاہے دے۔ اس طرح سے بہت سے لوگ آیا کریں گے۔ امیر اپنی حیثیت کے مطابق دے گا اور غریب اپنی بساط کے موافق۔ اس طرح سے حمام چل نکلے گا اور اس کی شان قائم رہے گی۔ ایک ہزار دینار تو شاہی بخشش ہے ہر شخص اتنا نہیں دے سکتا۔ مصاحبوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا جہاں پناہ یہ ٹھیک ہے۔ بادشاہ بولا تم سچ کہتے ہو۔ اس نے ہمارے شہر میں یہ حمام بنایا ہے جس کی مثال ہماری نظر سے عمر بھی نہیں گزری۔ بے اس کے ہمارے شہر میں نہ نہنت تھی نہ شان۔ ہم اسے کتنی ہی اجرت کیوں نہ دیں کم ہے۔ انہوں نے کہا اگر تو اس کے ساتھ اکرام کرنا چاہتا ہے تو اپنے مال سے کر اور تیرا اکرام یہ ہے کہ لوگوں سے اجرت کم لی جائے تاکہ وہ تجھے دعا دیں۔ رہا ایک ہزار دینار کا سوال تو ہم تیری حکومت کے بڑے لوگ بھی اتنا نہیں دے سکتے پھر غریب لوگ کہاں سے لائیں گے؟ بادشاہ نے کہا اے حکومت کے بڑے لوگو! اس بار تم میں سے ہر ایک سو دینار، ایک گورا غلام، ایک کنیز اور ایک حبشی غلام دے۔ انہوں نے کہا بہت خوب ہم اسے اسی قدر دیں گے لیکن آج کے بعد جس کا جو جی چاہے دے۔ امراء کی تعداد جو بادشاہ کے ساتھ نہانے آئے تھے چار سو تھی۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک کنیز، ایک گورا اور ایک کالا غلام دیا۔

• نو سو چھتیس ویں رات

نو سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- مصاحبوں کی تعداد اس وقت چار سو تھی لہذا اسے چالیس ہزار دینار، چار سو گورے، چار سو کالے غلام اور چار سو کنیریں ملیں۔ یہ عطیہ کچھ کم نہ تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے دس ہزار دینار دس گورے، دس کالے غلام اور دس کنیریں اپنی طرف سے اور دیں۔ ابوصیر نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور عرض کیا اے نیک بخت بادشاہ! اس قدر غلاموں اور کنیروں کو میں رکھوں گا کہاں؟ بادشاہ نے کہا میں نے یہ اس لئے حکم دیا ہے تاکہ تیرے پاس بہت کچھ مال دولت جمع ہو جائے اور جب تو اپنے وطن جانا چاہیے تو تیرے پاس اتنا ہو کہ تو اپنا وقت عیش سے کاٹ سکے۔ ابوصیر نے کہا کہ جہاں پناہ! خدا تجھے عزت دے۔ اس قدر غلام اور کنیریں تو بادشاہ کے قابل ہیں اگر بجائے اس لشکر کے تو مجھے نقد دیتا تو میرے لئے بہتر تھا کیونکہ انہیں کھانا پلانا، پہنانا پڑے گا اور اتنا مال میرے پاس کہاں سے آئے گا۔ کہ میں ان کا خرچ چلا سکوں۔ بادشاہ ہنس پڑا اور بولا واللہ تو سچ کہتا ہے۔ واقعی یہ تو فوج کی فوج ہو گئی کہ تو انہیں کھلا پلا بھی نہیں سکتا۔ اچھا میں انہیں فی کس سو دینار میں مول لینے کے لئے تیار ہوں، بیچے گا؟ اس نے جواب دیا میں اس قیمت پر بیچنے کے لئے تیار ہوں۔ بادشاہ نے خزانچی کو بلوا کر کل دام ادا کر دیئے اور اس کے بعد غلام اور کنیریں ان کے مالکوں کو بخش دیں۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ! جس طرح تو نے مجھے ان بھوتوں سے بچایا ہے خدا تجھے بچائے۔ بادشاہ ہنس پڑا اور کہا تو سچ کہتا ہے۔

بادشاہ اپنے مصاحبوں کو لے کر اپنے محل چلا گیا اور ابوصیر رات بھر دینار گنتا انہیں تھیلیوں میں رکھتا اور ان پر مر لگاتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو ابوصیر نے حمام کھولا اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی حمام میں آ کر نہائے جو اس کا جی چاہیے دے۔ ابوصیر

صندوق کے پاس بیٹھ گیا نہانے والوں کی بھیڑ کی بھیڑ آ پہنچی جو نہا کر نکلتا جو اس کا جی چاہتا صندوق میں ڈال دیتا۔ یہاں تک کہ شام ہوتے ہوتے صندوق لبالب بھر گیا۔ اب ملکہ نے حمام جانے کا ارادہ کیا۔ ابوصیر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے دن کے دو حصے کر دیئے۔ فجر سے ظہر تک مردوں کے لئے اور ظہر سے مغرب تک عورتوں کے لئے۔ ملکہ آئی تو ابوصیر نے ایک کنیر کو صندوق کے پاس بٹھا دیا اور چار غسلہ لڑکیوں کو اندر مامور کر دیا جنہیں اس نے سکھا کر ماہر کر دیا تھا۔ جب ملکہ حمام میں داخل ہوئی تو اسے بڑا تعجب ہوا اس نے خوش ہو کر صندوق میں ایک ہزار دینار ڈال دیئے۔ اس کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ امیر غریب سب اس کی عزت کرنے لگے۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے بھی اس کا تعارف ہو گیا۔ اور وہ سب اس کے دوست بن گئے۔ بادشاہ ہر ہفتے ایک بار حمام آتا اور ایک ہزار دینار دیتا، باقی دن امراء اور فقراء کے لئے مخصوص تھے۔ ابوصیر ہر شخص کا دل ہاتھ میں لیتا اور بڑی نرمی کے ساتھ پیش آتا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ کا بحری کپتان حمام میں آیا۔ ابوصیر خود اس کے کپڑے اتار کر اسے حمام کے اندر لے گیا اس کی مالش کی اور بڑی نرمی برتی۔ جب وہ حمام سے نکلا تو اس کے لئے شربت اور قہوہ بنوایا لیکن جب وہ اسے دام دینے لگا تو اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ کپتان پر اس کی نیکی کا بڑا اثر ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اس کی نیکی کا بدلہ دے؟

یہ تو ابوصیر کی کہانی تھی۔ اب ابوقیر کا ماجرا سنو۔ جب اس نے سنا کہ سب لوگ حمام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی ہے کہ یہ حمام دنیا کی نعمتوں میں سے ہے۔ ابوقیر اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کل ضرور جا کر اس حمام کو دیکھوں گا جس پر لوگ ریجھے ہوئے ہیں۔ دوسرے دن اس نے بہترین کپڑے پہنے خچر پر سوار ہوا چار گورے اور چار کالے غلاموں کو آگے پیچھے لے کر حمام گیا۔ حمام کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ خوشبوئیں مہک رہی ہیں۔ لوگ اندر باہر آ جا رہے ہیں اور چبوترے چھوٹے بڑوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دروازے کے اندر داخل ہوا اور

ابوصیر کی نظر اس پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خوش ہو گیا۔ ابوقیر نے کہا کیا حلال زادے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ میں نے ایک رنگریز خانہ کھولا، سارے شہر کا استاد ہوں۔ بادشاہ سے میرا تعارف ہے، بڑا خوش حال اور عزت و احترام والا ہوں لیکن نہ تو میرے پاس آتا ہے نہ میری خبر لیتا ہے نہ یہ پوچھتا ہے کہ میرا ساتھی کیا ہوا۔ میں تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔ میرے غلاموں نے ساری ساری سرائیں، شہر کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن کسی سے تیرا پتا نہ چلا۔ ابوصیر بولا کیا میں تیرے پاس نہیں آیا تھا؟ تو نے مجھے چور کہہ کر مارا تھا اور لوگوں کے سامنے میری ذلت کی تھی۔ ابوقیر نے غمگین صورت بنا کر کہا یہ تو کیا کہتا ہے؟ کیا وہ تو ہی تھا۔ جسے میں نے مارا تھا؟ ابوصیر بولا ہاں وہ میں ہی تھا۔ ابوصیر نے ہزاروں قسمیں کھا ڈالیں کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا بلکہ ایک شخص تیرا ہم شکل ہر روز آ کر لوگوں کے کپڑے چرائے جلاتا تھا۔ میرا خیال ہوا کہ تو وہی شخص ہے یہ کہہ کر اس نے بڑی پشیمانی کا اظہار کیا اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا لاحول ولا قوہ۔ میں نے تیرے ساتھ بہت برا کیا۔ کاش تو اپنا نام بتا دیتا۔ غلطی تری ہے کہ تو نے اپنا نام نہیں بتایا، خاص کر جب کام کی زیادتی کی وجہ سے میرے ہوش نہکالنے نہ تھے۔ ابوصیر بولا اے دوست! خدا تجھے معاف کرے۔! یہ چیز میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی اور خدا مجھے اس کا بدلہ دے گا۔ حمام میں چل کر کپڑے اتار، نہا اور خوش ہو۔ ابوقیر نے کہا پہلے تو مجھے معاف کر دے۔ ابوصیر بولا خدا تیرا دامن پاک کرے اور تجھے معافی دے کیونکہ یہ ازل سے میرے لئے مقدر تھا۔ اس کے بعد ابوقیر نے پوچھا تو اتنا بڑا کیونکر ہو گیا؟ اس نے جواب دیا۔ جس خدا نے تیری قسمت کھول دی اور اس نے میرے لئے حمام بنوا دیا۔ ابوقیر بولا۔ جس طرح تجھے بادشاہ جانتا ہے مجھے بھی جانتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو سینتیس ویں رات

نو سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابو قیر بولا جس طرح بادشاہ تجھے جانتا ہے مجھے بھی جانتا ہے اور خدا نے چاہا تو اب میں تیری محبت اس کے دل میں ڈال دوں گا اور میری وجہ سے وہ تیرا زیادہ احترام کرے گا۔ اسے معلوم نہیں کہ تو میرا دوست ہے۔ میں اس بتا دوں گا کہ تو میرا دوست ہے اور تیری سفارش کر دوں گا۔ ابوصیر بولا سفارش کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو ذات محبت پیدا کرتی ہے اب بھی موجود ہے، بادشاہ اور اس کے تمام حکام مجھے چاہتے ہیں اور مجھے فلاں فلاں انعام دیا ہے۔ اب تو صندوق کے پیچھے جا کر کپڑے اتار ڈال اور میرے ساتھ حمام کے اندر چل کیونکہ میں خود تیری مالش کروں گا۔ ابو قیر نے کپڑے اتار ڈالے، حمام کے اندر گیا۔ ابوصیر نے اس کی مالش کی، صابن سے نہلایا، دوبارہ کپڑے پہنائے اور باہر نکلنے تک اس کی خدمت کرتا رہا۔ جب وہ باہر آیا تو ابوصیر نے ناشتہ حاضر کیا اور طرح طرح کے شربت پلائے۔ اس کے بعد ابو قیر نے اسے کچھ دینا چاہا اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی تو میرا دوست ہے اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اب ابو قیر نے ابوصیر سے کہا دوست! یہ حمام تو نہایت عالی شان ہے لیکن ایک چیز کی کسر ہے۔ ابوصیر نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا بال اڑانے کی دوا جو ہڑتال اور کھریا مٹی سے بنائی جاتی ہے۔ اسے بنا کر رکھ لے جب بادشاہ آئے تو اسے پیش کیجئے اور بال اڑانے کا طریقہ اسے بتائیو۔ اس پر وہ تجھ سے بہت زیادہ محبت اور تیرا احترام کرنے لگے گا۔ ابوصیر نے کہا تو ٹھیک کہتا ہے، خدا نے چاہا تو ضرور بناؤں گا۔

ابو قیر حمام سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوا اور سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا جہاں پناہ! میں تجھے خبردار کرنے کے لئے آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کس بات سے؟

ابوقیر نے کہا تو نے ایک حمام بنوایا ہے؟ بادشاہ نے کہا ہاں! تیری ہی طرح ایک پردیسی آیا تھا اور جس طرح میں نے تیرے لئے ایک رنگریز خانہ بنوایا ہے اسی طرح اس کے لئے ایک حمام۔ ابوقیر نے کہا تو اس کے اندر بھی گیا ہے؟ بادشاہ بولا ہاں! گیا ہوں۔ ابوقیر نے کہا شکر ہے خدا کا تو اس کے شر سے محفوظ رہا جو حماچی ہے وہ بڑا خبیث اور دین کا دشمن ہے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ ابوقیر بولا جہاں پناہ! اگر تو پھر گیا تو مارا جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیسے؟ ابوقیر نے کہا حماچی تیرا اور دین کا دشمن ہے۔ حمام قائم کرنے کا مقصد ہی اس کا یہ ہے کہ وہ تجھے زہر دے دے۔ جب تو حمام جائے تو وہ ایک دوا تیرے پاس لائے گا اور کہے گا کہ اس کی دھونی سے بال بلا تکلف گر پڑتے ہیں لیکن وہ دوا نہیں بلکہ قاتل زہر ہے۔ اس خبیث سے عیسائیوں کے بادشاہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دے تو وہ اس کی بیوی کو قید سے چھوڑ دے گا۔ اس کی بیوی بچے عیسائیوں کے بادشاہ کے یہاں قید ہیں۔ میں بھی وہیں قید تھا لیکن میں نے وہاں ایک رنگریز خانہ کھولا۔ رنگ بہ رنگ کے کپڑے رنگے اور بادشاہ نے خوش ہو کر مجھے آزاد کر دیا۔ وہاں سے میں یہاں آیا تو میں نے اسے دیکھا اور پوچھا کہ تو اور تیرے بیوی بچے کیسے چھوٹے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک روز دیوار کیا جس میں میں بھی موجود تھا۔ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ سوائے فلاں شہر کے بادشاہ کے کسی نے میرے اوپر اس قدر ظلم نہیں کیا۔ اس لئے جو کوئی اسے قتل کر دے گا جو مانگے گا میں دوں گا۔ اس پر میں نے آگے بڑھ کر کہا اگر میں کسی حیلے سے اسے مار ڈالوں تو کیا تو مجھے اور میرے بیوی بچوں کو چھوڑ دے گا۔ اس نے جواب دیا ہاں اور جو تو مانگے گا دوں گا۔ اس لئے میں نے یہاں کر بادشاہ سے ایک حمام بنوایا اور اب یہی باقی ہے کہ میں بادشاہ کو قتل کر کے عیسائیوں کے بادشاہ کے پاس جاؤں اپنے بیوی بچوں کو چھڑاؤں اور اس سے انعام لوں۔ میں نے پوچھا تو نے کیا ترکیب سوچی ہے؟ اس نے کہا میں نے ایک دوا بنائی ہے جب وہ حمام آئے گا میں کہوں گا کہ اس کی دھونی لے تاکہ تیرے تمام

نیچے کے بال گر جائیں۔ لیکن یہ زہر ہے وہ دھونی لیتے ہی ایک دن رات میں زہر اس کے دل تک سرایت کر جائے گا وہ مر جائے گا اور بس یہ سن کر مجھے تیری جان کے لالے پڑ گئے اور میں تجھے خبر دینے دوڑا ہوں۔ کیونکہ میرے اوپر تیرے بڑے احسانات ہیں۔

اس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ کو تیش آ گیا اور رنگریز سے کہا کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ اس کے بعد اس نے حمام جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ شک جاتا رہے اور یقین ہو جائے۔ حمام پہنچا تو ابوصیر نے دستور کے مطابق اس کے کپڑے اتارے مالش کی اور پھر کہا کہ جہاں پناہ! میں نے ایک دوا بنائی ہے جس سے نیچے کے بال اڑ جائیں۔ بادشاہ بولا اسے لا وہ لے آیا تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ بڑی بدبودار ہے اسے یقین ہو گیا کہ وہ زہر ہے اور طیش میں آ کر اپنے نوکروں سے کہا پکڑو اسے۔ نوکروں نے پکڑ لیا بادشاہ غصے میں بھرا وہاں سے نکلا کسی کو اس کے غصے کی وجہ معلوم نہ ہوئی۔ نہ کسی کی ہمت پڑی کہ اس سے پوچھے۔ اب بادشاہ کپڑے پہن کر دربار میں آیا اور ابوصیر مشکیں باندھ کر حاضر کیا گیا بادشاہ نے کپتان کو بلا کر کہا اس خبیث کو لے جا کر ایک بوری میں بند کر کے اس میں بے بجا دو من چونا ڈال دے، بوری کا منہ بند کر کے اسے ایک ناؤ میں رکھ اور میرے محل کے نیچے آ تو مجھے وہاں ایک جھروکے میں بیٹھا دیکھے گا۔ مجھ سے پوچھیں کہ پھینکوں اسے؟ میں کہوں گا پھینک، اس وقت تو اسے پھینک دیجئے تاکہ وہ جل کر ڈوب جائے اور مر جائے۔ کپتان نے کہا سر آنکھوں سے اور ابوصیر کو محل کے سامنے ایک جزیرے میں لے گیا اور اس سے کہا تو نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ بتا تو سہی کہ بادشاہ کے ساتھ تجھے کیا پیش آیا تو نے کیا ایسی حرکت کی کہ بادشاہ تجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے حکم دیا کہ تجھے بری موت ماروں۔ ابوصیر نے کہا میں نے تو کوئی بات ایسی نہیں کی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔

• نو سو اڑتیس ویں رات

نو سو اڑتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابوصیر نے کپتان سے کہا مجھ سے تو کوئی ایسی حرکت سر زد نہیں ہوئی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔ کپتان بولا تیرا درجہ تو بادشاہ کے نزدیک اتنا بڑا تھا کہ بڑے بڑے لوگ حسد کرتے تھے شاید کسی حاسد نے کوئی بات بادشاہ کے آگے تیرے خلاف کہی ہے کہ وہ اتنا ناراض ہو گیا ہے۔ لیکن خوش ہو تیرا بال بیکا نہ ہو گا جس طرح تو نے بے جانے پہچانے میرے ساتھ نیکی کی ہے میں بھی خالص دوستی کا حق ادا کروں گا اور تجھے چھڑا دوں گا۔ لیکن جب میں تجھے آزاد کر دوں تو اسی جزیرے میں میرے پاس ٹھہرا رہو کوئی کشتی یہاں سے تیرے وطن جائے گی تو میں روانہ کر دوں گا۔ ابوصیر نے کپتان کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ کپتان نے چونا لا کر بوری میں بھرا اس کے اندر انسان کے برابر ایک پتھر رکھا اور خدا پر بھروسہ کر کے بیٹھ گیا اور ابوصیر کو ایک جال دے کر کہا کہ اسے سمندر میں ڈال کر مچھلیاں پکڑ کیونکہ میرا فرض ہے کہ ہر روز بادشاہ کے باورچی خانے کے لئے مچھلیاں پکڑا کروں۔ آج اس مصیبت کی وجہ سے میں نے کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ باورچی کے غلام آئیں اور کوئی مچھلی نہ پائیں۔ اگر تو مچھلیاں پکڑنے جائے گا تو میں اطمینان سے کوئی ترکیب چلوں گا اور محل کے نیچے جا کر کہوں گا میں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ ابوصیر نے کہا اچھا میں مچھلیاں پکڑتا ہوں تو جا خدا تیری مدد کرے! کپتان بوری کو کشتی میں رکھ کر محل کے نیچے پہنچا۔ دیکھا کہ بادشاہ جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے۔ کپتان نے کہا پھینکوں؟ بادشاہ نے کہا پھینک۔ ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کیا اور کوئی چیز چمکتی ہوئی اس کے ہاتھ سے سمندر میں جا پڑی۔ یہ بادشاہ کی انگوٹھی تھی اور طلسمی تھی۔ جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا اور اسے قتل کرنا چاہتا تو داہنے ہاتھ سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کرتا اور اس میں

بجلی نکلتی اور جس کی طرف وہ اشارہ کرتا اس کا سر کندھے سے جدا ہو جاتا۔ جب انگوٹھی اس کے ہاتھ سے نکل پڑی تو اس نے اس بھید کو پوشیدہ رکھا کیونکہ وہ کسی سے کہہ نہ سکتا تھا کہ میری انگوٹھی سمندر میں گر پڑی ہے۔ ورنہ اس کا لشکر اس پر چڑھائی کر کے اسے مار ڈالتا۔ یہ تھی وجہ اس کے چپ رہنے کی۔

یہ تو بادشاہ کا قصہ ہے ہوا اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ کپتان کے جانے کے بعد اس نے جال لے کر سمندر میں پھینکا، کھینچا تو مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جتنی بار وہ جال پھینکتا وہ مچھلیوں سے بھرا ہوا نکلتا۔ یہاں تک کہ اس کے آگے مچھلیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ میں نے ایک زمانے سے مچھلیاں نہیں کھائیں اور اس نے اپنے لئے ایک موٹی تازی مچھلی نکال کر الگ رکھ لی۔ جب کپتان آئے تو میں اس سے کہوں گا یہ مچھلی میرے ناشتے کے لئے بھون دے۔ اس کے بعد اس نے چھری نکال کر مچھلی کی گردن کاٹی تو اس میں سے وہی انگوٹھی نکلی اس نے اسے اپنی چھنگلی میں پن لیا۔ لیکن اسے انگوٹھی کی خاصیت کی بالکل خبر نہ تھی۔ اتنے میں باورچی کے دو غلام مچھلیاں لینے آئے ابوصیر کے پاس پہنچ کر انہوں نے پوچھا کپتان کہاں ہے؟ ابوصیر بولا مجھے خبر نہیں اور اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی دونوں کے سرتن سے جدا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابوصیر حیران ہو گیا اور کہنے لگا خدا جانے انہیں کس نے قتل کر دیا؟ اسی سوچ میں تھا کہ کپتان پہنچا دیکھا کہ مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، دو مقتول پڑے ہوئے ہیں اور ابوصیر کی انگلی میں انگوٹھی ہے۔ اس نے کہا بھائی! اپنا وہ ہاتھ نہ ہلاؤ۔ جس میں انگوٹھی ہے ورنہ میں قتل ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد کپتان نے ابوصیر سے پوچھا ان دونوں غلاموں کو کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی۔ خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کپتان بولا تو سچ کہتا ہے اچھا بتا یہ انگوٹھی تجھے کہاں سے ملی؟ ابوصیر بولا مچھلی کے پیٹ میں سے۔ کپتان بولا ٹھیک ہے میں نے اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے ہوئے دیکھا تھا غالباً اس مچھلی نے

اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے دیکھا تو غالباً اس مچھلی نے اسے نگل لیا۔ خدا نے اس مچھلی کو تیرے پاس پہنچا دیا اور تو نے اسے شکار کر لیا۔ یہ تیرا نصیب ہے۔ لیکن تجھے اس انگوٹھی کی خاصیت بھی معلوم ہے؟ ابوصیر بولا نہیں۔ پکتان نے کہا ہمارے بادشاہ کا لشکر محض اس انگوٹھی کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ وہ ظلم ہے جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا ہے اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس انگوٹھی سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا سر گردن سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر ابوصیر بہت خوش ہوا اور پکتان سے کہا مجھے شر واپس بھیج دے۔ پکتان نے کہا میں واپس بھیج دوں گا اب مجھے بادشاہ سے تیرے بارے میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ اگر تو اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے گا تو اس کا سر تیرے آگے پڑے گا اگر تو بادشاہ اور اس کے سارے لشکر کو قتل کرنا چاہے تو بغیر کسی دقت کے انہیں قتل کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ابوصیر کو کشتی میں بٹھایا اور شر کی طرف روانہ کر دیا۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو انتالیس ویں رات

نو سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- کپتان نے اسے کشتی میں بٹھا کر شہر بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر ابوصیر سیدھا شاہی محل کے اندر چلا گیا، دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے لشکر اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ انگوٹھی کی وجہ سے نہایت غمگین ہے مگر کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ بادشاہ کی نظر ابوصیر پر پڑی تو اس نے کہا ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا پھر تو کس طرح نکل آیا؟ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! جب تو نے حکم دیا تھا کہ کپتان مجھے سمندر میں پھینک دے تو اس نے اس بھلائی کے بدلے جو میں نے تیرے حمام میں اس کے ساتھ کی تھی بجائے میرے بوری میں ایک پتھر رکھ دیا اور میں مچھلیاں پکڑنے لگا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے یہ انگوٹھی نکلی۔ کپتان سے معلوم ہوا کہ یہ تیری انگوٹھی ہے اور اس کی یہ یہ خاصیت ہے۔ لہذا یہ انگوٹھی لے کر تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے دے دوں۔ کیونکہ تو نے میرے ساتھ بڑے بڑے احسانات کئے ہیں اگر میں نے تیرے ساتھ کوئی برائی کی ہو جس سے میرا قتل واجب آتا ہو تو مجھے بتا دے اور مجھے قتل کر ڈال۔ میرے خون کا تیرے اوپر کوئی دعویٰ نہ ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اتار دی اور بادشاہ کو دے دی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ابوصیر اس کے ساتھ یہ احسان کر رہا ہے تو اس نے انگوٹھی لے کر پن لی اس کی جان میں جان آگئی اس نے اٹھ کر ابوصیر کو گلے سے لگا لیا اور کہا اے شخص! تو بہت حلال زادہ ہے، جو کچھ مجھ سے تیرے حق میں صادر ہوا اسے معاف کر دے اگر کسی اور کے ہاتھ یہ انگوٹھی لگتی تو وہ مجھے ہر گز نہ دیتا۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں تو مجھے بتا کہ مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جو تو اتنا ناراض ہوا کہ میرے قتل کا حکم دے دیا؟

بادشاہ بولا تو نے اتنی بڑی بھلائی میرے ساتھ کی ہے کہ تیری بے گناہی مجھ پر ثابت ہو گئی لیکن رنگریز نے مجھ سے یہ یہ باتیں کہی تھیں۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! نہ میں عیسائیوں کے بادشاہ کو جانتا ہوں نہ کبھی ان کے ملک میں گیا ہوں اور نہ کبھی تیرے قتل کرنے کا خیال میرے دل میں آیا ہے۔ یہ رنگریز اسکندریہ میں میرا دوست اور پڑوسی تھا۔ یہ کہہ کر اس نے رنگریز کا سارا واقعہ بادشاہ سے کہہ دیا اور کہا جو دوا میں نے بنائی تھی وہ ہر گز مضر نہیں۔ ہم اسے اپنے ہاں بنایا کرتے ہیں اور ہر حمام میں اس کا ہونا لازمی ہے۔ اے بادشاہ! سرائے کے دربان اور رنگریز خانے کے ملازموں کو لا کر خود پوچھ لے۔ جب وہ لوگ آئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے تمام باتیں سچ سچ کہہ دیں۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ رنگریز کو ننگے پاؤں اور ننگے سر مشکیں باندھ کر لے آؤ۔ رنگریز اس وقت اپنے گھر میں خوش خوش بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ ابوصیر مارا گیا کہ یکایک بادشاہ کے پیادے آ پہنچے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے دیکھا کہ ابوصیر بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے سرائے کا دربان اور رنگریز خانے کے ملازم اس کے سامنے کھڑے ہیں اسے دیکھتے ہی دربان نے کہا کیا یہ وہ تیرا دوست نہیں ہے جس کے درہم تو نے چرائے تھے جسے تو کوٹھڑی میں بیمار چھوڑ کر چلا گیا تھا اور جس کے ساتھ فلاں فلاں حرکت کی تھی؟ رنگریز خانے کے ملازموں نے کہا کیا یہ وہی شخص نہیں جس کے متعلق تو نے ہم سے کہا تھا کہ اسے پکڑو اور خوب مارو۔ اسے پکڑ کر شہر اور بازار میں ڈھنڈورا پیٹو۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چالیس ویں رات

نو سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ نے حکم دیا کہ ابوقیر کو شہر میں تشیر کرو اور پھر ایک بوری میں بند کر کے سمندر میں پھنک دو۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! میری سفارش مان لے۔ میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے۔ بادشاہ بولا تو نے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے مگر میں اس کے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اسے فوری بوری میں بند کر کے اور اس میں چونا ڈال کر سمندر میں پھینک دو تاکہ وہ ڈوب کر جل جائے اس کے بعد بادشاہ نے ابوصیر سے کہا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے میرے وطن بھیج دے۔ کیونکہ اب میرا جی یہاں نہیں لگتا۔ بادشاہ نے اسے بہت کچھ مال و دولت دے کر کہا میں تجھے اپنا وزیر بنا لوں گا لیکن وہ راضی نہ ہوا اور بادشاہ سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔ جب وہ سکندریہ پہنچا تو ملاحوں نے لنگر ڈالا اور خشکی پر اترے دیکھا کہ کہ خشکی کے کنارے ایک بڑی بھاری بوری ہے اس کا منہ بندھا ہوا ہے نہ معلوم اس کے اندر کیا ہے؟ ابوصیر نے اسے لے کر کھولا تو اس میں ابوقیر کی لاش ہے۔ سمندر اسے سکندریہ تک بہا لایا تھا۔ ابوصیر نے اسے نکال کر اسکندریہ کے قریب دفن کیا اس کا مزار بنایا اور بہت سا مال اس کے لئے وقف کر دیا۔ کچھ زمانے کے بعد ابوصیر کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اسے بھی اس کے دوست ابوقیر کے پاس دفن کیا۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام ابوقیر و ابوصیر پڑ گیا اور آج کل محض ابوقیر کے نام سے مشہور ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو دائمی ہے اور جس کے حکم سے دن رات آتے جاتے رہتے ہیں۔

○ عبداللہ مائی گیر، عبداللہ باورچی اور عبداللہ بحرئی کی کہانی

ایک ماہی گیر تھا۔ عبداللہ نام، اس کی ایک بیوی اور نو اولادیں تھیں۔ لیکن ان کی غربت اتنی تھی کہ سوائے جال کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ ہر روز مچھلیاں مارنے دیا کے کنارے جاتا اور اگر تھوڑی بہت مچھلیاں مل جاتیں تو انہیں بیچ کر اپنے اہل و عیال پر صرف کرتا کبھی کچھ زیادہ آمدنی ہو جاتی تو اچھا کھانا پکاتا، میوے خریدتا اور خرچ کرتا رہتا یہاں تک کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔ اور وہ اپنے دل میں کہتا کہ کل کی روزی کل آئے گی۔ خدا کی قدرت اس کی بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا اور اب ان کی تعداد دس ہو گئی، اس ماہی گیر کی جیب بالکل خالی تھی۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! کچھ لا کہ میں کھاؤں، ماہی گیر بولا میں ابھی دیا کے کنارے جاتا ہوں اور اس بچے کا نام لے کر جال پھینکتا ہوں۔ دیکھوں اس کی قسمت کیسی ہے؟ یہ کہہ کر اس نے جال اٹھایا اور دیا کی طرف چل کھڑا ہوا وہاں پہنچ کر بچے کے نام پر جال پھینکا اور کہا خداوند اس بچے کا رزق آسان کیجئے مشکل نہ کیجئے۔ زیادہ دیجنو کم نہ دیجو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر جب اس نے جال پھینکا تو اس میں گھاس پھوس، ریت، کنکر پتھر نکلے مچھلی کا نام و نشان نہ تھا پھر اس نے دوسری بار جال پھینکا پھر بھی کوئی مچھلی نہ آئی۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں بار جال پھینکا ہر بار جال خالی نکلا۔ اب اس نے وہاں سے دور جا کر قسمت آزمائی کی اور شام تک بیٹھا رہا۔ مچھلی کا بچہ بھی ہاتھ نہ لگا وہ اپنے دل میں کہنے لگا خدا نے اس بچے کو بے روزی کے پیدا کیا ہے مگر یہ تو ہو نہیں سکتا۔ جس ذات نے منہ بنایا ہے اور اسے کھلانے کا بھی ذمہ دار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال لیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اور اس کی بیوی زچہ خانے میں تھی۔

وہ اپنے دل میں یہی کہتا چلا جا رہا تھا کہ آج رات بچوں سے کیا کہوں گا کہ اس کا گزر ایک باورچی کے تنور پر ہوا دیکھا کہ وہاں بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگ باورچی کو دام دیتے لیکن بھیڑ کی وجہ سے وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ ماہی گیر کھڑا ہو کر تماشا

دیکھنے لگا جب گرم گرم روٹیوں کی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی تو مارے بھوک کے اس کا جی لپجانے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ کر کہا مایہ گیر! آگے آگے آیا تو باورچی نے پوچھا کیا تو روٹیاں چاہتا ہے؟ مایہ گیر چپ ہو گیا۔ باورچی نے کہا بول شرما نہیں اللہ کریم ہے اگر تیرے پاس دام نہیں تو میں ادھار دوں گا اور تیری حالت سدھرنے تک انتظار کروں گا۔ مایہ گیر نے کہا استاد! سچ مچ میرے پاس درہم نہیں لیکن تو میرے بال بچوں کے لئے کافی روٹیاں دے دے اور کل تک کے لئے میرا جال گروی رکھ لے۔ باورچی بولا اے غریب! یہی جال تو تیری دکان اور تیری روزی کا دروانہ ہے اگر تو نے اسے گروی رکھ دیا تو مچھلیاں کلہے سے پکڑے گا؟ یہ بتا کہ کتنی روٹیاں تیرے لئے کافی ہوں گی؟ اس نے کہا دس اٹھنیوں کی۔ باورچی نے اسے دس اٹھنیوں کی روٹیاں اور دس اٹھنیاں نقد دے دیں اور کہا کہ ان دس اٹھنیوں کا سالن پکائیو۔ اس طرح تیری طرف بیس اٹھنیاں ہو جائیں گی ان کے بدلے کل مچھلیاں لیتا آئیو اور اگر کچھ نہ ملے تو آکر اپنی روٹیاں اور دس اٹھنیاں لے جائیو بلکہ جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اکتالیس ویں رات

نو سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- باورچی نے ماہی گیر سے کہا جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا خدا تجھے اس کا اجر دے۔ وہ روٹیاں اور دس اٹھنیاں لے کر خوش خوش چل دیا اور جو کچھ ان سے خرید سکتا تھا خرید کر اپنی بیوی کے پاس گیا دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی بچوں کو دم دلاسا دے رہی ہے اور وہ مارے بھوک کے رو رہے ہیں۔ ماں کہہ رہی ہے کہ تمہارا باپ تمہارے لئے ابھی کھانا لا رہا ہو گا۔ اتنے میں باپ آ گیا اور کھانا ان کے سامنے رکھ دیا انہوں نے کھایا پیا۔ ماہی گیر نے اپنی بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا اس نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔ دوسرے روز وہ پھر جال لے کر نکلا اور کہنے لگا اے پرودگارا میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ آج تو مجھے روزی دیجینو تا کہ میں باورچی کے سامنے سرخرو ہوں۔ سمندر پر پہنچ کر وہ دن بھر جال پھینکتا اور کھینچتا رہا۔ لیکن کوئی مچھلی نہ پھنسی وہ غمگین اور رنجیدہ ہو کر لوٹا۔ اس کے گھر کا رستہ باورچی کے تنور ہی پر ہو کر تھا وہ کہنے لگا میں کدھر سے ہو کر گھر جاؤں؟ لیکن ایسا کر سکتا ہوں کہ جلدی سے گزر جاؤں تا کہ باورچی کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ تنور پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ باورچی کی شرم کے مارے تیز تیز چلنے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اے ماہی گیر! اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لیتا جا۔ شاید تو بھول گیا ہے۔ ماہی گیر بولا واللہ میں بھولا نہیں مجھے تیرے آگے شرم آتی ہے کیونکہ آج بھی میرے ہاتھ کوئی مچھلی نہیں لگی۔ باورچی بولا شرما نہیں میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ جب تک تیری حالت سدھر نہ جائے میں انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے ماہی گیر کو روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیں اور اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ بیوی بولی اللہ کریم ہے تیری قسمت خدا نے چاہا تو جاگ اٹھے

گی۔

چالیس دن تک ماہی گیر کی یہی حالت رہی کہ وہ صبح سے شام تک دیا پر رہتا اور پھر بے پھلیوں کے لوٹ آتا۔ باروچی اسے روٹیاں اور دام دیتا لیکن مچھلی کا نام نہ لیتا نہ اسے اور لوگوں کی طرح کھڑا رکھتا۔ جب کبھی ماہی گیر کہتا بھائی! حساب کر تو وہ جواب دیتا کہ چل یہ وقت حساب کتاب کا نہیں جب تیرے پاس ٹکے آ جائیں گے تو حساب کر لوں گا۔ ماہی گیر اسے دعا دیتا اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلا جاتا۔ اکتالیس ویں دن اس نے اپنی بیوی سے کہا میں چاہتا ہوں کہ جال کو کاٹ کر پھینک دوں اور اس کا رویار سے چھٹکارا پاؤں۔ بیوی نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا دیا سے اب میری روزی جاتی رہی ہے اور باروچی کے آگے مارے شرم کے پسینے پسینے ہو جاتا ہوں اس لیے نہ میں دیا پر جاؤں نہ اس کے تنور کے آگے سے گزروں لیکن میرا اور کوئی راستہ نہیں جب میں ادھر سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے پکار کر روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیتا ہے۔ آخر کب تک میں اس سے ادھار لیا کروں گا؟ بیوی بولی شکر ہے خدا کا کہ اس نے اس کا دل تیری طرف سے نرم کر دیا ہے اور وہ تجھے کھانا دیتا ہے اس میں کون سی بری بات ہے؟ ماہی گیر بولا اس کے بہت سے درہم میرے اوپر ہو گئے ہیں اور وہ ضرور ایک نہ ایک دن مانگ بیٹھے گا۔ بیوی نے کہا کیا اس نے تجھ سے تقاضا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ حساب بھی کرنا نہیں چاہتا اور کہتا ہے کہ پہلے کافی کمالے بیوی نے کہا اگر وہ مطالبہ کرے تو کہہ دیجیو کہ مجھے خوش حال ہونے دے۔ اس نے کہا ہم کب خوش حال ہوں گے؟ بیوی نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔

وہ بولا تو سچ کہتی ہے۔ وہ پھر جال لے کر دیا پر گیا کہنے لگا اے پروردگار! میری روزی عطا کر خواہ ایک ہی مچھلی کیوں نہ ہو تاکہ میں باروچی کو دوں۔ یہ کہہ کر اس نے جال پھینکا، کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا اس نے اتنا زور لگایا کہ تھک گیا۔ جال باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس میں ایک مردار گدھا ہے جو پھول گیا ہے اور جس میں

بری بدبو نکل رہی ہے۔ اس سے اسے بڑی گھن آئی۔ اس نے گدھے کو جال میں سے نکالا، لاجول پڑھنے لگا اور کہا میں تو عاجز آ گیا ہوں، لاکھ اس عورت سے کہتا ہوں کہ اب سمندر سے میری قسمت میں روزی نہیں، مجھے یہ پیشہ چھوڑ دینے دے لیکن وہ کہتی ہے اللہ کریم ہے۔ عنقریب تجھے بہت کچھ مل جائے گا۔ کیا وہ بہت کچھ یہی مردار گدھا ہے؟ اب وہ رنجیدہ ہو کر دوسری جگہ گیا تاکہ گدھے کی بدبو سے دور ہو جائے اور جال لے کر پھینکا تھوڑی دیر ٹھہر کر کھینچا تو وہ وزنی تھا اور اس نے اتنا زور لگایا کہ اس کی ہتھیلیوں سے خون نکلنے لگا۔

جال باہر نکلا تو ماہی گیر نے دیکھا کہ اس میں ایک آدمی ہے اسے گمان ہوا کہ یہ کوئی دیو ہو گا جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیتل کی لٹیا میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا ہو گا۔ اور اب اتنی مدت کے بعد وہ لٹیا ٹوٹ گئی ہو گی وہ اس میں سے نکل پڑا ہو گا اور جال میں پھنس گیا ہو گا۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا اور چلانے لگا اے سلیمان علیہ السلام کے دیو! امان! امان! آدمی نے جال کے اندر سے جواب دیا اے ماہی گیر! بھاگ نہیں یہاں آ۔ میں بھی تیری طرح آدمی ہوں، مجھے جال میں سے نکال دے تاکہ تجھے ثواب ملے۔ یہ سن کر ماہی گیر کو اطمینان ہوا اور اس کے پاس آ کر کہا کیا تو دیو نہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں انسان ہوں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں۔ ماہی گیر نے پوچھا تجھے سمندر میں کس نے پھینکا؟ اس نے کہا میں دیوائی انسان ہوں پھر رہا تھا کہ تیرے جال میں پھنس گیا۔ ہم لوگ خدا کے احکام کی پیروی کرتے اور اس کی مخلوقات سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ کہیں نافرمان بندوں میں میرا شمار نہ ہو جائے تو میں تیرا جال پھاڑ ڈالتا لیکن میں نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تو مجھے جال سے چھڑائے گا تو تو میرا مالک ہو گا اور میں تیرا غلام۔ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ مجھے خدا کی راہ پر آزاد کر دے اور میرے ساتھ عہد و پیاں کرے کہ ہم دوست رہیں گے۔ میں ہر روز تجھ سے اسی جگہ ملا کروں گا تو میرے لیے خشکی کا تحفہ لایا کر کیونکہ تمہارے ہاں انگور، انجیر،

تربوز، شفتالو اور انار وغیرہ ہوتے ہیں جو چیز تو لائے گا مجھے منظور ہے اور ہمارے ہاں مونگے، موتی، زرجد، زمرد، یاقوت اور ہیرے ہوتے ہیں جس ٹوکری میں تو میرے لیے میوے لائے گا اسے میں دیبا کی جواہرات سے بھر دوں گا۔ بتا منظور ہے؟ ماہی گیر نے کہا اس بات پر ہمارے درمیان فاتحہ ہو جانی چاہیے۔ دونوں نے فاتحہ پڑھی۔ ماہی گیر نے اسے جال سے نکال دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری اگر تو یہاں آئے اور مجھے نہ پائے تو کہیو کہ اے عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• نو سو بیالیس ویں رات

نو سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ بحری نے کہا، جب تو کہے گا اے عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ تو میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری بولا کہ تو عبداللہ بری ہے اور میں عبداللہ بحری۔ تو ہمیں ٹھہرا رہ میں جا کر تیرے لیے ایک ہدیہ لاتا ہوں۔ ماہی گیر بولا سر آنکھوں پر۔ عبداللہ بحری دیا میں چلا گیا اب عبداللہ بری پشیمان ہوا کہ میں نے اسے جال سے کیوں چھڑایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کیا جانے وہ لوٹ کر آئے گا کہ نہیں۔ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر میں اسے رہنے دیتا تو شر میں اس کا تماشا دکھاتا اور درہم کماتا اسے لے کر امیروں کے گھروں میں جاتا۔ غرضیکہ اسے چھوڑ دینے پر ماہی گیر کو بڑی پشیمانی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب تیرا قیدی تیرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ وہ اسی افسوس میں تھا کہ عبداللہ بحری دونوں ہاتھوں میں موتی، مونگے، زمرد اور یاقوت اور ہیرے لیے ہوئے لوٹا اور کہا بھائی! لے اور معاف کر اگر میرے پاس ٹوکری ہوتی تو میں اسے بھر دیتا۔ عبداللہ بری بہت خوش ہوا اور جواہرات اس سے لے کر کہنے لگا ہر روز سورج نکلنے سے پہلے یہاں آیا کیجیو اس کے بعد دونوں رخصت ہوئے اور عبداللہ بحری دیا کے اندر چلا گیا۔

ماہی گیر خوش خوش شہر میں داخل ہوا اور باورچی کے تنور پر پہنچ کر کہنے لگا بھائی! حساب کر، میرے پاس دام آگئے ہیں۔ باورچی بولا حساب کی کیا ضرورت ہے؟ اگر تیرے پاس کچھ ہو تو دے دے نہیں تو اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لے کر چل دے۔ ماہی گیر نے کہا دوست خدا کی مہربانی سے مجھے دام مل گئے ہیں۔ تیرا قرضہ تو میرے اوپر بہت ہے لیکن فی الحال یہ لے اتنا کہہ کہ اس نے مٹھی بھر موتی، مونگے یاقوت اور ہیرے اسے دے دیئے اور کہا مجھے کچھ نقدی دے دے تاکہ اسے خرچ میں لاؤں۔

اور جب تک یہ جواہرات بکیں اس سے کام چلاؤں۔ باورچی نے جتنے درہم اس کے پاس تھے نکال کر دے دیئے تمام روٹیاں بھی جو ٹوکری میں تھیں اور جواہرات لے کر ماہی گیر سے کہتا ہوا کہ میں تیرا نوکر اور غلام ہوں اور غلام ہوں روٹیوں کی ٹوکری اپنے سر رکھ کر ماہی گیر کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کی بیوی بچوں کے حوالے کر آیا اس کے بعد وہ بازار جا کر گوشت، ترکاری اور قسم قسم کے میوے لے آیا اور تنور چھوڑ کر دن بھر عبداللہ بری کی خدمت میں لگا رہا۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! تو بڑی تکلیف اٹھاتا ہے، باورچی نے جواب دیا۔ میرا فرض ہے کیونکہ میں تیرا نوکر ہو گیا اور تیرے احسان کے نیچے دب گیا ہوں۔ ماہی گیر بولا تو نے تنگی اور ناداری کے وقت مجھ پر احسان کیا ہے۔ رات کو دونوں نے اچھے اچھے کھانے کھائے اور باورچی ماہی گیر کا دوست ہو گیا۔ ماہی گیر نے عبداللہ بحری کا قصہ اپنی بیوی سے بیان کیا، بیوی خوش ہو گئی اور کہا اس بھید کو ظاہر نہ کیجیو ورنہ حکام تیرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ ماہی گیر بولا خواہ میں ساری دنیا سے یہ بھید پوشیدہ رکھوں لیکن باورچی سے نہیں چھپاؤں گا۔ دوسرے دن صبح کو وہ ٹوکری بھر میوے لے کر دن نکلنے سے پہلے دیا پر پہنچا اور اسے کنارے پر رکھ کر آواز دی۔ اے عبداللہ بحری! کہاں ہو؟ اس نے فوراً لبیک کہا اور نکل آیا۔ ماہی گیر نے اسے میوے دیئے وہ انہیں لے کر پانی کے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ٹوکری بھر جواہرات لے کر نکلا۔ عبداللہ بری ٹوکری کو سر پر رکھ کر چل دیا۔ جب وہ باورچی کی دکان پر پہنچا تو باورچی نے کہا، اے میرے آقا! میں نے چالیس کچے پکا کر تیرے گھر بھیج دیئے ہیں اور اب میں خاص قسم کی روٹیاں پکا رہا ہوں جب وہ تیار ہو جائیں تو میں انہیں بھی تیرے گھر بھیج دوں گا اور پھر ترکاری اور گوشت لے آؤں گا۔ ماہی گیر نے ٹوکری میں سے تین مٹھی بھر جواہرات لے کر اسے دے دیئے باقی گھر لے گیا اور ان میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر جوہری بازار پہنچا۔ بازار کے چودھری کی دکان پر ٹھہرا اور اس سے کہا جواہرات خریدتا ہے؟ اس نے کہا دکھا

ماہی گیر نے جواہرات دکھائے تو چودھری نے پوچھا ان کے سوا تیرے پاس اور بھی جواہرات ہیں؟ اس نے جواب دیا میرے پاس ٹوکری بھر ہیں۔ چودھری نے جواہرات لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا اسے گرفتار کر لو۔ یہ چور ہے۔ اس نے بادشاہ کی بیوی ملکہ کا مال چرایا ہے۔ مارو اسے۔ انہوں نے اسے خوب مارا اور اس کی مشکلیں باندھ دیں۔ چودھری اور تمام جوہری بازار والے جمع ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے چور کو پکڑ لیا ہے۔ ایک کہتا کہ فلاں شخص کا سامان بھی اسی خبیث نے چرایا ہو گا دوسرا کہتا کہ فلاں شخص کے گھر کا سارا سامان بھی یہی چرا لے گیا ہے۔ غرض کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا۔ ماہی گیر چپ تھا کوئی جواب نہ دیتا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کیا اور چودھری نے بادشاہ سے کہا کہ جب ملکہ کا ہار چوری ہو گیا تھا تو تو نے مجھے خبر بھیجی تھی کہ چور کو پکڑوں۔ میں نے اس میں جان لڑا دی اور آخر چور کو پکڑ لیا اور یہ جواہرات اس کے پاس سے برآمد ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے غلام سے کہا یہ جواہرات لے جا کر ملکہ کو دکھا اور پوچھ کو کیا یہی تیرے جواہرات ہیں جو چوری ہو گئے تھے؟ غلام انہیں لے کر ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ انہیں دیکھ کر حیران ہو گئی اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ میرا ہار مل گیا ہے اور یہ جواہرات میرے نہیں یہ تو ہار کے جواہرات سے بہتر ہیں اس شخص پر ظلم نہ کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تینتالیس ویں رات

نو سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملکہ نے کہلا بھیجا ہے کہ اس شخص پر ظلم نہ کر اور اگر وہ انہیں بیچنا چاہے تو اپنی بیٹی ام سعود کے لیے خرید لے تاکہ ہم اس کے لیے ایک ہار بنا دیں۔ غلام نے آ کر بادشاہ کو خبر دی تو وہ چودھری اور اس کے ساتھیوں کو عادو ثمود کی طرح لعنت ملامت کرنے لگا۔ انہوں نے عرض کیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہے کہ یہ شخص غریب ماہی گیر ہے اس کے پاس جواہرات کہاں سے آئے؟ اس نے ضرور چرایا ہو گا۔ بادشاہ بولا اے بد ذاتو! کیا تم مومن کی طرف سے ایسا برا گمان کرتے ہو؟ تم نے اس سے پوچھا کیوں نہیں؟ یہ خدا کی دین ہے تم اسے کیوں چور قرار دے کر بدنام کرتے ہو؟ بھاگو یہاں سے۔ خدا تمہارا ستیاناس کرے۔ یہ سکر وہ مارے ڈر کے وہاں سے چل دیئے۔

یہ ان کا حال ہوا۔ اب بادشاہ کا ماجرا سنو۔ اس نے ماہی گیر سے کہا اے شخص! خدا نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس میں برکت ہو۔ تو ڈر نہیں، سچ بتا دے کہ یہ جواہرات تجھے کہاں سے ملے ہیں؟ میں بادشاہ ہوں لیکن میرے پاس بھی ایسے نہیں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! میرے پاس ایسے ایسے ایک ٹوکری بھر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے عبداللہ بحری کا قصہ بیان کیا اور یہ کہ میرے اس کے درمیان وعدہ ہے کہ میں اسے کے لیے ہر روز ٹوکری بھر میوے لے جایا کروں اور وہ اسی ٹوکری میں اتنے ہی جواہرات مجھے دیا کرے۔ بادشاہ نے کہا اے شخص! یہ تیری قسمت ہے لیکن مال کے لیے رتبے کی ضرورت ہے اب تو میں لوگوں کے ظلم سے تجھ بچا لوں گا پھر اگر میں تخت سے اتر گیا یا مر گیا اور دوسرا شخص تخت پر بیٹھا تو وہ دنیا کے لالچ میں آ کر تجھے مار ڈالے گا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں۔ تجھے اپنا وزیر بنا لوں اور وصیت کر دوں کہ تو میرے بعد بادشاہ ہو تاکہ میرے مرنے کے بعد کوئی

تیری طرف بری نظر سے نہ دیکھے۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا اسے حمام لے جاؤ، لوگوں نے اسے حمام لے جا کر خوب نہلایا اور شاہانہ لباس پہنا کر بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے اسے اپنا وزیر بنا لیا اور اس کے گھر پیادے، لشکری اور امیر زادیوں کو بھیجا جنہوں نے اس کی بیوی اور بچوں کو شاہانہ پوشاکیں پہنائیں۔ تخت رواں پر سوار کیا اور بادشاہ کے محل میں لے آئے چھوٹا بچہ اس کی گود میں تھا، بڑے لڑکوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے انہیں عزت سے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ یہ نو لڑکے تھے اور بادشاہ کے سوائے ایک ام سعود کوئی اولاد نہ تھی۔

ملکہ نے عبداللہ بری کی بیوی کی بری آؤ بھگت کی اور انعام و اکرام کے ساتھ اسے اپنی مصاحبہ بنا لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہ بری کا نکاح نامہ میری بیٹی کے ساتھ مرتب کر دیا جائے اور مہر میں اس کے تمام جواہرات لکھ دیئے جائیں۔ اب جشن ہونے لگے، بادشاہ نے ڈھنڈورا پڑا دیا کہ اس کی بیٹی کی شادی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے۔ جب وہ شاہزادی کے ساتھ ہم بستر ہوا تو اس کے دوسرے دن بادشاہ نے جھروکے میں سے دیکھا کہ عبداللہ ٹوکری بھر میوے اپنے سر پر رکھے چلا جا رہا ہے اسے پکار کر پوچھا، اے میرے داماد! یہ کیا لیے جا رہا ہے؟ وہ بولا، اپنے دوست عبداللہ بری کے پاس میوے لئے جا رہا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اے داماد! یہ تیرے دوست کے پاس جانے کا وقت نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے وعدہ خلافی نہ ہو جائے وہ مجھے جھوٹا ٹھہرائے اور کہے کہ دنیا میں پڑ کر تو مجھے بھول گیا۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے جا اپنے دوست کے پاس۔ خدا تیری دست گیری کرے۔ وہ شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے دوست کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہت لوگ اس سے واقف ہو چکے تھے اس نے انہیں کہتے سنا کہ یہ بادشاہ کا داماد ہے، پھلوں کے بدلے جواہرات لینے جا رہا ہے لیکن جو اسے پہچانتا نہ تھا کہتا اے شخص! کتنے رطل بیچتا ہے، آ میرے بیچ اور وہ جواب دیتا کہ ٹھہر جا۔ میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں کسی کا دل نہ دکھاتا، عبداللہ بحری کے پاس پہنچ کر اس نے پھل دیئے اور ان کے بدلے جواہرات لیے۔ اسی طرح

وہ ہر روز باورچی کے تنور پر سے گزرتا لیکن اسے بند پاتا۔ جب دس دن تک برابر اس نے باورچی کو نہ دیکھا اور تنور بند پایا تو اپنے دل میں کہنے لگا نہ جانے باورچی کہاں چلا گیا؟ اس کے پڑوسی سے پوچھا کہ تیرا پڑوسی باورچی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا! وہ بیمار ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس نے پوچھا اس کا گھر کہاں ہے؟ پڑوسی نے کہا فلاں محلے میں۔

ماہی گیر نے اس محلے میں جا کر باورچی کا پتا پوچھا اور جب اس نے دروانہ کھٹکھٹایا تو باورچی نے محراب میں سے جھانک کر دیکھا تو اس کا پرانا دوست ماہی گیر تھا اور اس کے سر پر بھری ہوئی ٹوکری تھی اس نے نیچے آ کر دروانہ کھولا، ماہی گیر اندر جا کر اس سے لپٹ گیا اسے گلے لگایا رونے لگا اور کہا دوست! خیریت تو ہے؟ میں ہر روز تیرے تنور پر سے گزرتا تھا لیکن اسے بند پاتا تھا پھر مجھے تیرے پڑوسی سے معلوم ہوا کہ تو بیمار ہے میں نے تیرے گھر کا پتا پوچھا کہ تجھ سے ملوں۔ باورچی بولا خدا تجھے نیک جزا دے۔ سب خیریت ہے میں بیمار نہیں۔ میں نے سنا تھا کہ بادشاہ نے تجھے پکڑ بلایا ہے کیونکہ بعض لوگوں نے تجھ پر بہتان لگایا اور تجھے چور بتایا ہے۔ اس لیے مارے ڈر کے میں نے تنور بند کر دیا اور چھپ رہا۔ ماہی گیر بولا تو سچ کہتا ہے اس کے بعد اس نے اپنا قصہ سنا دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دی ہے اور مجھے اپنا وزیر بنا لیا ہے جو کچھ اس ٹوکری میں ہے لے لے۔ یہی تیری قسمت کا ہے اور ڈر نہیں۔ جب وہ خالی ٹوکری لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اے داماد! شاید آج تیرا دوست عبداللہ بحری تجھے نہیں ملا؟ اس نے جواب دیا میں اس کے پاس گیا تھا اور جو کچھ اس نے دیا میں اپنے دوست باورچی کو دے آیا ہوں اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ باورچی کون ہے؟ اس نے باورچی اور اس کے احسان کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بادشاہ بولا اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ باورچی ہے، میرا نام عبداللہ بری اور میرے دوست کا نام عبداللہ بحری ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میرا نام بھی عبداللہ ہے اور کل عبداللہ بھائی بھائی ہیں۔ اسے میرے پاس بلاتا

کہ میں اسے اپنا بایاں وزیر بنا لوں۔ باورچی بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے اسے وزیروں کا لباس پہنا کر میسرے کا وزیر بنا دیا اور عبداللہ بری کو میمنے کو۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو چوالیس ویں رات

نو سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ نے اپنے داماد عبداللہ بری کو میمنے اور عبداللہ باورچی کو میسرے کا وزیر بنالیا۔ عبداللہ بری کی ایک سال تک یہی حالت رہی کہ وہ ہر روز ٹوکری میں پھل بھر کر لے جاتا اور ان کے بدلے جواہرات بھر کر لے آتا۔ تازے پھلوں کا زمانہ ختم ہو جاتا تو کشمش، بادام، اخروٹ اور انجیر وغیرہ لے جاتا اور ہیرے جواہرات لے آتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ دستور کے موافق ٹوکری میں میوے بھر کر لے گیا اور عبداللہ بحری کنارے کے قریب پانی میں بیٹھ گیا۔ عبداللہ بری پانی کے قریب کنارے پر، اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے یہاں تک کہ قبروں کا ذکر آگیا۔ بحری نے کہا بھائی! لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہاں خشکی پر مدفون ہیں، تجھے معلوم ہے کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ بحری نے کہا، کس جگہ؟ وہ بولا، ایک شہر میں جس کا نام طیبہ ہے۔ بحری نے پوچھا، کیا خشکی والے اس کی زیارت کرنے جاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا، ہاں۔ بحری بولا، اے خشکی والو تم لوگ کیسے خوش قسمت ہو کہ تمہیں اس نبی کی زیارت نصیب ہوتی ہے جس کی زیارت سے شفاعت واجب آتی ہے۔ بھائی! کیا تو نے بھی ان کی زیارت کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اب تک تو میں بالکل غریب تھا، راہ خرچ سے نادار۔ جب سے تیری ملاقات ہوئی ہے میں امیر ہو گیا ہوں اور اب میرے اوپر فرض ہے کہ بیت اللہ کے حج کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جاؤں۔ تیری محبت مجھے اب تک روکے رہی کیونکہ تیری جدائی مجھے ایک دن کے لیے گوارا نہیں۔ بحری بولا کیا تو میری محبت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت پر ترجیح دیتا ہے جو قیامت کے دن تیری شفاعت کریں گے اور دونوں سے چھڑا کر جنت

میں لے جائیں گے؟ اس نے جواب دیا نہیں لیکن میں تجھ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس سال جا کر ان کی زیارت کروں۔ بحری بولا میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔

جب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پہنچو تو میرا سلام کہیو اور میرے پاس ان کے لیے ایک تحفہ ہے تو میرے ساتھ پانی کے اندر چل میں تجھے اپنے شہر میں لے جا کر اپنے گھر لے چلوں گا۔ تیری دعوت کروں گا اور وہ ہدیہ تیرے حوالے کروں گا تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر رکھیو میرا سلام کہیو اور کہیو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ بحری نے تجھے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور تجھ سے شفاعت کا خواستگار ہے کہ وہ دونوں میں نہ بھیجا جائے۔ عبداللہ بری نے کہا، بھائی! تو پانی میں پیدا ہوا ہے اور وہیں رہتا ہے اس لیے پانی تجھے نقصان نہیں پہنچاتا لیکن جب تو نکل کر خشکی پر آتا ہو گا تو کیا تجھے تکلیف نہ ہوتی ہو گی؟ اس نے کہا ہاں اگر زیادہ دیر ٹھہروں تو میرا بدن سوکھ جائے گا اور پھر جب اس پر خشکی کی ہوائیں چلیں گی تو میں مر جاؤں گا۔ بری بولا اسی طرح میں بھی خشکی پر پیدا ہوا ہوں اور یہیں رہتا ہوں اگر میں سمندر کے اندر گیا تو پانی میرے پیٹ میں بھر جائے گا میرا دم گھٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گا۔ بحری بولا ڈر نہیں میں ایک چربی لا دوں گا جسے اگر تو جسم پر مل لے گا تو پانی تجھے نقصان نہیں پہنچائے گا خواہ تو عمر بھر سمندر میں پھرتا، سوتا اور اٹھتا بیٹھتا رہے۔ بری نے کہا اگر ایسا ہے تو چربی لاتا کہ میں اس کا تجربہ کروں۔ بحری نے کہا بہت خوب اور ٹوکری لے کر سمندر میں چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک قسم کی چربی لے کر لوٹا جو گائے کی چربی کی طرح تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور خوشبو دار تھی۔

عبداللہ بری نے کہا بھائی! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ ایک قسم کی مچھلی کی کلبجی ہے جسے وندان کہتے ہیں۔ یہ مچھلی تمام مچھلیوں سے بڑی ہوتی ہے اور ہم لوگوں کی سخت ترین دشمن ہے۔ اتنا بڑا جانور خشکی پر کوئی نہیں اگر وہ ہاتھی یا اونٹ کو دیکھے تو اسے

نگل جائے۔ بری نے کہا بھائی! یہ کم بخت کھاتی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا دیائی جانور۔
 کیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ قوی ضعیف کو کھاتا ہے جیسے دیائی مچھلیاں۔ بری بولا
 سچ ہے لیکن کیا سمندر میں وندان مچھلیاں بہت ہوتی ہیں؟ اس نے جواب دیا انہیں سوائے
 خدا کے اور کوئی گن نہیں سکتا۔ عبداللہ بری نے کہا ڈرتا ہوں کہ اگر کہیں مجھ سے
 اس مچھلی کی مڈ بھیڑ ہو گئی تو وہ مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بری نے کہا ڈر نہیں جب
 وہ دیکھے گی کہ تو آدم زاد ہے تو ڈر کر بھاگ جائے گی۔ وہ جتنا آدم زاد سے ڈرتی
 ہے سمندر میں کسی سے نہیں ڈرتی کیونکہ اگر اس نے کسی آدم زاد کو کھا لیا تو فوراً
 مر جائے گی۔ ہم اس کی چربی اسی طرح محض انسانوں کے ذریعے جمع کرتے ہیں جب
 کبھی وہ سمندر میں گر کر ڈوب جاتا ہے تو اس کی شکل صورت بدل جاتی ہے گوشت
 پھٹ جاتا ہے، وندان اسے دیائی جانور سمجھ کر کھا لیتی ہے اور مر جاتی ہے پھر ہم اس
 کی کلیجی کی چربی اتار لیتے ہیں اسے اپنے بدن پر ملتے ہیں اور سمندر میں چلتے پھرتے ہیں
 اگر کسی جگہ سو دو سو بلکہ ہزار یا اس سے بھی زیادہ اس کی قسم مچھلیاں ہوں اور صرف
 آدم کی آواز سن لیں تو سب کی سب مر جائیں۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• نو سو پینتالیس ویں رات

نو سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- آدم زاد کی آواز سن کر وہ اسی جگہ مر کر رہ جاتی ہیں۔ عبداللہ بری نے کہا میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں کہہ کر اپنے کپڑے اتار سمندر کے کنارے ایک گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیئے سر سے پاؤں تک چربی مل لی اور پانی میں غوطہ مار کر آنکھیں کھول دیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ ادھر ادھر چلتے پھرنے لگا، کبھی پانی کے اوپر آ جاتا اور کبھی تہ میں پہنچ جاتا۔ عبداللہ بحری نے پوچھا بھائی! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی! تو نے سچ کہا تھا کہ پانی سے مجھے بالکل نقصان نہیں پہنچے گا۔ بحری بولا میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے پانی کے پہاڑ ہی پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ بری ان کی سیر اور مچھلیوں کا تماشا دیکھتا جاتا تھا کہ وہ پانی میں کس طرح کھیل رہی ہیں۔ بعض بڑی ہیں بعض چھوٹی بعض بھینسوں کی طرح بعض گایوں کی طرح بعض کتوں کی طرح بعض آدمیوں کی طرح جن کے پاس یہ دونوں پہنچتے وہ بھاگ جاتیں۔

بری نے کہا بھائی! یہ کیا بات ہے کہ جب ہم ان کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ بھاگ جاتی ہیں؟ اس نے جواب دیا تیرے ڈر کے مارے کیونکہ ساری مخلوقات آدم زاد سے ڈرتی ہے۔

عبداللہ بری سمندر کے عجائبات کی برابر سیر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک بہت بلند پہاڑ کے پاس پہنچا اور عبداللہ بری اس کے دامن میں چل ہی رہا تھا کہ اسے ایک بڑے زور کی آواز سنائی اور دیکھا کہ کوئی کالی سی چیز پہاڑ پر سے اس کے اوپر چلی آ رہی ہے۔ اونٹ یا اس سے بھی بڑی اور شور مچا رہی ہے۔ بری نے کہا بھائی! یہ کیا ہے؟ بحری بولا، یہی وندان ہے اور وہ مجھے دیکھ کر اتری ہے کہ کھا جائے۔ بھائی! زور سے چیخ ورنہ وہ میرے پاس پہنچ کر مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بری چیخا اور وہ مر کر گر

پڑی۔ بری کہنے لگا پاک ہے خدا اور شکر بجا لاتا ہوں میں اس کا کہ نہ میں نے اس پر تلوار چلائی نہ چھری اور اتنے بڑے ڈیل ڈول والا جانور محض میری چیخ کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ عبداللہ بحری نے کہا بھائی! تعجب نہ کر اگر ایسی ایسی ہزار دو ہزار بھی ہوتیں تو آدم زاد کی ایک چیخ کی تاب نہ لا سکتیں۔ اس کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچے جہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں رہتی تھیں ان میں کوئی مرد نہ تھا۔ بری نے پوچھا بھائی! یہ کیا شہر ہے اور یہ لڑکیاں کون ہیں؟ اس نے جواب دیا اس کا نام مدینہ البنات ہے دیوائی لڑکیاں یہاں رہتی ہیں۔ بری نے کہا بغیر مردوں کے وہ کس طرح حاملہ ہوتی اور بچے جنتی ہیں؟ اس نے جواب دیا سمندر کا بادشاہ انہیں جلا وطن کر کے یہاں بھیج دیتا ہے اور وہ نہ حاملہ ہوتی ہیں نہ بچے جنتی ہیں جس کسی دیوائی لڑکی پر بادشاہ خفا ہوتا ہے وہ اس شہر میں بھیج دیتا ہے یہاں سے وہ نکل نہیں سکتیں اور اگو کوئی نکل کر چلی جاتی ہے تو جو دیوائی جانور اسے دیکھ لیتا ہے کھا جاتا ہے۔ باقی شہروں میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ بری بولا تمہارا کوئی بادشاہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! بری بولا تمہارے ہاں سمندر میں بڑی بڑی عجیب چیزیں ہیں۔ اس نے جواب دیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ سمندر کے عجائبات خشکی کے عجائبات سے زیادہ ہیں۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے۔

اب بری ان لڑکیوں کا تماشا دیکھنے لگا اس نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کے سے ہیں اور بال عورتوں کے سے لیکن ان کے ہاتھ پاؤں پیٹ میں لگے ہوئے ہیں اور مچھلیوں کی طرح ان کی دُمیں ہیں۔ وہاں سے نکل کر وہ دوسرے شہر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہ مردوں اور عورتوں کے سے پر ہے۔ سب کے چہرے عورتوں کے سے ہیں اور ان کی دُمیں ہیں لیکن خشکی کی طرح ان کے ہاں خرید و فروخت نہیں۔ وہ کپڑے نہیں پہنتے۔ سب ننگے ہیں، شرم گاہیں تک کھلی ہوئیں۔ یہ دیکھ کر بری بولا بھائی! یہاں تو مردوں اور عورتوں سب کی شرمگاہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس نے جواب دیا سمندر کے باشندوں کے پاس کپڑے کہاں سے آئے؟ بری نے پوچھا یہاں شادی بیاہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس

نے کہا یہ شادی بیاہ نہیں کرتے بلکہ جب کسی مرد کو کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ بری بولا یہ تو حرام ہے اور خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف۔ اس نے کہا ہم سب ایک دین کے پیرو نہیں۔ ہم میں مسلمان موحیدین بھی ہیں، عیسائی اور یہودی وغیرہ بھی۔ شادی بیاہ جو خصوصاً مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ بری نے کہا کہ تمہارے ہاں خرید و فروخت نہیں ہوتی پھر اپنی عورتوں کا مہر کیونکر ادا کرتے ہو؟ کیا تم انہیں ہیرے جواہرات دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا یہاں جواہرات تو کنکر پتھر کی طرح ہیں۔ ہمارے ہاں ان کی کوئی قیمت نہیں اگر کوئی مرد شادی کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ ایک مقرر تعداد مثلاً ہزار دو ہزار یا کم و بیش مچھلیاں شکار کر کے لائے اور جب وہ لے آتا ہے تو دولہا اور دلہن والے اکٹھا ہو کر ولیمہ کھاتے ہیں اور اسے اس کی بیوی سے ہم بستر کرا دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر بیوی کو کھلاتا ہے اور اگر وہ اس کے قابل نہیں بیوی مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اسے کھلاتی ہے۔

عبداللہ بری نے کہا اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرے تو کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا اگر یہ ثابت ہو جائے تو عورت کو شہر بدر کر دیتے ہیں۔ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے ماں کے ساتھ شہر بدر کر دیتے ہیں اس کو زانیہ کی بیٹی زانیہ کہہ کر پکارتے ہیں اور مرتے دم تک وہ کنواری رہتی ہے اور اگر لڑکا پیدا ہو تو لوگ اسے بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ اسے قتل کر دیتا ہے۔ اس پر عبداللہ بری کو بڑا اچنبھا ہوا پھر وہ وہاں سے چل دیئے اور تقریباً دوسرے اسی شہروں کی سیر کی دیکھا کہ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر کے باشندوں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اب اس نے کہا بھائی! کیا سمندر میں اور شہر باقی رہ گئے ہیں؟ بحری نے جواب دیا ابھی تو نے سمندر کے شہروں اور ان کے عجائبات کو دیکھا ہی کیا ہے۔ قسم ہے بزرگ اور مربان نبی کی اگر میں ایک ہزار سال تک تجھے سیر کراتا رہوں تو ہر روز ایک ہزار شہر دیکھتا رہے اور میں تجھے ہر شہر میں ایک ہزار عجائبات دکھاتا رہوں تو پھر بھی چوبیس قیراط میں سے ایک قیراط

نہ دیکھ سکے گا۔ ابھی تک تو میں نے تجھے اپنے ہی شہر اور اپنا ہی ملک دکھایا ہے۔ بری نے کہا، بھائی! اگر یہ بات ہے تو جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس پر بس کر میں میں مچھلیاں کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔ میں اسی دن سے تیرے ساتھ ہوں اور تو صبح شام سوائے کچی مچھلیوں کے کچھ نہیں کھلاتا نہ تل نہ پکا کر۔

عبداللہ بحری نے کہا تلنا اور پکانا کیا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہم مچھلیوں کو آگ پر تلنے اور پکاتے ہیں۔ بحری بولا: ہم آگ کہاں سے لائیں؟ اس لیے نہ ہم تلنا جانتے ہیں نہ پکانا۔ بری بولا ہم انہیں زیتوں اور تل کے تیل میں تلنے ہیں۔ بحری نے کہا ہمارے پاس زیتوں اور تل کا تیل کہاں سے آیا؟ ہم وہ تمام چیزیں نہیں جانتے جن کا تو نے ذکر کیا ہے۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے لیکن بھائی! تو نے بہترے شہر دکھا ڈالے اور اپنا شہر نہ دکھایا۔ اس نے کہا ہم اپنے شہر سے بہت دور آگئے ہیں وہ اس خشکی کے قریب ہے جہاں سے ہم چلے ہیں۔ میں اسے چھوڑ کر اس لیے آگے بڑھ آیا ہوں کہ تجھے سمندر کے شہروں کی سیر کراؤں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے شہر کی طرف لوٹا اور وہاں پہنچ کر کہا یہ ہے میرا شہر۔ بری نے کہا کہ وہ تمام شہروں سے چھوٹا ہے اب وہ بحری کے ساتھ شہر کے اندر گیا، دونوں چلتے چلتے ایک غار میں پہنچے۔ بحری بولا یہ میرا گھر ہے اور اس شہر کے تمام گھر اسی طرح کے چھوٹے بڑے غار ہیں بلکہ تمام شہروں میں یہی حالت ہے اگر کوئی شخص گھر بنانا چاہتا ہے تو بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں فلاں جگہ اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ اس کے ساتھ ایک قسم کی مچھلیاں کر دیتا جنہیں نقار کہتے ہیں اور مچھلیوں کی ایک مقدار کرایہ مقرر کر دیتا ہے۔ نقاروں کی چونچیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ سخت سے سخت پتھر کو بھی توڑ دیتی ہیں اور اس پہاڑ میں جا کر جہاں وہ شخص گھر بنانا چاہتا ہے اور پہاڑ کھود کر گھر بنا دیتی ہیں جب تک غار بن کر تیار نہیں ہو جاتا گھر بنانے والا ان کے لیے مچھلیاں پکڑ کر لاتا اور انہیں کھلاتا ہے اس کے بعد وہ واپس چلی جاتی ہیں اور گھر والا اس غار میں رہنے لگتا ہے۔

تمام سمندر والوں کا یہی حال ہے۔ مچھلیوں ہی سے وہ لین دین ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں اور وہ خود بھی مچھلیاں ہی ہیں۔ غار کے اندر گئے تو عبداللہ بحری نے اپنی بیٹی کو آواز دی اور وہ آئی تو بری نے دیکھا اس کا چہرہ چاند کی طرح گول بال لے لے، کو لے بھاری، آنکھیں سرمئی اور کمر پتلی ہے لیکن نگلی ہے اور اس کے دم ہے۔ جوں ہی اس کی نظر عبداللہ بری پر پڑی اپنے باپ سے کہنے لگی ابا! یہ کون دم کٹا ہے جسے تو اپنے ساتھ لے آیا؟ باپ بولا بیٹی! یہ وہی میرا خشکی والا دوست ہے جس کے پاس سے میں تیرے لیے خشکی کے میوے لایا کرتا ہوں، آگے بڑھ کر اسے سلام کر۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں سلام کیا۔ باپ نے کہا ہمارے مہمان کے لیے کھانا لا وہ اپنے قدموں سے ہمارے ہاں برکت لایا ہے۔ لڑکی جا کر دو مچھلیاں لے آئی جن میں سے ہر ایک بکری کے بچے کے برابر تھی اور بری نے انہیں زبردستی نگلا کیونکہ وہ مچھلیاں کھاتے کھاتے تنگ آ گیا تھا اور ان کے پاس سوائے مچھلیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بحری کی بیوی آئی وہ خوبصورت تھی اس کے ساتھ دو لڑکے تھے جن کے ہاتھ میں ایک مچھلی تھی اور ان پر اس طرح منہ مار رہے تھے جیسے کھیروں پر۔ عورت نے عبداللہ بری کو اپنے شوہر کے ساتھ دیکھا تو کہنے لگی یہ دم کٹا کون ہے؟ دونوں لڑکے، ان کی بہن اور ماں عبداللہ بری کی پیٹھ کی طرف دیکھتے اور کہتے خدا کی قسم یہ تو دم کٹا ہے اور اس پر ہنستے۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اڑائیں۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چھیالیس ویں رات

نو سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اڑائیں؟ بحری بولا بھائی! معاف کر ہمارے کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے دم نہ ہو اس لیے اگر کوئی بے دم والا کہیں سے آ جاتا ہے تو بادشاہ اس کا مذاق اڑانے کے لیے جاتا ہے لیکن بھائی! ان بچوں اور عورت کا برا نہ مان، ان کی سمجھ کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بحری نے اپنے بیوی بچوں کو ڈانٹ کر کہا چپ ہو اور وہ مارے ڈر کے چپ ہو گئے۔ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ دس موٹے تازے مسٹڈے جوان آ پہنچے اور کہنے لگے عبداللہ! بادشا کو خبر ملی ہے کہ تیرے ہاں خشکی کے دم کٹوں میں سے ایک دم کٹا ہے۔ اس نے کہا ہاں! اور وہ یہی میرا دوست میرا مہمان ہے اور اب میں سے خشکی پر واپس بھیجنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا ہم بغیر اسے لیے واپس نہیں جاسکتے اگر تجھے کچھ کہنا ہے تو اسے لے کر خود بادشاہ کے پاس چل اور جو کچھ کہنا چاہتا ہے بادشاہ سے کہہ۔ عبداللہ بحری نے عبداللہ بری سے کہا بھائی! ہم بادشاہ کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ بادشاہ کے پاس چل خدا نے چاہا تو ہم جلد لوٹ آئیں گے ڈر نہیں، وہ تجھے دیکھتے ہی سمجھ جائے گا کہ تو خشکی والوں میں سے ہے۔ تیری عزت کرے گا اور خشکی پر لوٹا دے گا۔ عبداللہ بری بولا جیسی تیری مرضی۔ میں خدا پر بھروسہ کر کے تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ بحری اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہا دم کٹے۔ مرحبا! اس کے آس پاس جتنے لوگ تھے سب اس پر ہنستے اور کہتے خدا کی قسم یہ دم کٹا ہے۔ عبداللہ بحری نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے بری کا سارا ماجرا بیان کیا اور کہا یہ خشکی والا اور میرا دوست ہے مگر ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ مچھلیاں صرف تل کر یا پکا کر کھا سکتا ہے اس لیے تو مجھے اجازت دے کہ میں اسے خشکی پر پہنچا

دوں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ بات ہے اور وہ ہمارے ہاں نہیں رہ سکتا تو میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ اس کی دعوت کرنے کے بعد اسے اس گھر واپس کر آ۔ اس کے لیے طرح طرح کی مچھلیاں لائی گئیں۔ اور اس نے وہ محض بادشاہ کو حکم کی وجہ سے انہیں کھایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے؟ عبداللہ بری نے کہا میں جواہرات مانگتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اسے جواہرات کے خزانے میں لے جاؤ اور جس قدر چاہتا ہے وہاں سے چن لے۔ عبداللہ بحری اسے ایک شہر میں لے گیا اور ایک تھیلی دے کر کہا یہی وہ ہدیہ ہے جسے نبی کی قبر پر پہنچانا ہے۔ اس نے تھیلی لے لی لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ اس میں کیا ہے۔ اب وہ خشکی کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے راہ میں دیکھا کہ گانا ہو رہا ہے اور جشن منایا جا رہا ہے، دسترخوان پر مچھلیاں لگی ہوئی ہیں، لوگ کھاتے اور گاتے جاتے ہیں اور مگن ہیں۔ عبداللہ بری نے عبداللہ بحری سے پوچھا یہ لوگ کیا خوشی منا رہے ہیں؟ کیا کوئی شادی بیاہ ہے؟ عبداللہ بحری نے جواب دیا شادی بیاہ تو نہیں بلکہ کوئی مر گیا ہے۔ بری بولا جب کوئی تمہارے ہاں مر جاتا ہے تم کیا خوشی مناتے، گاتے اور دعوتیں کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں اور تم خشکی والے کیا کرتے ہو؟ بری نے کہا ہم اپنے مردے پر افسوس کرتے، روتے، عورتیں اپنا منہ پیٹتی اور گریبان چاک کرتی ہے۔

یہ سن کر عبداللہ بحری، عبداللہ بری کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا اور کہا، میری امانت لا۔ اس نے امانت دے دی اور بحری نے اسے خشکی پر اتار کر کہا اب ہماری صحبت اور محبت کا خاتمہ ہو گیا۔ آج کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا نہ میں تجھے۔ بری نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ تم خشکی والے بھی خدا کی امانت نہیں ہو؟ بری بولا کیوں نہیں؟ اس نے کہا پھر تم پر یہ کیوں گراں گزرتا ہے کہ خدا اپنی امانت لے لے اور تم اس پر کیوں روتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت تجھے کیونکر سپرد کر سکتا ہوں۔ جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو تم خوش ہوتے ہو حالانکہ

خدا اس میں روح کو بطور امانت کے رکھتا ہے پھر جب وہ روح کو لے لیتا ہے تو کیوں روتے اور افسوس کرتے ہو؟ ہمیں تم لوگوں کی دوستی کی بالکل حاجت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اسے چھوڑ دیا اور سمندر میں چلا گیا۔ اب عبداللہ بری اپنے کپڑے پہن اور جواہرات لے بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا، بڑے پرتپاک سے ملا اور کہنے لگا داماد! خیریت تو ہے اتنی مدت تک کہاں غائب رہا؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سمندر کے عجائبات بیان کئے اور جو کچھ عبداللہ بحری نے اس سے کہا تھا بادشاہ سے دہرایا۔ بادشاہ نے کہا تو نے غلطی کی، اس سے یہ کہا اس کے بعد وہ مدت تک سمندر کے کنارے جایا اور عبداللہ بحری کو پکارا کیا۔ لیکن نہ وہ آیا نہ اس نے جواب دیا۔ عبداللہ بری اس سے بالکل نا امید ہو گیا، اپنے خسر بادشاہ اور دونوں خاندانوں کے ساتھ عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صبحتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔ بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر چیز پر قادر اور اپنے بندوں کے ہر حال سے واقف ہے۔

○ ہارون الرشید اور ابو الحسن عمانی کی کہانی

ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آتی تھی۔ اس نے سرور کو بلا کر کہا فوراً جعفر کو بلا لا۔ جعفر حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا آج رات مجھے نیند نہیں آتی نہ معلوم کیوں؟ اس نے کہا امیر المومنین! دانش مندوں کا قول ہے کہ آئینہ دیکھنے، حمام جانے اور گنا سننے سے غم غلط ہوتا ہے۔ خلیفہ بولا میں ان سب باتوں کا امتحان کر چکا ہوں ان سے ذرا بھی فائدہ نہیں ہوا۔ قسم ہے میرے پاک آباؤ اجداد کی اگر تو نے اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ جعفر نے کہا جو کچھ میں تجھ سے کہوں گا کرے گا؟ اس نے پوچھا کیا؟ جعفر بولا دجلے پر ایک بجرے میں

بیٹھ کر ایک جگہ چلیں جس کا نام قرن الصراط ہے ممکن ہے کہ ہم وہاں ایسی باتیں
 سنیں جو کبھی نہ سنی ہوں یا ایسی چیزیں دیکھیں جو کبھی نہ دیکھی ہوں۔ مثل ہے کہ
 تین چیزوں سے غم غلط ہوتا ہے۔ ایسی چیز دیکھنے سے جو کبھی نہ دیکھی ہو یا ایسی چیز
 سننے سے جو کبھی نہ سنی ہو یا ایسے ملک میں جانے سے جہاں کبھی نہ گیا ہو۔ شاید اس
 سے تیری پریشانی دور ہو جائے۔ رشید اٹھ کر کھڑا ہوا۔ جعفر اس کے بھائی فضل، اسحاق، ندیم،
 ابونواس، ابودلف اور سرور جلاد کو لے کر۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی



• نو سو سینتالیس ویں رات

نو سو سینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جعفر اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر توشہ خانہ میں گیا اور سب کے سب تاجروں کا بھیس بدل کر دجلے پر پہنچے اور ایک بجرے میں بیٹھ کر جس پر سونے کا کام تھا چل دیئے جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں وہ جانے والے تھے ان کے کان میں ایک لڑکی کی آواز آئی جو ستار پر گا رہی تھی۔ اس کی آواز سن کر خلیفہ نے جعفر سے کہا کیسی پیاری آواز ہے؟ جعفر بولا اس سے زیادہ پیاری آواز آج تک میرے کان میں نہیں پڑی لیکن اے میرے آقا! دیوار کے اوٹ کا گانا آدھا گانا ہے۔ کاش ہم پردے کے پیچھے سنتے۔ خلیفہ نے کہا اے جعفر! چل ہم اس مکان والے کے مہمان بن جائیں۔ ممکن ہے کہ اس گانے والی کو آنکھ سے دیکھ لیں۔ وہ بجرے پر سے اتر پڑے اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ ایک خوش رو اور شیریں زبان نوجوان اندر سے نکلا اور کہا اے بزرگ مر بانو! اہلاً و سلاً اندر تشریف لاؤ اور وہ انہیں ساتھ لے کر اندر گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مکان میں چاروں طرف کمرے ہیں چھت سنہری ہے، دیواروں پر لاجورد کے نقش و نگار ہیں ایک بانہ دری ہے جس پر خوبصورت پردہ پڑا ہوا ہے اس سے لگی ہوئی سو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو چاندی سی حسین ہیں۔ گھر والے نے انہیں آواز دی وہ اپنے اپنے تخت پر اتر کر آگئیں۔ اب اس نے جعفر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا! مجھے معلوم نہیں کہ تم بزرگوں میں کون سب سے بڑا ہے۔ بسم اللہ! جو تم لوگوں میں سے سب سے بڑا ہے صدر میں بیٹھے اور اپنے بھائیوں کو درجہ بدرجہ بٹھائے۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بیٹھ گیا اور مسرور ان کے آگے خدمت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد مکان والے نے کہا، اے مہمانو! اگر اجازت ہو تو تم لوگوں کے

لیے کچھ کھانا حاضر کروں؟ انہوں نے کہا، بہت خوب! اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں۔ چار کنیزیں کمر باندھ کر دسترخوان لائیں جن پر طرح طرح کے کھانے اور حاشے پر موقع کے مناسب اشعار لکھے ہوئے تھے۔ جب وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھو چکے تو جوان نے کہا اے میرے آقا! اگر کوئی اور خواہش ہو تو کہو تاکہ میں اسے پورا کر کے شرف حاصل کروں۔ انہوں نے کہا ہم محض اس آواز کو سن کر آئے ہیں جو تیرے گھر کے اندر سے آئی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے سنیں اور اس آواز والی کو دیکھیں اگر تو ہم پر یہ مہربانی کرتے تو تیری بڑی عنایت ہو گی۔ پھر ہم جہاں سے آئے ہیں چلے جائیں گے۔ جوان نے کہا سر آنکھوں سے ایک اور حبشی کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا اپنی فلاں آقا کو بلا لا۔ کنیز نے پہلے ایک کرسی لا کر رکھی، پھر جا کر ایک لڑکی کو لے آئی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو حبشی کنیز نے اسے اطلس کا ایک تھیلا دیا۔ اس نے اس میں سے ایک ستار نکالا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے اور اس کی کھونٹیاں سونے کی تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اڑتالیس ویں رات

نو سو اڑتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے ستار لے کر اس کے تار کسے، اسے اپنے سینے سے لگا کر اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں اپنے بچے پر اور گانے بجانے لگی۔ گانے سے فارغ ہو کر اتنا روئی اور تمام گھر والے بھی اس کے ساتھ اتنا روئے پیٹے کے قریب تھا کہ سب کہ سب مر جائیں۔ رشید نے کہا اس لڑکی کے گانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فراق زدہ عاشق ہے۔ اس کے آقا نے کہا اس کے ماں باپ مر گئے ہیں۔ رشید بولا یہ رونا پیٹنا اس شخص کا نہیں ہے جس کے ماں باپ مر گئے ہوں بلکہ اس کا جو اپنے محبوب سے جدا ہو گیا ہو اور اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا واللہ اس جیسا میری نظر سے نہیں گزرا۔ رشید برابر مکان کے مالک کی طرف دیکھتا ہے اور اس کے حسن و جمال پر غور کرتا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہے اور اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے جوان! تو جانتا ہے کہ ہم کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جعفر بولا میں تیرا تعارف کرائے دیتا ہوں، یہ تو امیر المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچیرا بھائی ہے۔ یہ فلاں اور یہ فلاں۔ امیر المومنین نے کہا یہ تو بتا کہ تیرا چہرہ زرد کیوں ہے۔ آیا یہ پیدائشی ہے یا بعد میں ایسا ہو گیا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین میرا قصہ ایسا عجیب و غریب ہے کہ اگر سوئی سے آنکھ کے کویوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے عبرت پکڑیں گے۔ خلیفہ بولا ہمیں سننا۔ ممکن ہے کہ میرے ہاتھ سے تجھے شفا پہنچے۔ تو نے مجھے اس کے سننے کا مشتاق بنا دیا ہے۔ جوان نے کہنا شروع کیا کہ میں بحری تاجر ہوں اور عمان کا رہنے والا، میرا باپ بھی بڑا مال دار تاجر تھا اس کے تیس جہاز سمندر میں چلتے تھے جن کی آمدنی تیس ہزار دینار سالانہ تھی۔ اس نے مجھے لکھنا پڑھنا اور تمام ضرور باتیں سکھائیں۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے دستور کے موافق وصیت

کی۔ اس کے بعد خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ خدا امیر المومنین کو سلامت رکھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ جب میں بعض تاجروں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا تھا۔ میرے ایک غلام نے آ کر کہا دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بلا لیا۔ وہ اندر آیا تو اس کے سر پر ایک ڈھنکا ہوا خوان تھا۔ میرے سامنے رکھ کر اس نے کھولا تو اس کے اندر بے فصل کے پھل تھے بعض خشک نمکین اور بعض تازے۔ جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتے تھے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اسے ایک سو دینار دیئے وہ شکر بجا لایا اور چلا گیا۔ انہیں میں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیا جو اس وقت وہاں موجود تھے اور ان سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں کے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا 'بصرے کے'۔۔۔۔۔۔ اور اس کی بڑی تعریف کی۔ بصرے کی تعریف کرتے کرتے وہ بغداد کی تعریف کرنے لگے اور سب نے متفقہ بیان کیا کہ بغداد سے اچھا دنیا میں کوئی شہر نہیں۔ یہ سن کر بغداد کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا، اپنی تمام جائیدادیں اور املاک فروخت کر دی، ایک لاکھ دینار میں جہاز بیچ ڈالے، اسی طرح غلام اور باندیاں بھی اور دس لاکھ دینار جمع کئے۔ ان کے علاوہ بہت سے ہیرے جواہرات تھے۔ اب میں نے ایک جہاز کرائے پر لیا اس میں اپنا سارا مال و متاع بھر کر بصرے پہنچا وہاں کچھ دن ٹھہرنے کے بعد ایک دوسرا جہاز کرائے پر لیا اور بغداد آیا یہاں آ کر میں نے پوچھا کہ تاجر لوگ کہاں رہتے ہیں؟ اور بہترین رہنے کی جگہ کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کرخ میں۔ کرخ میں آ کر درب الزعفران میں ایک مکان کرائے پر لیا اور رہنے لگا۔ ایک روز جیب میں کچھ دام رکھ کر میں سیر کرنے نکلا۔ یہ جمعے کا دن تھا، پہلے تو میں ایک جامع مسجد گیا جس کا نام جامع منصور ہے جہاں جمعے کی نماز ہوا کرتی ہے، نماز پڑھ کر میں لوگوں کے ساتھ ایک جگہ گیا جس کا نام قران الصراط ہے۔ وہاں میں نے ایک بلند اور خوب صورت مکان دیکھا جس کی کھڑکیاں دیا کی طرف کھلتی تھیں۔ اور اس میں جھروکا تھا۔ جب میں لوگوں کے ساتھ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص عمدہ کپڑے پہنے بیٹھا ہوا ہے جن سے عطر کی خوشبو آ رہی ہے، اس کی داڑھی لمبی

اور سینے پر آ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے آس پاس چار کنیریں اور پانچ غلام ہیں۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا اس بوڑھے کا کیا نام اور کیا پیشہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ طاہرین علا ہے اور یہ اس کی لڑکیاں ہیں۔ جو کوئی یہاں آتا ہے کھاتا پیتا ہے اور خوبصورت لڑکیوں کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا واللہ ایک مدت سے میں اسی کی تلاش میں تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

اجازت ملی تھی۔

• نو سو انچاس ویں رات

نو سو انچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نے کہا
 واللہ میں ایک مدت سے اسی کی تلاش میں تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا اے امیر المومنین!
 میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا اے میرے آقا! مجھے تجھ سے کچھ ضرورت
 ہے۔ اس نے پوچھا کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا
 ہوں۔ وہ بولا سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ بیٹا! میرے پاس بہت سی
 لڑکیاں ہیں، بعض دس دینار رات والی بعض بیس دینار رات والی، بعض اس سے بھی زیادہ۔
 ان میں سے جنہیں تیرا جی چاہے پسند کر لے۔ میں نے کہا دس دینار رات والی اور
 ایک مہینے کے تین سو دینار تول کر اسے دے دیئے۔ اس نے مجھے ایک غلام کے ساتھ
 کر دیا جو مجھے لے کر اسی محل کے ایک حمام میں گیا اور اچھی طرح میری خدمت
 کی پھر وہ مجھے وہاں سے باہر لایا اور ایک کمرے کا دروازہ کھڑکھرایا۔ کمرے سے
 ایک لڑکی نکلی۔ غلام نے کہا لے یہ تیرا مہمان ہے۔ اس نے ایسی خندہ پیشانی سے میرا
 خیر مقدم کیا کہ میں مر مر گیا۔ میں نے دیکھا کہ یہ لڑکی چودھویں رات کے چاند کی
 طرح ہے، اس کی خدمت میں دو اور کنیریں ہیں جو تاروں کی طرح ہیں۔ اب اس
 نے مجھے بٹھایا خود میرے پہلو میں بیٹھ گئی اور کنیروں سے کہا دسترخوان لگاؤ جب دسترخوان
 لگایا گیا تو اس پر طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، ایسا
 لذیذ کھانا میں نے عمر بھر نہ کھایا تھا۔ جب ہم کھا چکے تو دسترخوان بڑھایا گیا۔ شراب
 عطر، حلوی اور میوے لائے گئے اس طرح سے میں ایک مہینہ تک اس کے ساتھ رہا
 جب مہینہ ختم ہو گیا تو میں حمام کر کے بوڑھے کے پاس گیا اور کہا اے میرے آقا
 اب میں اسے چاہتا ہوں جو بیس دینار رات والی ہے۔ اس نے کہا تول دینار۔ میں جا
 کر دینار لے آیا چھ سو دینار تول کر اسے دے دیئے اور غلام مجھے دوسری لڑکی کے پاس
 لے گیا جس کی خدمت میں چار کنیریں تھیں۔ جب ہم کھا پی چکے تو اس نے ستار

لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ اس لڑکی کے ساتھ ایک مہینے تک رہنے کے بعد میں نے بوڑھے کے پاس جا کر کہا اب میں چالیس دینار رات والی چاہتا ہوں اور اسے ایک مہینے کے دام ایک ہزار دو سو دینار تول کر دے دیئے اور ایک مہینہ اس کے ساتھ رہا، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دن رہا ہوں۔ جب میں وہاں سے بوڑھے کے پاس گیا تو شام کے وقت مجھے بڑا شور غل سنائی دیا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا بوڑھے نے کہا ہمارے ہاں آج کی رات سب لوگ سیر و تفریح کرتے ہیں اگر تیرا جی چاہے تو بھی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھ۔ میں چھت پر چڑھ گیا۔ دیکھا کہ وہاں ایک خوبصورت پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی ہے جس کا حسن و جمال اور قد و قامت دیکھ کر انسان دنگ ہو جائے اس کے پہلو میں ایک جوان ہے جو لڑکی کے گلے میں ہاتھ ڈالے اسے بوسے دے رہا ہے اور وہ اسے بوسے دے رہی ہے۔ اے امیر المومنین اس کا حسن دیکھ کر میرے ہاتھ سے دل جاتا رہا۔ چھت سے اتر کر میں نے اس لڑکی سے پوچھا جس کا میں مہمان تھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا تجھے اس سے کیا غرض؟ میں نے کہا واللہ میں اس پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ وہ بولی اگر تو اس سے کوئی غرض رکھتا ہے تو سن۔ وہ طاہر بن علا کی بیٹی ہماری آقا ہے اور ہم سب اس کی کنیریں ہیں۔ اے ابو الحسن! تجھے معلوم ہے کہ ایک دن رات کی اس کی اجرت کیا ہے؟ پانچ سو دینار۔ کتنے امیرزادوں کے دل میں اس کی حسرت ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واللہ میں اپنا سارا مال اس لڑکی پر نثار کر دوں گا۔ رات بھر میں اس کی محبت میں تڑپتا رہا، صبح ہوئی تو میں حمام گیا اور شاہانہ لباس پہن کر اس کے باپ کے پاس پہنچا اور کہا اے میرے آقا! اب میں وہ لڑکی چاہتا ہوں جو فی رات پانچ سو دینار کی ہے اور میں نے ایک مہینے کے دام پندرہ ہزار دینار تول کر دے دیئے۔ اس نے دینار لے کر غلام کو اشارہ کیا کہ اسے فلاں لڑکی کے پاس لے کر جائیے۔ میں اس لڑکی کے پاس پہنچا تو اے امیر المومنین! اس کو دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ وہ ایسی تھی جیسے چودھویں رات کا چاند۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• نو سو پچاسویں راتے

نو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نے کہا کہ اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اسے سلام کیا، اس نے کہا اہلاً و سہلاً و مرحباً اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ میں اس کے عشق میں اتنا گرفتار ہو گیا کہ جدائی کو یاد کر کے رونے لگا۔ وہ پیاری پیاری باتیں کر کے میرا دل بہلانے لگی۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، چار باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی کنیزوں نے کھانا، میوے، عطر اور ایسی ایسی شراہیں ہمارے آگے رکھیں جو بادشاہوں کے قابل تھیں۔ اے امیر المومنین! ہم نے کھایا اور پھر شراب سے بیٹھ گئے۔ پھر اے امیر المومنین! ایک کنیز ایک ریشمی تھیلا لائی۔ لڑکی نے اس میں سے ایک ستار نکال کر تار ٹھیک ٹھاک کئے اور گانے بجانے لگی۔ اے امیر المومنین! ایک بڑی مدت تک اسی طرح اس کے پاس رہا یہاں تک کہ میرا سارا مال ختم ہو گیا اور میں اس کی جدائی کے خیال سے اتنا رویا کہ آنسو میرے رخساروں پر چشمے کی طرح بہنے لگے اور مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ دن ہے یا رات۔ اس نے پوچھا تو کیوں رو رہا ہے؟ میں نے کہ اے میری آقا! جب سے میں تیرے پاس آیا ہوں تیرا باپ مجھ سے ہر رات کے پانچ سو دینار لیتا ہے اور اب میری جیب میں کچھ نہیں رہا۔ اس نے کہا میرے باپ کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی تاجر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے دام جب ختم ہو جاتے ہیں تو وہ تین دن تک اسے کھلاتا پلاتا اس کے بعد نکال باہر کرتا ہے لیکن اپنا راز کسی سے نہ کہہ۔ میں ایک ترکیب کرتی ہوں جس سے جب تک خدا کو منظور ہو ہم ساتھ رہیں گے کیونکہ میں بھی تجھ پر دل سے فریفتہ ہوں۔ سن! میرے باپ کا سارا مال میرے پاس رہتا ہے اور اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس قدر ہے۔ میں ہر روز تجھے پانچ سو دینار کی ایک تھیلی دیا کروں گا تو میرے باپ کو کہہ دیا کیجیو

کہ اب میں ایک ایک دن کے دام دیا کروں گا۔ جب تو اسے دے گا تو وہ میرے حوالے کر دیا کرے گا اور وہی پھر تجھے دیا کروں گی اس طرح سے جب تک خدا کو منظور ہے ہم ساتھ رہیں گے۔ اے امیر المومنین! میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کا ہاتھ چوما اور اس طرح ایک سال اور اس کے ساتھ رہا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ لڑکی نے کسی وجہ سے اپنی باندی کو بہت مارا، باندی بولی جس طرح تو نے مجھے تکلیف دی ہے میں بھی تیرا دل جلاؤں گی اور جا کر اس کے باپ سے ہمارا کچا چٹھا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ سنتے ہی طاہر بن علا دوڑا ہوا میرے پاس آیا دیکھا کہ میں اس کی بیٹی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ کہنے لگا اے فلاں! میں نے جواب دیا حاضر ہوں۔ اس نے کہا ہمارا دستور یہ ہے کہ جب ہمارے ہاں کوئی تاجر آتا ہے اور پھر غریب ہو جاتا ہے تو ہم محض تین دن اسے کھانا پینا دیتے ہیں، تجھے ایک سال ہو گیا کہ کھاتا پیتا اور جو چاہتا کرتا ہے۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا اس کے کپڑے اتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دو جن کی قیمت پانچ درہم ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے دس درہم دے کر کہا دور ہو یا یہاں سے۔ میں تجھے نہ ماروں گا نہ برا بھلا کہوں گا لیکن اگر تو اس شہر میں ٹھہرا رہا تو تیرا خون حلال ہے۔ اے امیر المومنین! میں مجبوراً وہاں سے نکلا، میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں، دنیا بھر کا رنج و غم میرے اوپر ٹوٹ پڑا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا میں دس لاکھ دینار لے کر یہاں آؤں، وہ سب اس منحوس بوڑھے کے ہاں خرچ ہو جائیں اور پھر میں ننگا اور دل شکستہ یہاں سے نکلا جاؤں۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ العلیٰ العظیم!

اس کے بعد میں تین دن بعد بغداد میں رہا لیکن نہ کھانا کھایا، نہ پانی پیا، چوتھے دن میں نے دیکھا کہ ایک جہاز بھرے جا رہا ہے میں اس میں بیٹھ کر بھرے پہنچا بازار گیا مارے بھوک پیاس کے میری جان نکلی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک کنجڑے کی نظر مجھ پر پڑی وہ آکر میرے گلے سے لپٹ گیا کیونکہ وہ میرا اور اس سے پہلے میرے باپ کا دوست تھا۔ اس نے میری حالت پوچھی میں نے اپنا سارا ماجرا اسے بیان کر

دیا۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھہر جا میری آمدنی اور خرچ لکھا کر۔ میں نے منظور کر لیا۔ ایک سال تک اس کی دکان پر خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ میرے پاس سو دینار ہو گئے۔ میں نے سمندر کے کنارے ایک کوٹھری کرائے پر لی اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی جہاز سامان لے کر آئے تو میں اپنے دیناروں سے کچھ سامان لے کر بغداد جاؤں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ کئی جہاز آئے، تاجر سامان خریدنے روانہ ہوئے میں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز میں سے دو شخص نکلے، کرسیاں بچھا کر بیٹھ گئے اور ایک غلام سے کہا قالین بچھا اور ایک خرجی میں سے ایک تھیلی نکال کر اسے قالین پر اندیل دیا۔ اس میں سے اتنے ہیرے، موتی مونگے، یاقوت اور لعل نکل پڑے کہ آنکھیں چندھیا گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اکیاونویں رات

نو سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نے خلیفہ سے بیان کیا کہ ہیرے جواہرات نکالنے کے بعد ایک تاجر نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ اے تاجرو! آج میں بیچنا نہیں چاہتا کیونکہ میں تھکا ہوا ہوں۔ تاجروں نے بڑھ بڑھ کر دام لگانے شروع کر دیئے اور چار سو دینار تک پہنچ گئے۔ تھیلی والے تاجر کو میں بہت دنوں سے جانتا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ تو اور تاجروں کی طرح بولی کیوں نہیں بولتا؟ میں نے کہا، قسم خدا کی اے میرے آقا! مجھے شرم آتی ہے، میرے پاس سو درہم سے زیادہ نہیں۔ یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اسے ترس آ گیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم گواہ رہنا کہ میں اس تھیلی کے تمام ہیرے جواہرات اس شخص کے ہاتھ سو دینار میں بیچتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی قیمت اتنے ہزار دینار ہے۔ میں یہ اسے بطور ہدیئے کے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے خرجی تھیلی، قالین اور اس پر جتنے ہیرے جواہرات تھے دے دیئے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تمام حاضرین اس کی تعریف کرنے لگے۔ میں ان جواہرات کو لے کر جوہری بازار گیا اور وہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا۔ منجملہ ان ہیرے جواہرات کے ایک گول تعویذ تھا جس کی صورت جادوگروں کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا وزن ایک پاؤ ہو گا، اس کا رنگ نہایت سرخ تھا اور اس کے دونوں طرف ایسی لکیریں بنی ہوئی تھیں جیسے چیونٹیوں کے پاؤں کی۔ یہ مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ وہ کس کام کا ہے۔ میں نے اس کا دلال کے حوالے کیا وہ ہر پھر کر تھوڑی دیر کے بعد لوٹا اور کہنے لگا کہ کوئی تاجر اس کے دس درہم سے زیادہ نہیں لگاتا۔ میں نے کہا ان داموں کو نہیں بیچوں گا اور وہ اسے میرے آگے پھینک کر چل دیا۔ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے آ کر سلام کیا اور کہا اگر تیری اجازت ہو تو

میں تیرا سامان الٹ پلٹ کر دیکھوں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ اس نے الٹنا پلٹنا شروع کیا اور اس گول تعویذ کے سوا اس نے اور کچھ نہ نکالا اسے دیکھ کر، اے امیر المومنین اس نے اپنا ہاتھ چوما اور کہا شکر ہے خدا کا۔ پھر کہا اے میرے آقا! کیا تو اسے بیچتا ہے؟ میں غصے میں بھرا بیٹھا تھا کہنے لگا ہاں۔ اس نے اس کے دام پوچھے میں نے کہا تو کیا دے گا؟ اس نے کہا بیس دینار۔ میں سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے اور اسے کہا چل دور ہو، اس نے کہا پچاس دینار لیکن میں نے اس کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ اے امیر المومنین! وہ دام بڑھاتا جاتا اور میں چپ تھا وہ میرے چپ رہنے پر ہنستا اور کہتا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں اس سے کہتا کہ یہاں سے چلتا بن اور قریب تھا کہ اس سے لڑ پڑوں، ادھر وہ ہزار ہزار کر کے دام بڑھاتا جاتا۔ بالاخر اس نے کہا کہ بیس ہزار دینار میں بیچتا ہوں؟ میں اب تک یہی خیال کر رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے، ہر ایک یہی کہنے لگا کہ بیچ ڈال اور اگر وہ نہیں خریدے گا تو ہم سب پکڑ کر اسے ماریں گے اور شہر سے نکال دیں گے۔ اب میں نے اس سے پوچھا کہ تو واقعی خریدتا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا تو واقعی بیچتا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ میں نے کہا بیچتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تمیں ہزار دینار لے اور سودا ختم کر۔ میں نے حاضرین سے کہا، تم گواہ رہنا لیکن میں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ وہ مجھے اس کا فائدہ بتا دے۔ اس نے کہا سودا ختم کر اور میں تجھے اس کا فائدہ بتا دوں گا۔ میں نے کہا، بیچ ڈالا۔ اس نے دینار نکال کر مجھے پکڑا دیئے۔ تعویذ لے کر جیب میں ڈال لیا اور مجھ سے کہا منظور ہے؟ میں نے کہا ہاں!

اب اس نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم گواہ رہنا کہ سودا تمام ہو گیا، اس نے تعویذ کے دام تیس ہزار دینار لے لیے۔ اس کے بعد اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے مسکین! اگر تو تھوڑی دیر اور نہ بیچتا تو میں اس کی قیمت ایک لاکھ تک بڑھا دیتا بلکہ دس لاکھ تک۔ اے امیر المومنین! یہ سن کر میرا چہرہ زرد پڑ گیا جو

آج تک قائم ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ میں نے تعویذ کا قصہ پوچھا اس نے کہا سن! ہند کے بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جس سے زیادہ حسین کہیں دیکھی نہیں گئی ہو گی، اس پر آسیب آتا ہے۔ بادشاہ نے تمام علاج کر ڈالے لیکن آسیب کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا میں ایک شخص سعد اللہ بابلی کو جانتا ہوں جس سے بہتر ایسی باتوں کے لیے اور کوئی نہیں۔ بادشاہ بولا کہ تو ہی جا میں نے کہا عقیق کا ایک ٹکڑا منگو، اس نے عقیق کا ایک بڑا ٹکڑا منگوایا ایک لاکھ دینار اور تحفے دے کر مجھے رخصت کر دیا۔ بابلی پہنچ کر میں نے شیخ کو وہ ایک لاکھ دینار اور ہدیہ دیا۔ اس نے قبول کر لیا اور عقیق کا ٹکڑا ایک سنگ تراش کو دے کر کہا اسے تعویذ کی شکل میں بنا دے۔ اس کے بعد شیخ سات مہینے تک تاروں کو دیکھتا رہا ہے۔ میں اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو باون ویں رات

نو سو باون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نے امیر المومنین سے کہا اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں تعویذ لے کر بادشاہ کے پاس گیا، اس کے پہنچتے ہی اس کی بیٹی اچھی ہو گئی۔ اس وقت تک وہ چار زنجیروں میں جکڑی رہتی تھیں اور ہر رات اس کے ساتھ ایک کنیز سوتی تھی۔ جو صبح کے وقت ذبح کی ہوئی پائی جاتی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا مجھے بہت انعام دیا اور وہ تعویذ اس کے ہار میں پرو دیا۔ ایک روز جب کہ وہ اپنی کنیزوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھی سمندر کی سیر کر رہی تھی، وہ ہار ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا، اسی وقت سے پھر آسیب آنے لگا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو کتنا افسوس ہوا ہو گا؟ اس نے مجھے بہت سا مال دے کر دوسرا تعویذ بنوانے بھیجا۔ بابل پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔ جب میں نے لوٹ کر بادشاہ کو اس کی خبر دی تو اس نے میرے ساتھ دس اور آدمیوں کو بھیجا کہ ہم ملک ملک پھر کر اس کی دوا تلاش کریں۔ خدا نے اسے مجھ سے ملا دیا۔ اور میرے پاس اسے وہ تعویذ مل گیا۔ اے امیر المومنین! وہ اسے لے کر چل دیا۔ یہ وجہ ہے میرے چہرے کے زرد پڑ جانے کی۔ اس کے بعد میں اپنا سارا مال متاع لے کر بغداد آیا اور اسی مکان میں ٹھہرا جس میں پہلے ٹھہرا تھا۔ دوسرے دن صبح کو میں کپڑے پہن کر ظاہر بن علا کے گھر پہنچا تاکہ اپنی محبوبہ کو ایک نظر دیکھ لوں کیونکہ اس کی محبت روز بروز میرے دل میں زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

میں اس کے گھر پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جھروکا ٹوٹا پڑا ہے۔ ایک غلام سے پوچھا کہ شیخ کو کیا ہو گیا؟ اس نے کہا بھائی؟ چند سال ہوئے یہاں ابو الحسن عمانی نامی ایک شخص آیا تھا اس کی بیٹی کے ساتھ مدت تک رہا تھا۔ جب اس کے دام ختم ہو گئے تو شیخ نے اسے دل شکستہ کر کے نکال دیا۔ لڑکی کو اس سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔

اس لیے جب وہ چلا گیا تو لڑکی اتنی بیمار پڑی کہ مرنے کے قریب ہو گئی۔ جب اس کے باپ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے لوگوں کو جوان کی تلاش میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ جو اسے لے آئے گا میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا لیکن کسی کو اس کا پتا نہ چلا۔ اب تک لڑکی کا وہی حال ہے۔ میں نے پوچھا اس کے باپ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر آئی ہے اس نے تمام کنیریں بیچ ڈالی ہیں۔ جوان نے کہا میں تجھے ابو الحسن عمانی کا پتا بتا دوں؟ اس نے کہا خدا کے لیے بتا دے۔ جوان بولا اس کے باپ کو جا کر خوشخبری دے کہ ابو الحسن عمانی دروازے پر کھڑا ہے۔ غلام اس طرح دوڑا جیسے نخر چکی سے نکل کر دوڑتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد شیخ کو لے کر آیا۔ مجھے دیکھتے ہی شیخ اٹے پاؤں پھرا اور غلام کو ایک لاکھ دینار دیئے، غلام تو دینار لے کر مجھے دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ شیخ نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا رونے لگا اور کہا اے میرے آقا! اتنے دنوں سے تو کہا تھا؟ تیری جدائی میں میری بیٹی ہلاک ہو گئی۔ اندر چل۔ میں اندر گیا تو اس نے خدا کے آگے شکر گزاری کا سجدہ ادا کیا اور کہا شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں تجھ سے ملا دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا خدا نے اس مرض سے تجھے شفا دی۔ وہ بولی ابا! میں اس وقت تک اچھی نہیں ہو سکتی جب تک ابو الحسن کا دیدار نہ کر لوں۔ باپ نے کہا ایک لقمہ کھانا کھا لے اور حمام ہو آ پھر میں تم دونوں کو ملا دوں گا۔ بیٹی نے کہا، سچ مچ؟ باپ بولا خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں۔ بیٹی نے کہا اگر میں اس کا مکھڑا دیکھ لوں تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں۔ شیخ نے غلام سے کہا اپنے آقا کو بلا لا۔ لڑکی نے مجھے دیکھا تو اے امیر المومنین! وہ غش کھا کر گر پڑی۔ اسے ہوش آیا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی، اے میرے آقا! واللہ مجھے یہ گمان کبھی نہ ہو سکتا تھا کہ سوائے خواب کے میں تیرا دیدار کبھی کر سکوں گی۔ یہ کہہ کر وہ میرے گلے سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ اے امیر المومنین! میں ان کے یہاں بہت دنوں تک ٹھہرا رہا اس کی خوبصورتی

عود کر آئی اس کے باپ نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر ہم دونوں کا نکاح کرا دیا اور آج تک وہ میری بیوی ہے۔

اتنا کہہ کر جوان اندر گیا ایک حسین لڑکے کو لے کر آیا اور اس سے کہا امیر المومنین کے آگے زمین کو بوسہ دے۔ اس نے بوسہ دیا، بعد ازاں خلیفہ اپنے ساتھیوں کو لے کر رخصت ہوا۔ محل میں پہنچ کر سرور کر بلا لیا اور اس سے کہا بصرے، بغداد اور خراسان کا خراج لا کر اس ایوان میں رکھ۔ وہ مل کر اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کا شمار سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ اب اس نے جعفر کو حکم دیا ابو الحسن کو بلا۔ میں نے آ کر خلیفہ کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے کہا اے عمانی! اس پردے کو اٹھا جب اس نے پردے کے پیچھے وہ سارا خزانہ دیکھا تو اس کی عقل دنگ ہو گئی۔ خلیفہ بولا اے ابو الحسن! یہ مال زیادہ ہے یا وہ جو تعویذ کی قیمت میں سے تجھے نہ ملا تھا؟ اس نے کہا امیر المومنین! یہ کئی گنا زیادہ ہے۔ رشید نے حاضرین سے کہا تو گواہ رہنا کہ میں نے یہ مال اس جوان کو بخش دیا۔ جوان نے زمین چومی، شرما گیا اور مارے خوشی کے رشید کے سامنے رونے لگا۔ رونے کی وجہ سے اس کے رخسار پر آنسو بننے لگے، خون عود کر آیا اور اس کا چہرہ پھر چودہویں رات کے چاند سا ہو گیا۔ خلیفہ بولا پاک ہے وہ ذات جو حالتوں کو بدلتی رہتی ہے مگر خود ایک حالت پر قائم ہے۔

اور اس نے آئینہ منگوا کر اسے دکھایا جوان اپنی صورت دیکھ کر سجدے میں گر پڑا۔ خلیفہ نے حکم دیا سارا مال اس کے گھر پہنچوا دیا جائے۔ اور اس سے کہا میرے پاس آتا جاتا رہیو۔ جوان نے آمدورفت برابر جاری رکھی یہاں تک کہ خلیفہ کا انتقال ہو گیا، رحمۃ اللہ علیہ! پاک ہے وہ ذات جو مرتی نہیں اور حکومت اسی کی ہے۔

○ ابراہیم اور جمیلہ کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- مصر کے عامل خصیب کا ایک بیٹا تھا، اتنا خوبصورت کہ باپ

اسے جمعے کی نماز کے علاوہ کبھی باہر نہ نکلنے دیتا۔ ایک روز جمعے کی نماز کے بعد وہ ایک بوڑھے شخص کے پاس سے گزرا جس کے پاس بہت سی کتابیں تھیں، وہ گھوڑے سے اتر کر اس کے قریب گیا، کتابوں کو الٹنے پلٹنے اور غور سے دیکھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک عورت کی بولتی ہوئی تصویر پر پڑی جس کا مثل اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہوش جاتے رہے۔ اس نے شیخ سے کہا کہ یہ تصویر میرے ہاتھ بچ ڈال۔ شیخ نے اس کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! مفت نذر ہو۔ جوان نے اسے سو دینار دیئے اور وہ کتاب جس میں تصویر تھی لے لی۔ اب وہ دن رات اسی کو دیکھتا اور روتا نہ کھاتا نہ پیتا نہ سوتا اور اپنے دل میں کہتا کاش میں نے کتب فروش سے پوچھ لیا ہوتا کہ اس کا مصور کون ہے؟ اگو وہ کسی زندہ عورت کی تصویر ہے تو میں اس سے ملوں اور اگر خیالی تصویر ہے تو اپنی بے چینی چھوڑ دوں اور اپنی جان کو ایسی چیز کے پیچھے عذاب میں نہ ڈالوں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تریپنویں رات

تو سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان نے کہا اگر یہ تصویر محض خیالی ہے تو کیوں اس کے پیچھے اپنی جان کو عذاب میں ڈالوں؟ چنانچہ دوسرے جمعہ کو وہ پھر اس بوڑھے کے پاس گیا اور کہا چچا! یہ تو بتا یہ تصویر کس نے کھینچی ہے؟ اس نے جواب دیا بغداد کے ایک مصور نے جس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے اور جو کرخ کے محلے میں رہتا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ تصویر ہے کس کی؟ جوان وہاں سے چل دیا، کسی کو خبر نہ تھی کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ نماز پڑھ کر گھر لوٹا تو اس نے ایک تھیلی میں ہیرے اور سونا بھرا جن میں صرف ہیروں کی قیمت تیس ہزار دینار ہو گی اور دوسرے دن علی الصبح نکل کھڑا ہوا۔ کسی کو خبر کئے بغیر ایک قافلے کے پاس پہنچا وہاں ایک بدو کو دیکھ کر اس سے کہا چچا! اگر تو مجھے بغداد پہنچا دے تو میں تجھے سو دینار اور یہ گھوڑا دوں گا جس پر میں سوار ہوں اور جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے۔ بدو بولا خدا ہماری باتوں کا گواہ رہے لیکن آج رات میرے پاس سو۔ جوان نے اس کا کہنا مان لیا، اس کے یہاں رات گزاری، سویرا ہوا تو بدو محض گھوڑے کے لالچ میں اسے قریب کے راستے سے لے گیا۔ وہ بغداد کی شہر پناہ کے پاس پہنچے تو بدو نے کہا اے میرے آقا! شکر ہے خدا کا کہ ہم سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے، یہ بغداد ہے۔ جوان بہت خوش ہوا، گھوڑے سے اتر کر گھوڑا اور سو دینار بدو کو دے دیئے اور تھیلی لے کر چل دیا۔ کرخ اور تاجروں کی سرائے کا پتا پوچھتا، پوچھتا اتفاق سے ایک گلی میں پہنچا جہاں آمنے سامنے دس گھر تھے۔ صدر میں ایک ایسا مکان جس کا دروازہ دوپٹوں کا تھا اور کنڈی چاندی کی تھی۔ دروازے کے سامنے کی دونوں چوکیاں مرمر کی تھیں اور ان پر خوب صورت قالینیں بچھی ہوئی، ایک پر ایک شان دار خوب صورت شخص بھڑکیلے کپڑے پہنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے پانچ گورے غلام چاند

کی طرح خوب صورت کھڑے ہوئے تھے۔

جوان پہچان گیا کہ یہ وہی نشانیاں ہیں کو کتب فروش نے بیان کی تھیں اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ مرحبا کہا، بٹھایا اور مزاج پوچھا۔ جوان نے کہا میں پردیسی ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو مہربانی فرما کر اس گلی میں ایک مکان تلاش کر دے تاکہ میں وہاں رہوں۔ اس شخص نے آواز دی اے غزالہ! اور ایک کنیز نے نکل کر کہا اے میرے آقا! حاضر ہوں۔ اس نے کہا چند نوکروں کو لے جا اور ایک کمرے کو صاف ستھرا کرا، فرش بچھوا اور اس حسین جوان کے لیے تمام ضروریات مہیا کر دے۔ جب کنیز اس کے حکم کی تعمیل کر چکی تو بوڑھا اسے کمرے میں لے گیا۔ جوان نے پوچھا اس کمرے کا کرایہ کیا ہے؟ بوڑھا بولا، اے حسین جوان! جب تک تیرا جی چاہے یہاں رہ۔ میں تجھ سے کوئی کرایہ نہیں لوں گا۔ اس کے بعد بوڑھے نے ایک کنیز کو بلا کر کہا، شطرنج لا۔ وہ شطرنج لے آئی۔ ایک غلام نے بساط بچھائی اور بوڑھے نے جوان سے کہا میرے ساتھ کھیلے گا؟ اس نے کہا ہاں! کئی بانیاں کھیلیں اور ہر بار جوان نے مات دی۔ بوڑھے نے کہا شاباش! تجھ میں سارے کمال موجود ہیں۔ بغداد میں کوئی شخص مجھ سے جیت نہیں سکتا لیکن تو نے مجھے مات پر مات دی پھر بوڑھے نے اسے کمرے کی کنجیاں حوالے کر دیں اور کہا میرے غریب خانے میں آ اور میرا کھانا کھا۔ اس سے مجھے عزت حاصل ہو گی۔ جوان نے منظور کر لیا اس کے ساتھ اندر گیا دیکھا کہ وہ بڑا خوبصورت مکان ہے، طرح طرح کی تصویریں لٹکی ہوئی ہیں۔ بوڑھے نے اس کا خیر مقدم کیا اور کھانا منگوایا۔ لوگ ایک دسترخوان لائے جو صنعا کا بنا ہوا تھا اور ایسے ایسے کھانے جن سے زیادہ لذیذ ممکن نہیں۔ جوان نے کھاپی کر ہاتھ دھوئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب جو اپنی تھیلی پر نظر ڈالی تو وہ غائب۔ لاجول پڑھنے اور کہنے لگا ایک یا دو درہم کا میں نے کھانا کھایا اور تیس ہزار دینار کی تھیلی غائب ہو گئی لیکن خدا میرے مدد کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا اسے کچھ کہتے نہ بن پڑی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• نو سو چون وین راتے

نو سو چون وین رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوان چپ ہو گیا۔ اسے کچھ کہتے بن نہ پڑی۔ بوڑھا شطرنج لایا اور کہا کھیلتا ہے؟ جوان بولا ہاں! دونوں کھیلنے لگے اور بوڑھے نے اسے مات دے دی۔ جوان نے کہا شاباش! اور کھیل چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھے نے پوچھا کیا بات ہے؟ جوان بولا میں اپنی تھیلی تلاش کر رہا ہوں، بوڑھے نے تھیلی نکال کر کہا لے یہ ہے تیری تھیلی۔ اب دوبارہ مجھ سے شطرنج کھیلے گا؟ اس نے کہا ہاں! اور اس نے بوڑھے کو مات دے دی۔ بوڑھا بولا تیرا جی تھیلی میں لگا ہوا تھا اس لیے تو مات کھا گیا، تھیلی مل گئی تو تو نے مات دے دی۔ پھر بوڑھے نے کہا بیٹا! تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا مصر۔ پوچھا کہ بغداد کیسے آنا ہوا؟ جوان نے تصویر نکال کر کہا چچا! میں مصر کے عامل خصب کا بیٹا ہوں۔ یہ تصویر میں نے ایک کتب فروش کے پاس دیکھی تھی۔ میں اس پر عاشق ہو گیا۔ مصور کا پتا پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کرخ میں درب زعفران میں رہتا ہے اور اس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے۔ اس پر میں نے کچھ مال اپنے ساتھ لیا اور بغیر کسی کو خبر کئے اکیلا نکل کھڑا ہوا۔ اب میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس کا پتا بتا دے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ یہ کس طرح کی تصویر ہے؟ اور اس نے کیوں کھینچی؟ جو کچھ مانگے گا دوں گا۔

بوڑھے نے کہا بیٹا! ابوالقاسم صندلانی میں ہی ہوں اور یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ قسمت تجھے میرے پاس لے آئی۔ یہ سنتے ہی جوان اٹھ کھڑا ہوا، اس کے گلے سے لپٹ گیا، اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا اور کہا خدا کے واسطے بتا دے کہ وہ کس کی تصویر ہے؟ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور اٹھ کر ایک کوٹھڑی کھولی، بہت سی کتابیں نکال لایا جن میں اس نے یہی تصویر رکھی تھی اور کہنے لگا بیٹا! یہ تصویر میری

چچیری بہن کی ہے، وہ بھرے میں رہتی ہوں جہاں اس کا باپ والی ہے۔ اس کا نام ابواللیث ہے اور لڑکی کا جیلہ۔ ایسی حسین دنیا بھر میں نہیں، لیکن وہ مردوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی بلکہ ان کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتی۔ میں اس سے شادی کرنے کی غرض

سے اس کے باپ کے پاس گیا تھا۔ بہت مال خرچ کیا پھر بھی اس نے منظور نہیں کیا۔ جب اس کی خبر لڑکی کو ملی تو وہ تیش میں آ گئی اور مجھے کہلا بھیجا کہ اگر تو سمجھدار ہے تو یہاں سے چلا جا ورنہ مارا جائے گا اور تیرا خون تیری ہی گردن پر ہو گا۔ وہ بہت ظالم ہے اس لیے میں شکستہ دل ہو کر بھرے سے چلا گیا اور بہت سی کتابوں میں اس کی تصویر کھینچ کر انہیں ملک ملک روانہ کر دیا تاکہ وہ تیری طرح کسی حسین جوان کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرے اور ممکن ہے کہ لڑکی اس پر عاشق ہو جائے۔ میں جوان سے وعدہ لے لوں گا کہ اگر وہ اسے مل جائے تو مجھے ایک نظر دکھا دے خواہ دور ہی سے سہی۔

ابراہیم بن خصیب نے یہ باتیں سنیں تو سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ صندوق لانی کہنے لگا! میں نے بغداد بھر میں تجھ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ تجھے دیکھ کر ضرور عاشق ہو جائے گی۔ کیا تو یہ کر سکتا ہے کہ اگر تجھے کامیابی ہو جائے تو تو مجھے ایک بار اس کا دیدار دکھا دے خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں! بوڑھے نے کہا اگر یہ بات ہے تو تو سفر کرنے تک یہیں میرے پاس ٹھہر۔ جوان بولا میں ٹھہر نہیں سکتا اس کے عشق کی آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔ بوڑھے نے تین دن میں اس کے لیے ایک کشتی تیار کی اور کھانا پینا وغیرہ اس میں رکھ کر کہا میں نے ایک کشتی میں تیرے لیے کھانا پینا تیار کر کے رکھ دیا کشتی میری ملکیت ہے، ملاح میرے نوکر ہیں اور کشتی میں اتنا سامان ہے کہ جانے آنے کی لیے کافی ہو گا۔ میں نے ملاحوں کو تاکید کر دی ہے کہ واپسی تک وہ تیری خدمت کریں۔ جوان اٹھا اور اس سے رخصت ہو کر کشتی میں سوار ہو گیا ور چلتے چلتے بھرے پہنچا

اور سو دینار نکال کر ملاحوں کو دیئے۔ انہوں نے کہا، ہم اپنے آقا سے مزدوری لے چکے ہیں۔ وہ بولا۔ یہ انعام ہے، میں اس سے نہیں کہوں گا۔ انہوں نے لے لیا اور اسے دعا دی۔

جوان نے بھرے میں داخل ہو کر پوچھا تاجروں کو سرائے کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سرائے حمدان۔ وہ اس سرائے کی طرف چلا جا رہا تھا اور لوگ اس کے حسن و جمال پر محو تھے۔ سرائے میں داخل ہو کر اس نے دببان کو پوچھا اور اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ جوان نے کہا تیرے پاس کوئی خوبصورت سا کمرہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اور ایک خوبصورت کمرہ کھول دیا جس میں سونے کا کام تھا اور کہا اے جوان! یہ تیرے قابل ہے۔ جوان نے دو دینار نکال کر اسے دیئے اور کہا یہ کنجی دینے کا انعام ہے۔ دببان نے دینار لیے اور اسے دعا دی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو دببان اس کی خدمت کے لیے وہیں ٹھہرا رہا۔ جوان نے اسے ایک دینار دے کر کہا اس کی روٹی، سالن، مٹھائی اور شراب لے آ۔ دببان جا کر دس درہم کی یہ چیزیں لے آیا اور باقی جوان کو دینے لگا اور اس نے کہا انہیں اپنے خرچ کے لیے رہنے دے۔ اب جوان نے ایک چپاتی اور کچھ سالن کھایا اور دببان سے کہا باقی اپنے گھر لیتا جا۔ وہ گھر جا کر کہنے لگا میرے خیال میں اس جوان سے زیادہ سخی دنیا بھر میں کوئی نہیں جو ہمارے ہاں آ کر ٹھہرا ہے۔ نہ اس سے زیادہ پیارا۔ اگر وہ کچھ دنوں اور ٹھہرا رہا تو ہم امیر ہو جائیں گے۔ جب دببان لوٹ کر سرائے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ جوان بیٹھا رو رہا ہے، وہ بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگا اور انہیں چوم کر کہا اے میرے آقا! تو کیوں رو رہا ہے؟ خدا تجھے کبھی نہ رلائے، اس نے جواب دیا چچا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات دونوں بیٹھ کر شراب پیئیں۔ بوڑھا بولا سر آنکھوں سے۔ جوان نے اسے پانچ دینار دے کر کہا کہ ان کا خشک میوہ، عطر، پانچ موٹی تازی مرغیاں اور عود لیتا آؤ۔ دببان نے جا کر تمام چیزیں خریدیں اور اپنی بیوی سے کہا انہیں پکا، شراب کو صاف کر اور ہر چیز خوب اچھی طرح سے بنا کیونکہ یہ جوان ہم

پر بڑا مہربان ہے۔ بیوی نے تمام چیزیں خوب اچھی طرح سے تیار کیں، دربان انہیں لے کر ابراہیم کے پاس آیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• نو سو پچپن ویں رات

نو سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- دربان یہ سب چیزیں لے کر جوان کے پاس گیا، دونوں نے کھایا پیا، خوش ہوئے۔ جوان رو رو کر یہ اشعار پڑھتے ہوئے، ”اگر تیرے وصل کے بدلے مجھے اپنی روح، مال، دولت، ساری دنیا، جنت اور فردوس دینا پڑے تب بھی میرا دل اسے مول لینے کے لیے تیار ہے۔“ ایک چیخ مار کر گر پڑا اور دربان سسکیاں بھرنے لگا۔ دربان نے کہا اے میرے آقا! تو کیوں روتا ہے اور اس شعر سے تیرا کس طرف اشارہ ہے؟ وہ کوئی بھی ہو تو تیرے قدموں کی خاک سے بڑھ کر نہ ہو گی۔ جوان نے اٹھ کر ایک بچہ نکالا جس میں عمدہ عمدہ زنانہ کپڑے تھے اور دربان سے کہا انہیں اپنی بیوی کو دے آ۔ دربان انہیں اپنی بیوی کے پاس لے گیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ جوان کے پاس آئی تو دیکھا کہ جوان رو رہا ہے۔ بیوی بولی تو نے ہمارا دل پاش پاش کر دیا ہے۔ بتا تو سہی کہ تو کس حسین کے غم میں رو رہا ہے؟ وہ زیادہ سے زیادہ تیری لونڈی کے برابر ہو گی۔ جوان بولا چچی سن! میں مصر کے عامل خصب کا بیٹا ہوں اور ابواللیث والی کی بیٹی پر عاشق۔ دربان کی بیوی نے کہا بھائی! اللہ اللہ کر یہ باتیں جانے دے اگر کسی نے سن لیا تو ہم سب مارے جائیں گے، اس سے بڑھ کر ظالم دنیا میں نہیں۔ کس کی مجال ہے کہ مرد کا نام اس کے آگے لے سکے۔ اس قدر اسے مردوں سے نفرت ہے۔ بیٹا! اس کا دھیان دل سے نکال ڈال کسی اور سے دل لگا لے۔ یہ سن کر جوان کو زیادہ رقت آگئی دربان نے کہا میری جان کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اسے میں تیرے اوپر قربان کر سکتا ہوں اور تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا یہ کہہ کر دونوں چلے گئے۔

صبح ہوئی تو جوان حمام گیا اور شاہانہ لباس پہنا، اتنے میں دربان اور اس کی بیوی نے آکر کہا، اے میرے آقا! یہاں ایک کبڑا درزی ہے جو جیلہ کے کپڑے سیتا ہے، جا

کر اسے اپنا ماجرا سنا ممکن ہے کہ وہ کوئی تدبیر نکال دے، جس سے تیری مراد بر آئے۔

جوان فوراً اٹھ کر کپڑے درزی کی دکان پر پہنچا دیکھا کہ اس کے پاس دس گورے غلام ہیں۔ چاند کی طرح خوبصورت جوان نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا خوش ہو کر اسے بٹھایا اور اس کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب کبڑے کی نظر اس پر پڑی تو اس کے ہوش بھی جاتے رہے۔ جوان نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میری جیب سی دے، درزی نے ریشم کا ڈورا لے کر سی دی۔ جوان نے اپنی جیب عمداً پھاڑ ڈالی تھی، درزی نے جیب سی دی نوجوان نے پانچ دینار نکال کر اسے دے دیئے اور چلا گیا درزی اپنے دل میں کہنے لگا میں نے اس لڑکے کے لیے کون سا ایسا بڑا کام کیا کہ اس نے پانچ دینار دیئے اور رات بھر اسے جوان کا خیال رہا۔ دوسرے دن صبح کو وہ پھر کبڑے درزی کی دکان پر گیا اور سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور عزت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ جوان نے کبڑے سے کہا چچا! میری جیب دوبارہ سی دے کیونکہ وہ پھر پھٹ گئی ہے۔ درزی نے کہا، بیٹا سر آنکھوں سے۔ اور اس کی جیب سی دی۔ جوان نے اسے دس دینار دیئے اس نے لے لیے اور اس کا حسن اور سخاوت دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ اس کے بعد درزی نے کہا اے جوان۔ تیری اس بخشش کا کوئی نہ کوئی سبب ہے یہ محض جیب سینے کی مزدوری نہیں، بتا کیا بات ہے؟

اگر تو یہاں کسی پر عاشق ہے تو خدا کی قسم ان میں سے کوئی تجھ سے زیادہ حسین نہیں۔ وہ سب تیرے قدموں کی خاک کے برابر ہیں، اور تیری لونٹیاں۔ یہ بات نہیں تو پھر کیا ہے بتا۔ جوان نے کہا چچا! یہ جگہ باتیں کرنے کی نہیں۔ میری داستان عجیب و غریب ہے۔ درزی بولا اگر یہ بات ہے تو تنہائی میں چل۔ یہ کہہ کر درزی اسے دکان کے پیچھے ایک کمرے میں لے گیا اور اس نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ درزی ششدر ہو کر کہنے لگا اے جوان! خدا سے ڈر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈال جس کا تو ذکر کرتا ہے وہ بڑی ظالم ہے اور مردوں سے نفرت کرتی ہے۔ اپنی زبان روکے رکھ ورنہ اس میں تیری جان چلی جائے گی۔ جوان رونے لگا اور درزی

کا دامن پکڑ کر کہا چچا! رحم کر ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا، میں اپنا اور اپنے باپ دادا کا وطن چھوڑ کر یہاں پردیس میں آیا ہوں اور اس کے لیے بے چین ہوں۔ درزی کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ بولا بیٹا۔ میرے پاس صرف ایک جان ہے جو میں تجھ پر قربان کر سکتا ہوں، تیری حالت دیکھ کر میرے دل پر چھریاں چلتی ہیں۔ اچھا کل میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکالوں گا جس سے تیری مراد بر آئے۔ جوان نے اسے دعا دی اور سرائے میں واپس جا کر جو کچھ کبڑے نے کہا تھا دربان سے بیان کیا۔ دربان بولا کہ اس نے تیرے ساتھ بڑی بھلائی کی۔

دوسرے دن صبح کو جوان نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور دینار کا ایک توڑا لے کر کبڑے کے پاس پہنچا اسے سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا چچا! اپنا وعدہ پورا کر۔ اس نے کہا جا کر تین موٹی تازی مرغیاں، ڈیڑھ چھٹانک قد، دو نفیس کوزے شراب کے ایک جام لے۔ انہیں ایک تھیلے میں رکھ کر فجر کی نماز کے بعد ایک کشتی میں بیٹھ جا اور ملحق سے کہہ کہ وہ تجھے بھرے کے نیچے لے چلے۔ اگر وہ کہے کہ میں ایک فرخ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو کہیو جیسی تیری مرضی۔ وہ وہاں تک پہنچ جائے تو اسے مال کا لالچ دیجیو تاکہ وہ منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اس جگہ پہلا باغ جو تجھے دکھائی دے گا وہ جیلہ کا باغ ہے۔ وہاں تجھے میری ہی طرح ایک کبڑا شخص دکھائی دے گا اس کے آگے اپنا دکھڑا رویو اور اس سے مدد مانگیو ممکن ہے کہ وہ تیرے حال پر ترس کھا کر تجھے اس کا دیدار دکھا دے، خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر میرے پاس نہیں اگر اس نے تیرے حال پر ترس نہ کھایا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ جوان بولا میں خدا سے دعا مانگتا ہوں جو وہ چاہے گا ہو گا سوائے اس کے کسی میں کوئی طاقت نہیں۔ جوان نے فوراً اپنے کمرے میں جا کر تمام چیزیں جو درزی نے بتائی تھیں تھیلے میں رکھیں اور صبح ہوتے ہی دجلے کے کنارے جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک ملحق پڑا سو رہا ہے، اسے جگا کر جوان نے دس دینار دیئے اور کہا مجھے بھرے کے نیچے پہنچا دے۔ وہ بولا اے میرے آقا! اس شرط پر کہ میں ایک فرخ سے آگے

نہیں بڑھوں گا اگر میں بالشت بھر بھی آگے بڑھا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔
جوان بولا جیسی تیری مرضی۔ غرض کہ ملاح اسے کشتی میں بٹھا کر چل دیا اور جوں
ہی وہ باغ کے قریب پہنچے۔ ملاح نے کہا بیٹا! اگر ہم یہاں سے آگے بڑھیں گے تو ہم
دونوں ہلاک ہو جائیں گے، جوان نے مزید دس دینار نکال کر اسے دیئے اور کہا، انہیں
اپنے اوپر خرچ کر۔ ملاح مارے شرم کے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے
کرتا ہوں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔



• نو سو چھپن ویں رات

نو سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ملح شرم کے مارے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور آگے بڑھا۔ باغ کے قریب پہنچ کر جوان مارے خوشی کے کشتی پر سے کود پڑا اور ملح اسے چھوڑ کر بھاگ۔ جوان نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ باغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، دروازے پر ایک ہاتھی دانت کا تخت بچھا ہوا ہے اس پر ایک خوب صورت کبڑا سنہرے کپڑے پہنے بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک گرز ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ جوان دوڑا اور اس کا ہاتھ لے کر چومنے لگا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے اس جگہ کس نے پہنچایا؟ ابراہیم نے کہا چچا! میں ایک نا سمجھ اور پردیسی لڑکا ہوں، یہ کہہ کر وہ رونے لگا، بوڑھے کا دل پسچ گیا اسے تخت پر بٹھا لیا اس کے آنسو پونچھے اور کہا غم نہ کر اگر تیرے اوپر قرضہ ہے تو خدا تیرا قرضہ ادا کر دے گا اور اگر تجھے کسی کا ڈر ہے تو خدا اسے دور کرے گا۔ جوان نے کہا چچا! نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ میرے اوپر کسی کا قرضہ، خدا کی مدد سے میرے پاس بہت کچھ ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا! پھر تجھ پر کیا مصیبت آئی کہ اپنی جان اور خوبصورتی کو خطرے میں ڈال کر یہاں مرنے آیا ہے؟ اس پر جوان نے اپنا سارا کچھا چٹھا کہہ سنایا۔

بوڑھے یہ سن کر اپنا سر نیچا کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا کبڑے درزی نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟ اس نے کہا ہاں! بوڑھا بولا وہ میرا بھائی ہے اور بڑا مبارک شخص ہے بیٹا! اگر تیری محبت میرے دل میں نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو تو میرا بھائی سرائے کا دربان اور اس کی بیوی سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ سن! اس باغ کا جواب ساری دنیا میں نہیں اس کا نام موتی باغ ہے، میری زندگی بھر اس میں سوائے والی اس کی

بٹی جیلہ کے اور میرے کوئی داخل نہیں ہوا ہے۔ ہر چالیسویں دن وہ بجرے میں بیٹھ کر یہاں آتی ہے اور اپنی کنیروں کے ساتھ اطلس کی پوشاک پہن کر وہ داخل ہوتی ہے جس کا دامن دس کنیریں سونے کے کانٹوں سے پکڑ کر اٹھاتی ہیں۔ میں نے اس کا جسم کا کوئی حصہ نہیں دیکھا۔ میری بس ایک جان ہے جو تیرے اوپر فدا کر سکتا ہوں۔

جوان نے اس کا ہاتھ چوما۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھہر میں تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا پھر وہ جوان کا ہاتھ پکڑ کر باغ کے اندر لے گیا، اسے دیکھ کر ابراہیم نے خیال کیا کہ بس جنت یہی ہے۔ اس کے بعد بوڑھا اسے باہ دری میں لے گیا اور کہا کہ جیلہ اسی میں آ کر ٹھہرتی ہے۔ جوان نے دیکھا کہ وہ بہترین تفریح کی جگہ ہے وہاں بے شمار سونے اور لاجورد کی تصویریں ہیں۔ باہ دری کے چار دروازے ہیں اور ان کے زینے پانچ پانچ پیڑھیوں کے ہیں، اس کے بیچ میں ایک حوض ہے جس میں اترنے کے لیے سونے کا زینہ ہے جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ حوض کے بیچ میں سونے کا فواہ ہے اور میں چھوٹی بڑی مورتیں ہیں، جن کے منہ سے پانی نکلتا ہے۔ جب پانی نکلتا ہے اور چٹیاں چھماتی ہیں تو سننے والے کو خیال ہوتا ہے کہ میں جنت میں ہوں۔ باہ دری کے چاروں طرف ایک نہر ہے جس کے ڈول چاندی کے ہیں اور پر زربفت چڑھا ہوا ہے۔ نہر کے بائیں طرف ایک جھروکا ہے جہاں سے ایک ہرا گنبد دکھائی دیتا ہے جس میں طرح طرح کے جنگلی جانور، ہرن اور خرگوش ہیں اس کے داہنی طرف ایک جھروکا ہے جس میں سے ایک میدان دکھائی دیتا ہے جہاں طرح طرح کی چٹیاں ہے جو اپنی اپنی بولیاں بولتی ہیں۔

جوان اس باغ کو دیکھ کر خوش ہو گیا، باغ کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ باغبان اس کے پیو میں ہو بیٹھا اور کہنے لگا میرا باغ تجھے کیسا پسند ہے؟ اس نے کہا یہ دنیا کی جنت ہے۔ باغبان ہنسنے لگا اور جا کر ایک سنی لے آیا جس میں مرغیاں، بئیریں، دوسرے عمدہ عمدہ کھانے اور شکر کی مٹھائیاں تھیں۔ انہیں جوان کے آگے رکھ کر کہا، پیٹ بھر کا کھا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور وہ مجھے دیکھ کر خوش

ہوا اور کہنے لگا واللہ امیروں اور امیر زادوں کی یہی شان ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا اے ابراہیم! اس تھیلے میں کیا ہے؟ میں نے تھیلے کو اس کے سامنے انڈیل دیا اس نے کہا جب جیلہ کے پاس جائیو تو اسے لیتا جائیو کیونکہ جب وہ آئے تو میں تجھے کوئی کھانے کی چیز نہ پہنچا سکوں گا اس کے بعد وہ اٹھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جگہ لے گیا جو اس خوبصورت باہ دری کے سامنے تھی اور وہاں درختوں کے بیچ میں ایک مچان بنا کر مجھ سے کہا اس پر چڑھ کر بیٹھ جا۔ جب وہ آئے گی تو تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھے دیکھ نہ سکے گی۔ یہ بڑی سے بڑی تدبیر ہے۔ جو میں کر سکتا ہوں باقی بھروسہ خدا پر ہے۔ جب وہ گائے تو اس کے گیت کا مزہ لیجیو اور جب وہ چلی جائے تو تو بھی چلتا بیو۔ جوان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ چومے لیکن اس نے روک دیا۔ اس کے بعد جوان نے اپنا تھیلا مچان کے اوپر رکھ دیا۔ باغبان نے کہا ابراہیم! باغ کی خوب سیر کر اور پھل کھا کیونکہ تیری دوست کے آنے کا دن کل ہے جب سویرا ہوا اور دن نکلا ابراہیم نے فجر کی نماز پڑھی، اتنے میں باغبان آیا اس کا چہرہ فق تھا۔ کہنے لگا بیٹا! مچان پر چڑھ جا کنیزیں باہ دری میں فرش بچھانے آگئی ہیں اور وہ بھی عنقریب آتی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو ستاون ویں رات

نو سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- باغبان نے کہا کہ عنقریب وہ بھی آتی ہو گی۔ خبردار! نہ تھوکیو نہ چھینکو اور نہ ناک صاف کیجیو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔ جوان مچان پر چڑھ بیٹھا اور باغبان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ بیٹا! خدا تجھے سلامت رکھے۔ جوان بیٹھا ہوا تھا کہ پانچ کنیزیں آئیں باہ دری کے اندر جا کر انہوں نے کپڑے اتارے باہ دری کو دھویا، گلاب چھڑکا، عود اور عنبر سلگایا، زربفت کا فرش بچھایا اور اس کے بعد پچاس کنیزیں باجے لیے آئیں اور ان کے درمیان ایک سرخ زربفت کے شامیانے کے نیچے خود جمیلہ تھی۔ کنیزیں سونے کے کانٹوں سے شامیانے کے پردے اٹھائے ہوئے تھیں۔ جمیلہ باہ دری کے اندر چلی گئی جوان اس کی جھلک بھی نہ دیکھ سکا اپنے دل میں کہنے لگا واللہ میری ساری محنت اکارت گئی خیر میں بھی ڈٹا رہوں گا۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے، کھانے پینے کے بعد کنیزوں نے اس کے لیے کرسی بچھائی وہ بیٹھ گئی اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کیا۔ اتنے میں بڑھیا ماما تالیاں بجاتی اور ناچتی باہر نکل آئی۔ کنیزوں نے اسے پکڑ پھر اندر کھینچ لیا۔ اب پردہ اٹھا اور جمیلہ ہنستی ہوئی نکلی۔ ابراہیم نے دیکھا کہ وہ لباس اور زیوروں سے لدی ہوئی ہے اس کے سر پر ایک تاج ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں، گلے میں موتیوں کا ہار اور کمرے سے زبرد کے ٹکڑوں کی پٹی بندھی ہوئی ہے جس کی جھالر میں یا قوت اور موتی پروئے ہوئے ہیں۔ کنیزوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی وہ برابر مسکراتی رہی۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ اسے دیکھتے ہی مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اس کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش و حواس جاتے رہے اور میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رو رہا تھا اور میں نے بڑھیا کو کنیزوں سے کہتے سنا کہ تم میں سے

دس اٹھ کر گائیں بجائیں۔ انہیں دیکھ کر ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا کاش جمیلہ اٹھ کر ناچتی۔ جب دسوں کنیریں ناچ چکیں تو انہوں نے کہا اے ہماری آقا! اب ہماری خواہش ہے کہ تو بھی ناچ تاکہ ہمارا سرور مکمل ہو جائے۔ آج بے حد پیارا دن ہے۔ ابراہیم بن خصیب اپنے دل میں کہنے لگا بے شک آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ خدا نے میری دعا سن لی۔ اتنے میں جمیلہ نے اپنے کپڑے اتار ڈالے، محض ایک قتیض میں وہ گئی جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور جس میں ہیرے جواہرات پروئے ہوئے تھے۔ اس کا سینہ انار کی طرح ابھرا ہوا تھا جب اس نے اپنا چہرہ کھولا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا چودھویں رات کا چاند نکل آیا وہ ایسے عجیب و غریب انداز سے ناچی کہ انسان جام بلبلوں کے رقص کو بھول جائے اور اسے سر پر سے پگڑیوں کا جھکنا یاد آئے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ اپنی کنیروں سے کہنے لگی، تم گاتی رہو میں ابھی آتی ہوں اور وہ ڈیڑھ بالشت کی چھری لے کر میری طرف بڑھی۔ جونہی وہ میرے پاس پہنچی میرے ہوش جاتے رہے لیکن مجھے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے چھری گر پڑی اور اس کی زبان سے نکلا پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے! اس کے بعد بولی اے جوان! ڈر نہیں تجھے امان ہے۔ یہ سن کر میرے آنسو بہنے لگے اور وہ انہیں ہاتھ سے پونچھنے لگی۔

پھر اس نے کہا اے جوان! تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کا دامن پکڑ لیا۔ وہ بولی گھبرا نہیں، سوائے تیرے کسی مرد کے دیدار سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوسکیں۔ بتا تو ہے کون؟ ابراہیم نے اپنی ساری روداد بیان کی۔ لڑکی کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگی اے میرے آقا! خدا کی قسم بتا کیا تو ہی ابراہیم بن خصیب ہے؟ میں نے کہا ہاں! وہ چمٹ گئی یہ کہتے ہوئے اے میرے آقا! تو ہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میں نے مردوں کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے

سنا تھا کہ مصر میں ایک لڑکا ہے جس سے زیادہ خوبصورت دنیا بھر میں نہ ہو گا اور میں تجھ پر نادیدہ دل و جان سے عاشق ہو گئی۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا مکھڑا مجھے دکھایا۔ واللہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں باغبان، درزی سرائے کے دیبان اور اس کی بیوی کی گردنیں اڑا دیتی۔ اچھا اب بتا کہ بغیر کنیزوں کو خبر کئے تیرے لیے کھانا کیسے منگواؤں؟ میں نے جواب دیا میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہیں جنہیں ہم کھا پی سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے تھیلا الٹ دیا وہ ایک مرغی لے کر مجھے نوالے دینے لگی اور میں اسے نوالے دینے لگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر میں نے شراب نکالی اور ہم دونوں نے پی۔ صبح سے ظہر تک کنیزیں گاتی رہیں اور وہ میرے پاس بیٹھی رہی۔ بعد ازاں وہ اٹھی اور مجھ سے کہا فوراً اپنے لیے ایک کشتی منگا اور فلاں جگہ میرا انتظار کر۔ اب میں تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا اے میری آقا! میرے پاس اپنی کشتی ہے اس کے ملاح میرے مزدور ہیں اور وہ میرے منتظر ہوں گے۔ اس نے کہا بس پھر اور کیا چاہیے! یہ کہہ کر وہ اپنی کنیزوں کے پاس گئی۔

• نو سو اٹھاون ویں رات

نو سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جمیلہ نے اپنی کنیزوں کے پاس جا کر کہا چلو محل میں چلیں۔ وہ بولیں، ابھی سے؟ ہم تو یہاں تین تین دن ٹھہرا کرتے تھے۔ اس نے کہا میری طبیعت بھاری معلوم ہوتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بیمار پڑ جاؤں۔ انہوں نے اپنے کپڑوں پہن لیے اور کنارے پر جا کر بجرے میں بیٹھ گئیں۔ اب باغبان ابراہیم کے پاس گیا، اسے کیا معلوم تھا کہ کیا ماجرا پیش آیا ہے کہنے لگا اے ابراہیم! کیا تجھے اس کا دیدار نصیب نہیں ہوا وہ تو یہاں تین دن اور ٹھہرے گی، کہیں اس نے تجھے دیکھ تو نہیں لیا؟ ابراہیم بولا اس نے مجھے دیکھا نہ میں نے اس سے بلکہ وہ تو باہر دری سے نکلی بھی نہیں۔ باغبان بولا بیٹا! تو سچ کہتا ہے ورنہ ہم دونوں مارے جاتے۔ اچھا میرے ساتھ ٹھہرا رہ، وہ دوسرے ہفتے پھر آئے گی اور تو اسے خوب جی بھر کر دیکھ لیجیو۔ ابراہیم بولا میرے پاس گھر میں مال ہے اور مجھے اس کا ڈر لگا ہوا ہے، دوسرے میں اپنے لوگوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں کھو گیا۔ اس نے کہا بیٹا! تیری جدائی مجھ پر شاق گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے گلے لگایا اور رخصت کیا۔ ابراہیم نے سرائے جا کر دربان سے اپنا سارا مال لیا، دربان بولا خیریت تو ہے؟ ابراہیم نے کہا میرا مطلب پورا نہ ہوا اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ دربان رونے لگا اسے رخصت کیا اور اس کا سامان خود لے کر کشتی میں رکھا۔

کشتی میں بیٹھ کر ابراہیم اس جگہ پہنچا جہاں جمیلہ نے کہا تھا کہ میرا انتظار کیجیو۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ اس بھیس میں آئی کہ لباس جنگی سپاہی کا تھا، داڑھی گول اور کمرے سے پٹی بندھی ہوئی تھی، ایک ہاتھ میں تیر کمان اور دوسرے میں ننگی تلوار۔ آتے ہی اس نے کہا کیا تو ہی مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہے؟ ابراہیم بولا ہاں! میں

ہی ہوں۔ اس نے کہا تیری کیوں شامت آئی ہے کہ امیر زادوں کو بگاڑنے آیا ہے؟ چل والی تجھے بلاتا ہے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں غش کھا کر گر پڑا اور ملاح مارے ڈر کے مرنے کے قریب ہو گئے۔ میری یہ حالت دیکھ کر اس نے داڑھی اتار، تلوار پھینک دی، پیٹی کھول ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ وہ جمیلہ ہے اور کہنے لگی خدا کی قسم تو نے میرا دل پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد میں نے ملاحوں سے کہا جلدی سے چل کھڑے ہو۔ انہوں بادبان کھولے اور تیز تیز روانہ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہم بغداد پہنچ گئے دیکھا کہ کنارے پر ایک کشتی کھڑی ہے اس کے ملاح ہمارے ملاحوں کو دیکھ کر کہنے لگے مبارک ہو کہ تم صحیح سلامت لوٹ آئے۔ ملاح وہ کشتی بڑھا کر ہماری کشتی کے پاس لے آئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس میں ابوالقاسم صندلانی بیٹھا ہوا ہے۔ ہمیں دیکھ کر اس نے کہا بس یہی میرا مقصد تھا۔ جاؤ خدا کو سونپا۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا شکر ہے خدا کا تو صحیح سلامت آ گیا۔ کیا تیرا مقصد پورا ہو گیا؟ میں نے کہا ہاں! اس نے وہ شمع جو اس کے پاس تھی ہمارے آگے کی اسے دیکھتے ہی جمیلہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ صندلانی نے اسے دیکھ کر کہا جاؤ خدا کو سونپا، میں والی کے ایک کام سے بھرے جا رہا ہوں لو یہ میری طرف سے ہدیہ۔ اور اس نے ایک پٹاری حلوے کی نکالی اور ہماری کشتی میں پھینک دی۔ اس حلوے میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے کہا اے میری آنکھ کے تارے! کھا۔ وہ رونے لگی اس نے کہا اے ابراہیم! تو جانتا ہے کہ یہ کون ہے؟ وہ بولا ہاں، یہ فلاں شخص ہے۔ لڑکی نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے، ایک بار اس نے میرے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا تھا میں نے قبول نہیں کیا۔ اب وہ بھرے جا رہا ہے ضرور میرے باپ کو خبر کرے گا۔ میں نے کہا اے میرے آقا! اس کے بھرے پہنچنے سے پہلے ہم موصل پہنچ چکے ہوں گے لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ غیب میں ان کے لیے کیا پوشیدہ ہے۔ میں نے حلوہ کھایا ابھی وہ پیٹ میں بھی نہ اترا ہو گا کہ میرا سر جا کر زمین سے جا

نکرایا۔ صبح ہوئی تو مجھے چھینک آئی اور بھنگ میری ناک سے نکل پڑی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ میں ننگا ایک کھنڈر میں پڑا ہوں، اپنا منہ پیٹنے لگا اور دل میں کہا کہ یہ صندوقی کا فریبہ ہے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جاؤں، سوائے پاجامے کے میرے بدن ایک دھجی نہ تھی۔ میں اٹھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ والی میری طرف چلا آ رہا ہے اس کے ساتھ اور لوگ ہیں۔ تلواریں اور ڈھالیں لیے ہوئے۔ ایک حمام کا کھنڈر دیکھ میں وہاں چھپ گیا۔ اتنے میں میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا میں نے اسے ٹٹولا تو میرے ہاتھ خون میں لٹھر گئے۔ میں نہیں پاجامے سے پونچھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک مقتول پر جا پڑا اس کا سر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے پھینک دیا لاجول..... پڑھنے لگا اور حمام کے ایک کونے میں جا کر چھپ رہا۔ اس اثناء میں والی حمام کے دروازے پر آ کر ٹھہر گیا اور کہنے لگا اس کے اندر جا کر تلاش کرو اور دس آدمی مشعلیں لے کر اندر آئے۔ ڈر کے مارے میں ایک دیوار کے پیچھے جا چھپا دیکھا کہ مقتول ایک لڑکی ہے۔ چودھویں رات کی طرح خوب صورت اس کا سر ایک طرف پڑا ہے اور دھڑ دوسری طرف۔ وہ قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ اسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا والی نے اندر آ کر کہا ہر کونے میں ڈھونڈو۔ اب وہ اس جگہ آ گئے جہاں میں تھا اور ایک شخص کی نظر مجھ پر پڑ گئی اس کے ہاتھ میں ڈیڑھ باشت کا ایک خنجر تھا۔ جب وہ میرے پاس پہنچا تو کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس نے اس خوبصورت مکھڑے کو پیدا کیا۔ اے لڑکے! تو کہاں سے آیا ہے؟ اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اے لڑکے! تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے نہیں قتل کیا ہے۔ مجھے تو اس کے قاتل کی خبر تک نہیں۔ میں تو یہاں تمہارے ڈر کے مارے آ چھپا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اسے سارا قصہ سنا دیا اور کہا خدا کے لیے میرے اوپر ظلم نہ کر، میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے لے جا کر والی کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں پر خون کے نشان ہیں تو کہنے لگا اس کے لیے

اب کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں اس کی گردن اڑا دو۔

○ ○ ○

• نو سو انسٹھ ویں رات

نو سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- والی کہنے لگا اس کی گردن اڑا دو۔ یہ سن کر میں رونے لگا، میرے آنسو بہنے لگے اور ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ میری یہ حالت جو دیکھی تو جلاد کا دل پیچ گیا اس نے کہا خدا کی قسم یہ قاتل کا چہرہ نہیں ہے۔ والی بولا اڑا دو اس کی گردن۔ مجھے قتل کی چٹائی پر بٹھایا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی، جلاد نے تلوار لے کر والی سے اجازت مانگی اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے میں ہائے پردیس چلانے لگا اتنے میں چند سوار آ پہنچے اور ان میں سے ایک کہنے لگا اسے جانے، اے جلاد! اپنا ہاتھ روک لے۔ اپنا ہاتھ روک لے۔ اس کا ایک عجیب و غریب سبب تھا وہ یہ کہ مصر کے عامل خصیب نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنے حاجب کو بھیجا تھا اس کے ساتھ تحفے تحائف کر کے لکھا تھا کہ میرا بیٹا ایک سال سے غائب ہے میں نے سنا ہے وہ بغداد میں ہے اس لیے میں خلیفہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مہربانی فرما کر اسے تلاش کرے اور حاجب کے ساتھ میرے پاس بھیج دے۔ خط پڑھ کر خلیفہ نے والی سے کہا اسے تلاش کر۔ والی اور خلیفہ اس کی تلاش میں تھے کہ انہیں خبر ملی وہ بصرے میں ہے اور خلیفہ نے ایک خط لکھ کر مصری حاجب کے ہاتھ بصرے روانہ کیا۔ حاجب کو اپنے آقا کے بیٹے کا اتنا خیال تھا کہ وہ فوراً چل کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ وہ والی کے پاس مقتولوں کی چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ حاجب کو دیکھتے ہی والی گھوڑے سے اتر پڑا حاجب نے پوچھا یہ کون لڑکا ہے؟ حاجب کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ وہ عامل کا بیٹا ہے اس نے کہا کہ یہ تو قاتل کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا اور حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔ جب لڑکا حاجب کے سامنے آیا تو وہ پہچان نہ سکا، مصیبت نے اس کی خوبصورتی بدل دی۔ حاجب نے کہا اے لڑکے! اپنا حال بیان کر اور یہ مقتول لڑکی تیرے قریب کیسی

ہے؟ لیکن ابراہیم حاجب کو دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا بھلے مانس! تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ کیا میں تیرے آقا کا بیٹا ابراہیم نہیں ہوں؟ غالباً تو میرے ہی کھوج میں آیا ہے۔ حاجب نے اسے غور سے دیکھ کر پہچان لیا اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔ والی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور حاجب اس سے کہنے لگا ظالم، ستیاناس ہو تیرا، کیا تو مصر کے عامل میرے آقا خصیب کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ والی نے حاجب کا دامن چوم کر کہا اے میرے مولا! میں اسے کیونکر پہچان سکتا جبکہ وہ اس حالت میں تھا اور لڑکی قتل کی ہوئی اس کے پاس پڑی تھی۔ حاجب بولا ستیاناس ہو تیرا! اس لڑکے کی عمر پندرہ برس کی ہے اور ابھی تک اس نے ایک چڑیا کو بھی نہیں مارا پھر وہ انسانوں کو کیونکر قتل کر سکتا ہے؟ تو نے اس سے سارا ماجرا پوچھا بھی یا نہیں؟ والی اور حاجب دونوں نے سپاہیوں سے کہا قاتل کو ڈھونڈو اور وہ دوبارہ حمام کے اندر گئے، قاتل ان کی نظر پڑ گیا وہ اسے پکڑ کر والی کے پاس آئے۔ والی اسے خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ لڑکی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے اور کہا خصیب کے بیٹے کو حاضر کرو۔

ابراہیم خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو وہ مسکرایا اور کہنے لگا اپنا قصہ بیان کر۔ ابراہیم نے شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ خلیفہ کو بڑا افسوس ہوا اور اس نے سرور کو بلا کر کہا فوراً ابوالقاسم صندلانی کے گھر پر دھاوا بول دے۔ اسے اور لڑکی کو لے آ۔ سرور نے جا کر دیکھا کہ لڑکی اپنے بالوں میں بندھی پڑی ہے اسے کھول کر صندلانی کے ساتھ خلیفہ کے پاس لے آیا۔ رشید لڑکا کا حسن دیکھ کر دنگ ہو گیا اور حکم دیا کہ صندلانی کے دونوں ہاتھ کٹ ڈالو جن سے اس نے اس لڑکی کو مارا ہے اور پھر اسے سولی پر چڑھا دو اس کی تمام نقدی اور جائیداد ابراہیم کو دے دو۔ اتنے میں جمیلہ کا باپ ابواللیث جو بصرے کا عامل تھا آ پہنچا تا کہ وہ خلیفہ سے خصیب کے بیٹے کی شکایت کرے کہ اس کی بیٹی کو بھگا لے گیا ہے۔ رشید بولا اسی کی وجہ سے تو وہ تکلیف

اور قتل سے بچ گئی۔ پھر اس نے ابراہیم کو بلوایا اور ابواللیث سے کہا کیا تو راضی ہے کہ یہ لڑکا جو مصر کے عامل کا بیٹا ہے تیری بیٹی کا شوہر بن جائے؟ اس نے جواب دیا خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر دونوں کا نکاح کرا دیا اور ابراہیم بن خسیب کو صندلانی کا سارا مال دے کر اس کے وطن بھجوا دیا۔ دونوں بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔

○ معتضد باللہ اور ابوالحسن خراسانی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- معتضد باللہ بڑا عالی ہمت اور شریف النفس انسان تھا، محض بغداد میں اس کے چھ سو وزیر تھے اور لوگوں کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایک روز وہ اور ابن حمدون رعایا کی سیر کرنے نکلے تاکہ دیکھیں کہ کیا نئی باتیں پیش آتی ہیں لیکن گرم اتنی تیز پڑ رہی تھی کہ وہ سڑک کو چھوڑ کر ایک گلی میں پھر گئے، انہوں نے دیکھا کہ گلی کے صدر میں خوبصورت اور بلند ایک حویلی ہے جس سے حویلی کے مالک کی تعریف ٹپکتی ہے۔ دونوں دروازوں پر سستانے کی غرض سے ٹھہر گئے اتنے میں اندر سے دو نوکر نکلے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے ایک دوسرے سے کہنے لگا کاش ایک اور مہمان آ گیا ہوتا کیونکہ ہمارا آقا بغیر دو مہمانوں کے کھانا نہیں کھاتا اور اس وقت تک مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر خلیفہ کو تعجب ہوا وہ کہنے لگا ثابت ہوتا ہے کہ مکان والا بڑا سخی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اندر چل کر اس کی مروت کا تجربہ کریں، ممکن ہے کہ اس وجہ سے وہ ہمارے انعام کا مستحق ہو جائے۔ اب اس نے غلام سے کہا اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ چند پردیسی اندر آنا چاہتے ہیں۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ جب وہ اپنی رعیت کی سیر کرنے جاتا تو تاجروں کا بھیس بدل لیتا۔ نوکر نے اندر جا کر خبر دی اس کا آقا خوش ہو کر خود باہر نکل آیا تھا دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ نیشاپوری قبیض پہنے ہوئے اس کی قباء سنہری ہے، وہ عطر میں بسا ہوا ہے اور اس کی انگلی میں یاقوت کی ایک انگوٹھی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ بولا آقاؤں! خوش آمدید! تم نے قدم رنجہ فرما کر مجھ پر بڑا احسان کیا، مکان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اپنا گھر بھول گئے کیونکہ وہ جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• نو ساٹھ ویں رات

نو سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ اندر جا کر اپنے گھر بار کو بھول گیا کیونکہ وہاں ایک باغ تھا جس میں ہر قسم کے درخت تھے۔ اور تمام کمروں میں قیمتی فرش بچھے ہوئے۔ معتضد بیٹھ کر مکان اور فرش کو غور سے دیکھنے لگا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا خلیفہ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا خدا خیر کرے آج وہ ناراض معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں لوگ ایک سونے کا تخت لائے ہم نے ہاتھ دھوئے پھر انہوں نے ایک ریشمی چادر بچھا کر اس پر خیزران کا دسترخوان لگایا۔ جب رکلیوں پر سے سر پوش اٹھائے گئے تو کھانے اس طرح رکھے ہوئے تھے جیسے بہار کے پھول بہترین زمانے میں۔ اب مکان کے مالک نے کہا اے آقاؤ! بسم اللہ! بھوک میرے چنگیاں لے رہی ہے، مجھ پر مہربانی کر کے کھانا شروع کرو۔ جیسے بزرگ لوگ کیا کرتے ہیں۔ مکان کا مالک مرغیوں کے ٹکڑے کر کے ہمارے آگے سرکاتے ہوئے مذاق کرتا، اشعار پڑھتا، کہانیاں سناتا اور مجلس کی شان کے لائق لطیفے بیان کرتا جاتا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر ایک دوسرے کمرے میں گئے جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو گئی جہاں نفیس خوش بوئیں مہک رہی تھیں وہاں اس نے ہمارے آگے عمدہ عمدہ پھل اور مٹھائیاں رکھیں لیکن باوجود ان تمام باتوں کے خلیفہ کی تیوری برابر چڑھی رہی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ ہنسی مذاق کو بہت پسند کرتا ہے اور یہ بھی کہ اس میں نہ حسد کا مادہ ہے نہ ظلم کا۔ اس کے بعد چاندی اور بلور کے برتنوں میں شراب لائی گئی، مکان کے مالک نے خیزران کی چھڑی ایک کمرے کے دروازے پر ماری، دروازہ کھلا اس میں سے تین باکرہ اور ابھرے ہوئے سینے والی لڑکیاں نکلیں، ان کا چہرہ ایسا تھا جیسے چوتھے پہر کا سورج۔ ایک ستار بجانے والی دوسری باب بجانے والی اور تیسری

ناچنے والی۔

ابن حمدون کا بیان ہے کہ اس نے ہمارے اور تینوں لڑکیوں کے بیچ میں ایک زربفت کا پردہ ڈال دیا جس کی جھالر ریشم کی تھی اور حلقے سونے کے۔ خلیفہ ان میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوا اور نہ مکان والے کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا مہمان کون ہے۔ بالاخر خلیفہ نے اس سے پوچھا کیا تو امراء میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں سوداگر ہوں، لوگ مجھے ابو الحسن علی بن احمد خراسانی کہتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا اور تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ بولا خدا کی قسم میں تم دونوں بزرگوں میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ ابن حمدون نے کہا یہ امیر المومنین معتضد باللہ متوکل علی اللہ کا پوتا ہے۔ اتنا سنتے ہی وہ شخص اٹھا، خلیفہ کے آگے زمین چومی، مارے ڈر کے کانپنے لگا اور کہا امیر المومنین! تجھے میں تیرے پاک بزرگ کا واسطہ دیتا ہوں اگر مجھ سے کوئی تقصیر یا بے ادبی سرزد ہوئی ہو تو معاف کیجیو۔ خلیفہ نے کہا جو بھلائی تو نے ہمارے ساتھ کی ہے اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی لیکن جو بات مجھے ناپسند ہے اس کے متعلق اگر تو نے سچ سچ کہا دیا اور میری سمجھ میں آ گیا تو تیری خیریت ہے اور اگر تو نے ٹھیک بات نہ کہی تو میں ظاہری حالت پر فیصلہ کر کے اتنی سخت سزا دوں گا کہ کسی کو بھی نہ دی ہو گی۔ اس نے کہا خدا نہ کرے کہ میں تجھ سے جھوٹ بولوں لیکن اے امیر المومنین! بتا تو سہی کہ میری کونسی بات تجھے ناپسند ہے؟ خلیفہ بولا جب سے میں تیرے ہاں آیا ہوں میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہر برتن، فرش اور زیب و زینت کی تمام چیزوں یہاں تک کہ تیرے کپڑوں پر بھی میرے دادا متوکل علی اللہ کا نام ہے۔ اس نے کہا درست ہے اے امیر المومنین! خدا تیری مدد کرے! سچائی تیرا لباس ہے، صدق تیری چادر اور کسی کی یہ ہمت نہیں کہ تیرے آگے سچ کے علاوہ کچھ کہہ سکے۔ خلیفہ نے کہا بیٹھ جا جب وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ بولا ب کہہ۔

اس نے کہا امیر المومنین! سن بغداد میں نہ مجھ سے زیادہ مال دار کوئی شخص تھا نہ میرے

باپ سے۔ اب اس کا سبب سن جس کی وجہ سے تو مجھ سے ناراض ہے۔ میرے باپ کا کاروبار صراف، عطار اور بزاز بازاروں میں تھا، ان تمام جگہوں میں اس کی دکانیں تھیں جہاں اس کے وکیل اور سامان رہا کرتا۔ صراف بازار والی دکان کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں وہ لوگوں سے تنہائی میں ملا کرتا اور دکان خرید و فروخت کے لیے تھی۔ اس کے مال و دولت کی نہ حد تھی نہ شمار اور میں اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ مجھے بہت چاہتا، جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ ماں کی خبر گیری رکھو اور خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ! خدا امیر المومنین کو قائم رکھے۔ اب میں کھانے پینے اور مزے اڑانے لگا، یار دوستوں کی صحبتوں میں پڑ گیا۔ ماں مجھے برابر منع کرتی رہی لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی یہاں تک کہ سارا مال ختم ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک ایک کر کے جائیدادیں بیچنی شروع کر دیں اور سوائے اس گھر کے جس میں میں رہتا تھا کچھ باقی نہ رہا۔ اے امیر المومنین! وہ بڑا خوبصورت مکان تھا، میں نے اپنی ماں سے کہا اسے میں بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! اگر تو اسے بھی بیچ ڈالے گا تو لوگوں میں بدنامی ہو گی اور تیرے رہنے کے لیے کوئی گھر باقی نہ رہے گا۔ میں نے کہا وہ پانچ ہزار دینار میں بکے گا میں ایک دوسرا مکان ایک ہزار دینار میں خرید کر باقی سے تجارت کروں گا۔ ماں نے ایک صندوق کھول کر اس میں سے ایک چینی کا پیالہ نکالا جس میں پانچ ہزار دینار تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے۔ ماں نے کہا بیٹا! یہ گمان نہ کیجیو کہ یہ مال تیرے باپ کا ہے۔ خدا کی قسم بیٹا! یہ میرے باپ کا مال ہے اور میں نے اسے اس لیے اٹھا رکھا تھا کہ برے وقت کام آئے۔ جب تک تیرا باپ زندہ تھا مجھے اس مال کی ضرورت نہیں پڑی اس وقت میں مال دار تھی۔ اے امیر المومنین! میں نے دام اس سے لے لیے اور پہلے کی طرح گلچھرے اڑانے لگا وہ پانچ ہزار دینار بھی خرچ ہو گئے۔ میں نے دوبارہ ماں سے کہا کہ میں اس گھر

کو بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! میں نے منع کیا تھا کہ نہ بیچ کیونکہ میں جانتی تھی کہ اس کی تجھے ضرورت ہے۔ اب تو دوبارہ اسے کیسے بیچ سکتا ہے؟ میں نے کہا زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں اسے بیچ کر رہوں گا۔ اس نے کہا کہ میں پندرہ ہزار دینار میں خریدتی ہوں بہ شرطے کہ میں خود تیرا انتظام کروں۔ میں نے اس شرط پر اس کے ہاتھ مکان بیچ دیا۔ اس نے باپ کے وکیلوں کو بلا کر ہر ایک کو ایک ایک ہزار دینار دیئے، سارا مال اپنے قبضے میں رکھا، خود لین دین کرنے لگی اور مجھے کچھ دام دے کر کہا اس سے تجارت کر اور اپنے باپ کی دکان پر جا کر بیٹھ۔ امیر المومنین! جیسا میری ماں نے کہا تھا میں نے کیا، اور صراف بازار میں جا کر دکان کھول دی، خوب کمائی ہونے لگی۔

میری یہ حالت دیکھ کر ماں نے تمام ہیرے، جواہرات، موتی اور سونا دکھا دیا جو اس نے جمع کر رکھا تھا۔ اب میری تمام جائیدادیں واپس آ گئیں۔ جو میں نے اڑا دی تھیں اور میں پہلے کی طرح مال دار ہو گیا۔ امیر المومنین! ایک دن جب کہ میں دکان پر بیٹھا تھا ایک لڑکی ائی جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہو گی اور کہنے لگی ابو الحسن علی بن احمد خراسانی کی دکان یہی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا میں ہوں۔ لیکن اے امیر المومنین! اس کا حسن دیکھ کر میری عقل دنگ تھی، وہ بیٹھ گئی اور مجھ سے کہا اپنے غلام سے کہ مجھے تین سو دینار تول دے۔ میں نے تول دیئے وہ انہیں لے کر چل دی اور میں ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔ غلام نے مجھ سے پوچھا تو اسے پہچانتا ہے؟ میں بولا نہیں۔ اس نے کہا پھر تو نے مجھ سے کیوں کہا کہ اسے تول دے؟ میں نے جواب دیا اس کے حسن و جمال سے میں اتنا بدحواس ہو گیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں نے کیا کیا۔ بغیر مجھ سے کچھ کہے۔ غلام اس کے پیچھے ہو لیا، تھوڑی دیر کے بعد لوٹا تو اس کے آنسو نکل رہے تھے اور منہ پر تھپڑ کا نشان تھا۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے؟ اس نے کہا میں لڑکی کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ دیکھوں وہ کہاں جاتی ہے لیکن جوں ہی اسے یہ معلوم ہوا اس نے پھر کر اس زور سے میرے طمانچہ مارا کہ قریب تھا میری آنکھ نکل پڑے۔ اے

امیر المومنین! اس کے بعد ایک مہینے تک میں اس کی راہ دیکھتا رہا، وہ نہ دکھائی دی۔
چاند رات کے دن وہ پھر آئی اور سلام کیا، مارے خوشی کے میں باغ باغ ہو گیا۔ اس
نے میری خیریت پوچھی کہنے لگی شاید تو نے اپنے دل میں کہا ہو گا کہ یہ کون دغا باز
عورت تھی جو میرے دام لے کر چلتی بنی۔ میں نے جواب دیا اے میری آقا! میرا
مال اور میری جان دونوں تیرے ہیں۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور سستانے
کی غرض سے بیٹھ گئی اس کا لباس اور گہنا اس کے چہرے اور سینے پر کھلنے لگا اس نے
کہا میرے لیے تین سو دینار اور تول دے، مجھے ضرورت ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس
سے پوچھوں آخر کس بات پر میں تجھے دام دوں لیکن اس کی محبت کی وجہ سے میری
زبان بند ہو گئی۔ میں نے چپکے سے پانچ سو دینار تول کر اسے دے دیئے اور وہ لے
کر چل دی۔ اب میں خود اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا میں نے دیکھا کہ جوہری بازار پہنچ
کر اس نے ایک شخص سے ایک ہار خریدا اور پلٹ کر مجھ سے کہا پانچ سو دینار مجھے
تول دے جب ہار والے کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے اٹھ کر میری تعظیم کی اور
میں نے اس سے کہا اسے ہار دے دے، دام میں دوں گا۔ اس نے ہار دے دیا اور
لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

• نو سو اکٹھ ویں رات

نو سو اکٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔ ابو الحسن خراسانی کہتا ہے کہ میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا دیکھا کہ وہ دجلے پہنچ کر ایک کشتی پر جا بیٹھی۔ میں نے زمین کی طرف اشارہ کیا گویا میں اس کے آگے زمین چومتا ہوں لیکن وہ ہنستی ہوئی چل دی۔ میں اسے برابر دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک محل میں داخل ہو گئی، غور سے دیکھنے پر مجھے یہ پتہ چلا کہ وہ خلیفہ متوکل کا محل ہے۔ اے امیر المومنین! اب میں وہاں سے لوٹا اور اپنے دل میں کہنے لگا وہ میرا مال بھی لے گئی اور عقل بھی اور اب میری جان بھی اس کی محبت میں چلی جائے گی۔ گھر جا کر میں نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا بیٹا! خبردار! اب اس سے کوئی واسطہ نہ رکھو ورنہ تو تباہ ہو جائے گا۔ جب میں دکان پر پہنچا تو میرا عطار بازار والا وکیل آیا جو بہت بوڑھا تھا اور کہنے لگا اے میرے آقا! تیری حالت متغیر کیوں ہے؟ میں نے سارا ماجرا بیان کیا وہ کہنے لگا بیٹا! یہ کنیز خلیفہ کی چیتی کنیز ہے اب تک وہ جو تیرا مال گیا اس کا دھیان دل دے نکال ڈال اور اگر وہ پھر آئے تو خبردار! اسے منہ نہ لگایو اور مجھے اس کی خبر کیجیو تاکہ میں کوئی تدبیر نکالوں جس سے تیری جان بچے۔ جب چاند رات ہوئی تو وہ پھر آئی میں اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا، اس نے پوچھا تو نے میرا پیچھا کیوں کیا تھا؟ میں نے کہا عشق کی زیادتی کی وجہ سے۔ یہ کہہ کر میں اس کے سامنے رونے لگا اس پر اسے اتنا ترس آیا کہ وہ بھی رو پڑی اور کہنے لگی جتنی محبت تیرے دل میں میری طرف سے ہے اس سے زیادہ میرے دل میں تیری طرف سے ہے۔ لیکن کیا کرنا چاہیے؟ میرے اختیار میں اس سے زیادہ نہیں تجھے مہینے میں ایک بار آ کر دیکھ جایا کروں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پرچہ مجھے دیا کہ اسے فلاں جگہ فلاں شخص کے پاس لے جا، وہ میرا وکیل ہے اور جو کچھ

اس میں لکھا ہے اس سے لے لے۔ میں بولا مجھے کسی مال کی حاجت نہیں بلکہ میرا جان و مال تجھ پر قربان ہے۔ اس نے کہا میں جلد کوئی نہ کوئی اس کی تدبیر نکالوں گی کہ تیری پہنچ مجھ تک ہو جائے خواہ اس میں مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

یہ کہہ کر وہ مجھ سے رخصت ہوئی۔ میں نے بوڑھے عطر فروش کو یہ قصہ بھی جا سنایا۔ وہ مجھے متوکل کے محل تک لے گیا میں نے دیکھا کہ یہ وہی محل جہاں لڑکی گئی تھیں۔ بوڑھا پریشان تھا کہ کیا تدبیر نکالے اتنے میں اس کی نظر ایک درزی پر پڑی جس کی دکان محل کے جھروکے کے سامنے تھی اور جس میں کئی شاگرد کام کر رہے تھے۔ بوڑھے نے کہا بس اسی سے تیرا مقصد پورا ہو گا لیکن اپنا گریبان پھاڑ ڈال اور جا کر اس سے کہہ کہ اس سے کہہ، سی دے۔ جب وہ سی دے تو اسے دس دینار دیجیو۔ میں درزی کے پاس دو رومی زربفت کے ٹکڑے لے گیا اور کہا ان کی چار صدیاں سی دے، دو لمبی اور دو چھوٹی آستینوں والی۔ جب اس نے صدیاں سی کر تیار کر دیں تو میں نے اس کی مزدوری سے کئی گنے زیادہ دام دیئے اور اس سے کہا یہ صدیاں اپنے لیے رہنے دے۔ اب میں اس کی دکان پر دیر تک بیٹھا رہنے لگا۔ اس کے بعد اس سے اور بہت سے کپڑے سلوائے اور کہا کہ انہیں دکان کے آگے لٹکا دے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر خریدیں۔ جو کوئی خلیفہ کے محل میں سے آتا اور کسی کپڑے کو پسند کرتا میں اسے بے دام دے دیتا یہاں تک کہ دربان کو بھی کئی کپڑے دے دیئے۔

ایک دن درزی کہنے لگا بیٹا! مہربانی کر کے یہ تو بتا کہ تیرا قصہ کیا ہے، تو نے سو کے قریب کپڑے مجھ سے سلوائے ہیں جن میں ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی ہے اور اکثر ان میں سے تو نے لوگوں کو مفت دے دیئے۔ یہ تاجروں کا کام نہیں وہ تو ایک ایک درہم گن کر رکھتے ہیں۔ تیری پونجی کتنی ہے کہ تو اس قدر بخششیں کرتا اور سال میں تیری کتنی آمدنی ہے؟ سچ سچ کہہ دے تاکہ میں تیری مطلب برآری میں کوشش کروں۔ اس کے بعد وہ بولا تجھے خدا کی قسم سچ بتا کسی پر عاشق تو نہیں؟ میں نے کہا

ہاں! اس نے پوچھا کس پر؟ میں نے کہا خلیفہ کے محل کی ایک کنیر پر۔ وہ بولا ستیاناس کرے خدا ان کا! کتنے لوگوں کو انہوں نے پریشان کر رکھا ہے تو اس کا نام جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اس کا حلیہ بیان کر۔ جب میں نے اس کا حلیہ بیان کیا تو وہ کہنے لگا ستیاناس ہو اس کا! وہ خلیفہ متوکل کی چیتی ستار بجانے والی کنیر ہے لیکن اس کا ایک غلام ہے، میں تیرے اور اس کے درمیان دوستی کرا دوں گا ممکن ہے اس کے ذریعے سے تیری رسائی ہو جائے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہی غلام آپنچا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ اس وقت میرے سامنے رنگ برنگ زربفت کے کپڑے تھے جو درزی نے میرے لیے سئے تھے، غلام انہیں غور سے دیکھنے لگا پھر آگے بڑھ کر میرے پاس آیا۔ میں نے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا تاجر۔ اس نے کہا کیا یہ کپڑے بیچتا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں! اس نے پانچ کپڑے پسند کر کے پوچھا ان پانچ کے کیا دام ہیں؟ میں نے کہا مفت نذر ہیں تا کہ تیرے اور میرے درمیان دوستی ہو جائے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گیا پھر میں گھر جا کر اس کے لیے ایک اور لباس لے آیا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے جس کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور اس کے پاس لے گیا، اور کہا تاجروں میں تو کس نام سے مشہور ہے؟ میں نے کہا ایک تاجر کے نام سے۔ اس نے کہا، تو نے مجھے شک میں ڈال رکھا ہے۔ میں نے کہا، یہ کیسے؟ وہ بولا، تو نے مجھے اتنی بیش بہا چیزیں دیں کہ میرے دل پر قبضہ کر لیا اور مجھے یقین ہے کہ تو ابو الحسن خراسانی صراف ہے۔ اے امیر المومنین! یہ سن کر میں رونے لگا۔ اس نے کہا کیوں روتا ہے؟ واللہ جس کی خاطر تو رو رہا ہے اس کے دل میں تیری طرف سے اتنی محبت ہے کہ تیرے دل میں بھی اس کی طرف سے نہ ہو گی اور محل کی کنیروں میں تم دونوں کا ماجرا پھیل گیا ہے۔ اس نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اور میں گھر چلا گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے میں اس کے کمرے میں گیا اس نے کہا کل جب وہ خلیفہ کی خدمت سے لوٹی تو میں نے اس سے تیرا سارا قصہ بیان کیا اور وہ تجھ سے

لانا چاہتی ہے۔ شام تک یہاں ٹھہرا رہ جب شام ہوئی تو غلام ایک قمیص لایا جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور خلیفہ کے پہننے کی ایک پوشاک۔ مجھے یہ دونوں چیزیں پہنا کر اس نے خوشبوؤں کی دھونی دی اور میں ہو بہ ہو خلیفہ کی طرح ہو گیا اس کے بعد وہ مجھے ایک جگہ لے گیا جہاں دو رویہ کمرے تھے اور کہنے لگا یہ خاص خاص کنیزوں کے کمرے ہیں جب تو یہاں سے گزرے تو ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھ دیجیو خلیفہ ہر رات ایسا ہی کرتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• نو سو باٹھ ویں رات

نو سو باٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- غلام نے کہا کہ پھلیاں رکھتے رکھتے تو کمروں کی ایک اور قطار پر پہنچے گا جو تیرے داہنی طرف ہو گی۔ وہاں تجھے ایک کمرہ ملے گا جس کا دروازہ مرمر کا ہو گا، اسے اپنے ہاتھ سے چھوؤ اور اندر داخل ہو جائیو وہیں تیری محبوبہ تجھے مل جائے گی۔ اب رہا وہاں سے باہر آنا تو خدا یہ بھی میرے لیے آسان کر دے گا خواہ تجھے صندوق ہی میں بند کر کے کیوں نہ لانا پڑے۔ یہ کہہ کر وہ تو چل دیا میں دروازے گنتے اور ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھنے لگا جب میں کمروں کے بیچ میں پہنچا تو مجھے شور و غل سنائی دیا اور شمعوں کی روشنی بڑھتے بڑھتے میرے پاس تک پہنچ گئی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ خلیفہ ہے اور اس کے ارد گرد شمعیں لیے ہوئے کینز ہیں۔ میں نے ایک کینز کو دوسری سے کہتے سنا بہن! کیا ہمارے دو خلیفہ ہیں؟ ایک خلیفہ تو ابھی میرے کمرے کے پاس سے گزرا تھا، مجھے عطر کی خوشبو آئی تھی اس نے میرے دروازے پر دستور کے موافق پھلی بھی رکھی اب مجھے پھر خلیفہ کی شمعوں کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری کینز نے کہا یہ عجیب و غریب بات ہے کیونکہ یہ کسی کی ہمت نہیں کہ وہ خلیفہ کے کپڑے پہنے جب روشنی میرے قریب پہنچی تو میرے روٹنے کھڑے ہو گئے، اتنے میں ایک غلام نے پکار کر کہا کینز! اس طرف آؤ، وہ سب ایک کمرے میں داخل ہو گئیں اور وہاں سے نکل کر میری محبوبہ کے کمرے کے پاس پہنچیں۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کس کا کمرہ ہے؟ انہوں نے کہا شجرہ الدر کا۔ خلیفہ بولا اسے بلاؤ اور اس نے نکل کر خلیفہ کے قدم لیے۔

خلیفہ نے شجرہ الدر سے پوچھا آج رات پئے گی؟ اس نے جواب دیا اگر تیرے قدموں میں ہوں گی اور تیرا دیدار ہوتا رہے گا تو پیوں گی ورنہ آج شراب کی خواہش نہیں۔

خلیفہ نے غلام کو حکم دیا خزانچی سے کہہ کہ اسے فلاں ہار دے دے اور ساتھیوں سے کہا اس کے کمرے میں چلو۔ شجرہ الدر اندر گئی اور خلیفہ بھی اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ان کے آگے آگے ایک لڑکی تھی جس کے چہرے کی روشنی اس شمع پر غالب تھی جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو اس نے پوچھا، یہ کون ہے؟ اس کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی اور کہا تو کون ہے؟ اس نے اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگا اے میری آقا! تجھے میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں میرا خون نہ خشک کر بلکہ میرے اوپر رحم کھا۔ یہ کہہ کر مارے ڈر کے میں رونے لگا، وہ بولی بے شک تو چور ہے۔ میں نے کہا اگر تو سچ مچ بتا دے تو میں تجھے پناہ دے دوں گی۔ میں نے کہا میں ایک ناسمجھ اور بے وقوف عاشق ہوں، عشق اور نا سمجھی نے مجھے اس بھنور میں لا پھنسا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جا کر زنانے کپڑے لے آئی اور مجھے پہنا کر اپنے کمرے میں لے گئی، ایک تخت پر مجھے بٹھا کر کہا ڈر نہیں کیا تو خراسانی صراف ابو الحسن نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں! بولی تیرے سچ بولنے پر خدا نے تیرا خون معاف کر دیا ورنہ تو مارا جاتا خاص کر اس وجہ سے کہ تو خلیفہ کے کپڑے پہنے ہوئے اور اس کا عطر لگائے ہوئے ہے اگر تو واقعی ابو الحسن ہے تو بے خوف ہو جا کیونکہ تو شجرہ الدر کا محبوب ہے اور وہ میری بہن ہے۔ ہمیشہ تیرا ذکر کیا کرتی ہے اس نے تیرا سارا قصہ مجھ سے بیان کیا ہے۔ جتنا تو اسے چاہتا ہے اس سے زیادہ وہ تجھے چاہتی ہے لیکن تو یہاں آیا کیسے؟ اس کے کہنے پر یا بغیر اس کے کہے تو نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالی؟ اس سے ملنے میں تیرا کیا مقصد ہے؟

میں نے جواب دیا اے میری آقا! واللہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہوں، میرا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں کہ اسے دیکھوں اور اس کی باتیں سنوں۔ اس کے علاوہ کبھی میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی برا خیال نہیں آیا ہے۔ اس نے کہا اسی نیک نیتی کی وجہ سے خدا نے تجھے بچا لیا اور میرے دل میں تیری طرف

سے رحم ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی باندی سے کہا شجرہ الدر کے پاس جا کر کہہ، تیری بہن تجھے سلام کہتی ہے اور بلاتی ہے۔ اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ باندی جا کر یہ جواب لائی کہ خدا تیرا سایہ میرے اوپر قائم رکھے اور میں تجھ پر قربان جاؤں اگر تو کسی اور وقت مجھے بلاتی تو میں دریغ نہ کرتی لیکن اس وقت خلیفہ کے سر کے درد کی وجہ سے میں مجبور ہوں اور تو جانتی ہے کہ وہ میری کتنی عزت کرتا ہے۔ اس نے باندی سے کہا کہ پھر جا کر اس سے کہہ کہ تجھے ضرور آنا ہو گا کیونکہ میں تجھ سے ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں۔ باندی جا کر اسے لے آئی۔ بہن نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اسے گلے لگایا اور کہا اے ابو الحسن! نکل کر اس کے ہاتھ چوم۔ میں کمرے کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں تھا وہاں سے نکل آیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی، مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا اپنا ماجرا سن۔ میں نے سارا ماجرا سنایا تو کہنے لگی مجھے افسوس ہے کہ تجھے ایسی ایسی تکلیفیں اٹھانی پڑیں خیر شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور تیری سلامتی کی انتہا ہے کہ میرے اور میری بہن کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بہن سے کہا ہم نے عہد کیا ہے کہ حرام کاری نہ کریں گے لیکن چونکہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے اور مصیبتیں جھیلی ہیں میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو تریسٹھ ویں رات

نو سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے اپنی بہن سے کہا میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔ بہن نے جواب دیا اسی نیت کی وجہ سے خدا نے اسے نجات دی۔ لڑکی نے کہا تو دیکھ لے گی کہ میں حلال طریقے سے اس سے ملوں گی اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی جان لڑا دوں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ بڑا شور و غل اٹھا ہم نے دیکھا کہ خلیفہ شجرہ الدر کے کمرے میں آ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے مجھے تہہ خانے میں بند کر دیا، اوپر سے تختہ لگا دیا اور جا کر خلیفہ کا خیر مقدم کیا۔ خلیفہ آ کر بیٹھ گیا، وہ کھڑی ہو کر اس کی خدمت کرنے لگی اور حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ خلیفہ ایک کنیز کو بہت چاہتا تھا جس کا نام بنجہ تھا اور معتز باللہ کی ماں تھی لیکن اس کنیز نے خلیفہ کو چھوڑ رکھا تھا اور خلیفہ نے اسے۔ وہ اپنے حسن و جمال کے گھمنڈ میں متوکل سے صلح نہ کرتی اور متوکل اپنی خلافت اور بادشاہت کے زعم میں اس سے صلح نہ کرتا اور اس کے آگے نہ جھکتا۔ حالانکہ اس کی محبت اس کے دل میں شعلے مار رہی تھی تاہم اور کنیزوں سے اپنا غم غلط کرتا اور ان کے کمروں میں جاتا۔ اسے شجرہ الدر کا گانا بہت پسند تھا۔ خلیفہ نے اس سے گانے کی درخواست کی۔ شجرہ الدر نے ستار لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور میں تو اے امیر المومنین! تہہ خانے کے اندر اتنے مزے میں آ گیا کہ اگر خدا مجھ پر مہربان نہ ہوتا تو چیخ مار کر بدنام ہو گیا ہوتا۔ خلیفہ نے اس سے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ بولی مجھے آزاد کر دے اور ثواب لے۔ اس نے کہا میں تجھے خدا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ لڑکی نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور خلیفہ بنجہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ایک کنیز نے آگے بڑھ کر بنجہ کو خبر دی

کہ خلیفہ آ رہا ہے۔ اس نے خلیفہ کا خیر مقدم کیا اس کے آگے زمین چومی اور اس کے قدموں کو بوسہ دیا، اس طرح دونوں میں پھر ملاپ ہو گیا۔

یہ تو خلیفہ کا قصہ ہوا۔ اب شجرہ الدر کا ماجرا سنو۔ وہ خوش خوش میرے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی میں آزاد ہو گئی ہوں، یہ تیرے قدموں کی برکت ہے اگر خدا نے میری تدبیر کارگر کر دی تو میں حلال طور پر تیرے ساتھ ہو جاؤں گی۔ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا کہ نتیجہ اچھا نکلا اور اب میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تجھے یہاں سے صحیح و سالم نکال بھی دے۔ اتنے میں لڑکی کی بہن جس کا نام فاتر تھا آ پہنچی اور کہنے لگی بہن! اب کیا تدبیر ہو کہ وہ محل سے صحیح و سالم نکل جائے؟ اس کے قدموں کی برکت سے تو آزاد ہو گئی۔ اس نے کہا سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ میں اسے زنانہ کپڑے پہنا دوں۔ اے امیر المومنین! جب میں زنانہ کپڑے پہن کر نکلا تو ابھی محل کے صحن تک پہنچا ہوں گا کہ دیکھا امیر المومنین بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی وہ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا اور اپنے نوکروں سے کہا اس لڑکی کو لے آؤ جو جا رہی ہے۔ جب انہوں نے میری نقاب اٹھائی تو مجھے پہچان لیا اور مجھ سے پوچھا، یہ کیا بات ہے؟ میں نے سارا کچا چٹھا سچ سچ بیان کر دیا اور کوئی بات اس سے نہ چھپائی۔ میرا بیان سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اٹھ کر فوراً شجرہ الدر کے کمرے میں گیا اور کہا تو میرے اوپر ایک سوداگر زادے کو کیونکر ترجیح دیتی ہے؟ اس نے زمین چوم کر سارا قصہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ اس کی گفتگو سن کر خلیفہ کا دل پسچ گیا، اسے رحم آ گیا وہ سمجھ گیا کہ عشق نے اسے مجبور کر دیا ہے اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا غلام اس کے پاس آیا اور کہنے لگا خوش ہو کر تیرے دوست نے خلیفہ سے حرف بہ حرف وہی بیان کیا ہے جو تو نے۔

وہاں سے واپس آ کر خلیفہ نے مجھے بتایا اور کہا کہ تاجر ہو کر خلیفہ کے محل میں کیوں آیا؟ میں نے کہا اے امیر المومنین اپنی جہالت، عشق اور تیرے عفو و کرم کی وجہ سے

میری ہمت پڑی۔ یہ کہہ کر میں رو پڑا اور اس کے آگے زمین چومی اس نے کہا میں نے تم دونوں کو معاف کیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا، میں بیٹھ گیا اور اس نے قاضی احمد بن ابی داؤد کو بلا کر ہم دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور کہا لڑکی کا سارا سامان گھر پہنچا دیا جائے اور اس کا زنانہ میرے ساتھ اسی کے کمرے میں ہوا، تین دن کے بعد میں وہاں سے نکلا اور اے امیر المومنین! جو کچھ تو نے دیکھا اور تجھے برا لگا سب اسی کا جیز ہے۔ اس کے بعد وہ ایک دن مجھ سے کہنے لگی تو جانتا ہے کہ متوکل بڑا شریف آدمی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی نہ کسی روز اسے ہماری یاد آ جائے یا کوئی حاسد اسے ہماری یاد دلا دے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ ایک تدبیر کر کے اس سے بھی نجات پاؤں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ اس سے حج کرنے اور گلے سے تائب ہونے کی درخواست کروں۔ میں نے کہا تیری رائے بہت مناسب ہے ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ کا پیادہ اسے بلانے آیا کیونکہ وہ اس کا گانا بہت پسند کرتا تھا اور اس نے جا کر خلیفہ کی خدمت کی۔ خلیفہ نے اس سے کہا آنا جانا بند نہ کیجیو وہ بولی سر آنکھوں سے۔ ایک روز جب وہ خلیفہ کے ہاں سے لوٹی تو اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور وہ رو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا۔ سمجھا کہ اس نے ہماری گرفتاری کا حکم دیا ہو گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا متوکل ہم پر ناراض ہو گیا ہے؟ اس نے کہا متوکل ہے کہاں؟ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ میں نے کہا آخر کیسے؟ بتا تو سہی۔ وہ بولی وہ پردے کے پیچھے بیٹھا شراب پی رہا تھا اس کے ساتھ فتح بن خاقان اور صدقہ بن صدقہ تھے۔ اتنے میں اس کے بیٹے منتصر اور ترکوں کی ایک جماعت نے اس پر حملہ کر دیا اسے مار ڈالا۔ خوشی غم سے بدل گئی اور لطف رونے پٹینے سے۔ یہ سنتے ہی میں لڑکی کو لے وہاں سے بھاگا۔ خدا نے ہمیں صحیح و سلامت بھرے پہنچا دیا وہاں پہنچ کر ہمیں خبر ملی کہ منتصر اور مستعین میں لڑائی ہو رہی ہے۔ میں نے اپنا سارا مال و متاع بھرے منتقل کر دیا۔ اے امیر المومنین! یہ ہے میری کہانی اس سے ایک لفظ زیادہ

نہ کم اور جو کچھ تو میرے پاس دیکھ رہا ہے اور جن پر تیرے دادا متوکل کا نام ہے وہ اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ خوش ہو گیا اس کے بعد میں لڑکی اور اس کے بچوں کو خلیفہ کے سامنے لایا وہ ان کی خوبصورتی دیکھ کر حیران ہو گیا اور انہوں نے اس کے آگے نہیں چومی۔ اب خلیفہ نے دوات قلم منگوا کر مجھے ایک پروانہ لکھ دیا کہ بیس سال ہماری جائیدادوں سے لگان نہ لیا جائے۔ خلیفہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے ابو الحسن کو اپنا مصاحب بنا لیا یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا اور محلوں میں رہنے کے بعد وہ قبروں میں رہنے لگے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکم چلاتی اور گناہوں کو معاف کرتی ہے۔

○ قمر الزمان اور جوہری کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- پرانے زمانے میں ایک تاجر تھا جس کا نام عبدالرحمان تھا، خدا نے اسے ایک بیٹی دی تھی اور ایک بیٹا۔ بیٹی کا نام اس نے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کوکب الصباح رکھا اور بیٹے کا اس کی خوبصورتی کے سبب قمر الزمان۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ایسے حسین و جمیل ہیں تو اسے ڈر ہوا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے یا حاسدوں کی زبان اور مکاروں کی مکاری یا بد چلنوں کے حیلے سے انہیں نقصان پہنچ جائے اس لیے اس نے انہیں چودہ سال تک ایک محل میں بند رکھا اور سوائے ان کے ماں باپ اور خادمہ کے جو ان کی خدمت کیا کرتی تھی کسی کی نظر ان پر نہ پڑی۔ باپ نے بیٹے کو اور ماں نے بیٹی کو قرآن پڑھایا۔ یہاں تک کہ دونوں حافظ ہو گئے۔ اسی طرح سے انہوں نے خوشی نویسی، حساب اور فنون و آداب اپنے والدین ہی سے سیکھے۔ کسی دوسرے معلم کی مدد نہ لی۔ لڑکا بالغ ہوا تو تاجر سے اس کی بیوی نے کہا آخر قمر الزمان کو کب تک لوگوں کی نظروں سے بچائے گا؟ وہ لڑکی ہے یا لڑکا؟

وہ بولا لڑکا۔ بیوی نے کہا اگر وہ لڑکا ہے تو اسے بازار لے جا کر دکان پر کیوں نہیں بٹھاتا تاکہ وہ لوگوں سے واقفیت پیدا کرے اور لوگ اس سے ملیں تو اسے خرید و فروخت سکھا، اگر تیرے ساتھ کوئی بات پیش آ جائے تو لوگوں کو معلوم ہو کہ بیٹا ہے، وہ تیرے ترکے کو اپنے قبضے میں لے سکے گا اگر اسی بے خبری میں تو مر گیا اور اس نے کہا میں تاجر عبدالرحمان کا بیٹا ہوں تو اس کی بات کا کوئی یقین نہ کرے گا۔ سب کہیں گے ہم نے تجھے کبھی نہیں دیکھا، ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا کوئی بیٹا تھا اس طرح سے تیرا مال حکام لے لیں گے اور تیرا بیٹا محروم ہو جائے گا۔ بیٹی کے متعلق بھی میں یہی چاہتی ہوں کہ لوگوں میں اس کا چرچا کروں تاکہ کوئی برابر والا اس کے نکاح کا پیغام بھیجے ہم اس کی شادی کریں اور خوشیاں سنائیں۔ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چونٹھ ویں رات

نو سو چونٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب تاجر نے کہا کہ کہیں انہیں نظر نہ لگ جائے تو اس کی بیوی بولی جسے خدا بچانا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ آج ہی سے اسے دکان لے جا۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو نہایت نفیس کپڑے پہنائے اور وہ دیکھنے والوں کے لیے ایک فتنہ اور عاشقوں کے دل کے لیے حسرت بن گیا۔ الغرض باپ اسے لے کر بازار گیا جو کوئی اسے دیکھتا دل تھام کر رہ جاتا بڑھ کر اس کا ہاتھ چومتا اور اسے سلام کرتا باپ لوگوں کو برا بھلا کہتا کہ تم نے کیوں تماشا لگا رکھا ہے؟ بعض کہتے کہ فلاں جگہ سورج نکلا ہے اور بازار میں چمک رہا ہے بعض کہتے فلاں طرف چودھویں رات کا چاند طلوع ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں لوگوں کے لیے عید کا چاند نکل آیا ہے۔ یہ باتیں سن کر باپ کو بری شرمندگی ہوئی لیکن وہ کس کس کی زبان روکتا! اب وہ ماں کو برا بھلا کہنے لگا کیونکہ اس کی وجہ سے بیٹا باہر نکلا تھا۔ بالآخر لوگوں کی بھیڑ میں سے نکلتا ہوا دکان پر پہنچا، خود بیٹھا لڑکے کو بٹھایا، سامنے ہجوم لگا ہوا تھا جو کوئی ادھر سے گزرتا اس خوبصورت مکھڑے کو دیکھنے کے لیے دکان پر ٹھہر جاتا اس کے اردگرد اور عورتوں کا جھرمٹ لگ گیا۔

عبدالرحمان نے دیکھا کہ مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ عنکبلی باندھے اس کے بیٹے کو دیکھ رہے ہیں تو وہ بہت پشیمان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟

اتنے میں بازار کی طرف سے ایک سیاح درویش آتا نظر آیا۔ اس کا لباس پارساؤں کا سا تھا، وہ لڑکے کے پاس آ کر اشعار پڑھنے اور بڑے بڑے آنسو بہانے لگا، وہ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گھومتا اور اپنا داہنا ہاتھ داڑھی پر پھیرتا۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کو ایک ریحان کی چھڑی دی باپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو کچھ دام نکلے

نکال کر درویش کو دے دیئے اور کہا چلتا ہو۔

درویش نے درہم لے لیے اور دکان کی چوکی پر لڑکے کے سامنے بیٹھ گیا، اسے دیکھ دیکھ

URDU4U.COM

کر رونے، آپہں بھرنے لگا اور اس کے آنسو پانی کی طرح بننے لگے۔ لوگ اسے دیکھتے

اس پر فقرے کتے، کوئی کہتا درویش سارے بدکار ہوتے ہیں، کوئی کہتا کہ درویش

کے دل میں لڑکے کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر تاجر اٹھا اور بیٹے

سے کہا چل دکان میں قفل لگا کر گھر چلیں۔ آج خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ خدا

تیری ماں سے سمجھے! یہ سارا اسی کا کیا دھرا ہے۔ جب وہ گھر کی طرف چلا تو درویش

اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ لڑکا مکان کے اندر چلا گیا تو تاجر نے

درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو کیا چاہتا ہے اور کیوں رو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا

اے میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات تیرا مہمان رہوں اور مہمان خدا کا مہمان

ہوتا ہے۔ تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا، اندر آ۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

• نو سو پینٹھ ویں رات

نو سو پینٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا اندر آ۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ درویش لڑکے پر عاشق نکلا اور اس کے ساتھ بدکاری کرنی چاہی تو میں آج ہی رات کو اسے قتل کر کے چپکے سے دفن کر دوں گا اور اگر اس کی نیت بری نہ ہوئی تو مہمان اپنی قسمت کا کھاتا ہے۔ اب اس نے درویش اور قمرالزمان کو ایک ہی کمرے میں اتارا اور قمرالزمان کے کان میں کہہ دیا کہ بیٹا! جب میں چلا جاؤں تو تو درویش کے پہلو میں بیٹھ کر اس سے ہنسی مذاق کیجیو اگر وہ تجھ سے بدکاری کی خواہش کرے گا تو خاطر جمع رکھ میں محراب سے اتر کر اسے مار ڈالوں گا۔ لڑکا درویش کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو وہ درویش کے پہلو میں جا بیٹھا درویش اسے دیکھتا آہ کھینچتا اور روتا۔ لڑکا اس سے بات کرتا تو وہ نرمی سے جواب دیتا، کانپتا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر ٹھنڈے سانس بھرنے لگتا۔ جب رات کا کھانا آیا تو درویش کھاتا جاتا اور لڑکے کو برابر دیکھتا اور روتا جاتا۔ چوتھائی رات گزر چکی تو لڑکے کے باپ نے آ کر کہا بیٹا! اپنے چچا درویش کی خدمت کیجیو اور اس کی مخالفت نہ کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ جانا چاہتا ہی تھا کہ درویش نے کہا اے میرے آقا! اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لیتا جایا تو بھی ہمیں ہمارے ساتھ سو۔ وہ بولا نہیں یہ میرا بیٹا تیرے پاس سوئے گا تا کہ اگر تجھے رات میں کوئی ضرورت پڑے تو وہ اسے پورا کر دے اور تیری خدمت کرے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا، دوسرے کمرے میں جا بیٹھا اور محراب میں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

یہ تو تاجر کا قصہ ہوا۔ اب اس کے بیٹے کا ماجرا سنو۔ وہ درویش کے پاس جا کر نخرے کرنے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے لگا۔ درویش کو غصہ آ گیا کہنے لگا بیٹا! یہ کیا بات ہے؟ خدا مجھے مردود شیطان سے بچائے۔ خداوند! ایسی بری بات تجھے ہرگز

پسند نہیں۔ بیٹا! میرے پاس سے چلا جا اب درویش لڑکے سے دور جا کر بیٹھ گیا لیکن لڑکا پھر اس کے پیچھے پیچھے پہنچا، اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا درویش! تو اپنے آپ کو میرے وصال کی لذت سے کیوں محروم رکھتا ہے حالانکہ میں دل سے تجھے چاہتا ہوں؟ اس پر درویش اور زیادہ ناراض ہوا اور بولا اگر تو نے مجھے زیادہ چھیڑا تو ابھی میں تیرے باپ کو آواز دے کر تیری شکایت کرتا ہوں۔ لڑکے نے کہا میرا باپ جانتا ہے کہ مجھے یہ عادت ہے اس لیے وہ مجھے منع نہیں کر سکتا۔ آخر مجھے سمجھا تو دے کہ تو کیوں مجھ سے کھینچتا ہے، کیا میں تجھے پسند نہیں؟ درویش نے کہا بیٹا! میں یہ حرکت نہیں کروں گا خواہ تلوار سے میری بوٹیاں کیوں نہ کر دی جائیں۔ اس کے بعد درویش رونے لگا اور لڑکے سے کہا دروانہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں، میں یہاں نہیں سوؤں گا۔ لڑکا اٹھ کر اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا دیکھ میرا چمک دار چہرہ، لال رخسار، نرم نرم پہلو پتلے پتلے ہونٹ۔ یہ کہہ کر لڑکے نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں جنہیں دیکھ کر شراب اور شراب پلانے والا دونوں شرمندہ ہو جائیں اور اسے ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ جادو اور جادو گر دونوں عاجز آ جائیں۔ دیکھ میرا سینہ وہ لڑکیوں کے سینے سے بھی زیادہ خوب صورت ہے چکھ میرا لعاب، وہ مصری سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ نہد و عبادت کو الگ رکھ، میرے وصال کی لذت لوٹ، میرے حسن کے مزے اڑا اور ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہیں ہو گا۔ بے وقوفی جانے دے، وہ بری عادت ہے۔ لڑکا یہ کہتا جاتا اور اپنی پوشیدہ خوب صورتیاں اسے دکھا دکھا کر اس کی عقل کی باگ موڑتا جاتا لیکن درویش کہتا خدا کی پناہ۔ یہ حرام کاری ہے، ایسی باتیں میں خواب میں بھی نہیں کر سکتا۔ جب لڑکے نے اور زیادہ ضد کی تو درویش قبلہ رو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا، دو رکعتیں

پڑھ چکا اور سلام پھیرا تو لڑکے نے چاہا کہ پھر اس کے پاس پہنچے تو اس نے دوبارہ نیت باندھ لی اور پھر دور رکعتیں پڑھیں۔ یہی اس نے تیسری چوتھی اور پانچویں بار

کیا۔ لڑکا بولا یہ کیسی نماز ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ رات بھر محراب میں کھڑا رہ کر بادلوں پر اڑنے لگے اور ہمارا مزا کر کر دے۔ اب لڑکا اس سے لپٹ کر اس کا ماتھا چومنے لگا لیکن اس نے کہا بیٹا! شیطان کو مار کر دور بھگا دے اور خدا کا حکم مان۔ لڑکے نے کہا اگر تو وہ کام نہیں کرتا جو میں چاہتا ہوں تو ابھی باپ کو پکار کر کہتا ہوں کہ درویش مجھ سے بد فعلی کرنا چاہتا ہے اور وہ آ کر تیری ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالے گا۔ لڑکے کا باپ یہ ساری باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ اسے یقین آ گیا کہ درویش کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔ لڑکا برابر درویش کے پیچھے پڑا رہا، جب نماز کی نیت باندھتا وہ توڑ دیتا بالآخر درویش لڑکے پر اتنا ناراض ہوا کہ اسے برا بھلا کہنے لگا اور مارا میاں تک کہ وہ رونے لگا اور باپ نے آ کر اس کے آنسو پونچھے، اسے دلاسا دیا اور درویش سے کہا اگر تیرا یہ حال ہے تو تو میرے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر کیوں روتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا ہے؟ میں نے تیرا امتحان لینے کے لیے یہ سب کیا تھا اب مجھے یقین آ گیا کہ تو بڑا پارسا ہے لیکن خدا کے لیے اپنے رونے کی وجہ بتا۔ درویش نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ پرانے زخموں کو تانا نہ کر۔ اس نے کہا تجھے ضرور بتانا ہو گا۔ درویش بولا، سن میں درویش ہوں، ملک ملک پھرتا اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھتا ہوں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں بھرے پہنچا یہ جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو چھیاٹھ ویں رات

نو سو چھیاٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- درویش نے کہا جب میں بھرے میں داخل ہوا تو جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا میں نے دیکھا کہ تمام دکانیں کھلی ہوئی ہیں، طرح طرح کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئی ہیں لیکن کوئی جان دار وہاں نہیں، نہ مرد نہ عورت نہ لڑکی نہ لڑکا یہاں تک کہ گلی کوچوں میں نہ کتے ہیں نہ بلیاں، نہ کوئی آواز سنائی دیتی نہ کوئی شکل دکھائی دیتی ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا، میں کہنے لگا یا اللہ! یہ لوگ اپنے کتے اور بلیاں لے کر کہاں چل دیئے؟ چونکہ میں بھوکا تھا، میں نے ایک باورچی کے تنور پر سے ایک گرم روٹی لی اور ایک زیتوں فروش کی دکان پر جا کر روٹی کو زیتوں کے تیل اور شہد سے چھڑا اور کھا گیا۔ اس کے بعد میری نظر ایک قہوہ خانے پر پڑی اس کے اندر جا کر میں نے خوب قہوہ پیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر والوں کو موت آگئی ہے اور وہ ابھی ابھی مر گئے ہیں یا ان پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے اور وہ دوکانوں کو کھلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ مجھے نوبت بچنے کی آواز سنائی دی، میں مارے ڈر کے ذرا دیر کے لیے چھپ گیا ایک سوراخ میں سے دیکھا کہ چاند کی سی لڑکیاں دو دو کر کے چہرے کھلے چلی آ رہی ہیں۔ کل اسی لڑکیاں تھیں۔ ان کے بیچ میں ایک لڑکی ایک گھوڑے پر سوار تھی، سونے، چاندی اور جواہرات سے اتنی لدی ہوئی تھی کہ اس کے قدم مشکل سے اٹھتے تھے۔ یہ لڑکی بھی بے نقاب تھی، اس کے گلے میں ہیروں کا ہار تھا، سینے پر سونے کی ہنسلیاں اور کلائیوں میں کنگن جو تاروں کی طرح چمک رہے تھے، پاؤں میں سونے کے جھانگھن جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کنیزیں تھیں۔ ٹھیک سامنے ایک کنیز تلوار لگائے ہوئے جس کا قبضہ زمرد کا تھا اور جھالر دینے کی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

جب لڑکی اس جگہ پہنچی جو میرے سامنے تھی اس نے گھوڑے کی لگام روک لی اور کہنے لگی اے لڑکیو! مجھے اس دکان میں سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ جا کر ڈھونڈو کہیں ایسا تو نہیں کوئی اس میں چھپا ہوا ہمارا تماشا دیکھ رہا ہو ہم کھلے منہ ہیں۔ وہ اندر جا کر ایک مرد کو پکڑ لائیں، لڑکی نے تلواروں والی کنیز سے کہا اس کی گردن اڑا دے۔ اس نے اس کی گردن اڑا دی اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں۔ یہ دیکھ کر میں سہم گیا لیکن میرا دل لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ پہنچے اور اپنی اپنی دکانوں پر جا بیٹھے۔ مقتول کے گرد تماش بینوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ اب میں دکان میں سے نکل کر لوگوں سے چپکے چپکے پوچھنے لگا کہ وہ لڑکی کون تھی؟ کسی نے نہ بتایا اس کے بعد میں بصرے سے چلا آیا اس کی محبت اب تک دل سے نہیں نکلی۔ جب میں نے تیرے بیٹے کو دیکھا جو اس لڑکی سے بے حد مشابہ ہے تو اس کی یاد تازہ ہو گئی، محبت کی آگ لپیٹیں مارنے لگی اور میں اس اس کے عشق میں تڑپنے لگا۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ پھر اس نے کہا اے میرے آقا! خدا کے لیے دروانہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروانہ کھول دیا اور درویش چلا گیا۔

یہ تو درویش کا قصہ ہوا۔ اب قمرالزمان کا ماجرا سنو! اس لڑکی کا ذکر سنتے ہی اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی وہ اس کی محبت میں بے چین ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے باپ سے کہا کہ ہر تاجر زادہ ملکوں ملکوں سفر کو جاتا، باپ کے مال سے تجارت کرتا اور کماتا ہے۔ مجھے تو کیوں نہیں بھیجتا؟ میں بھی دوسرے ملکوں میں جا کر قسمت آزمائی کروں۔ باپ بولا بیٹا! تاجر اکثر غریب ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے بیٹوں کو سفر پر بھیجتے ہیں تاکہ وہ کمائی کر کے لائیں لیکن میرے پاس بہت کچھ مال دولت ہے اور زیادہ کمانے کا لاچ نہیں پھر میں تجھے کیوں پردیس بھیجوں؟ علاوہ اس کے میں تیری جدائی ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتا کیونکہ تو بے حد حسین و جمیل ہے

اور مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ بیٹے نے کہا سوائے اس کے چاہہ نہیں کہ تو مجھے سامان دے کر سفر پر بھیج ورنہ میں ایک دن تیری آنکھ بچا کر بھاگ جاؤں گا خواہ میرے پاس کچھ مال اور تجارت کا سامان ہو یا نہ ہو۔ باپ نے دیکھا کہ لڑکا مانتا ہی نہیں تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا بیٹا سفر کرنے پر تلا کھڑا ہے حالانکہ پردیس مصیبت ہے۔ بیوی بولی اس میں تیرا کیا نقصان ہے؟ تاجر زادوں کا یہی دستور رہا ہے اور وہ ایک دوسرے پر اس بات میں فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اتنے سفر کئے، اتنا کمایا اور مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اس سے نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر تو اپنا مال دے کر اسے بھیجنا پسند نہیں کرتا تو میں اپنا مال دے کر بھیج دوں گی ورنہ تو ایک دن دیکھے گا کہ ہمارا بیٹا غائب ہو گیا۔ ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں، وہ نہیں ملتا اور ہمیں لوگوں میں ندامت ہو رہی ہے۔ تاجر نے اپنی بیوی کا کہنا مان لیا اور نوے ہزار دینار کا سامان اس کے لیے تیار کر دیا۔ ماں نے اسے ایک تھیلی دی جس میں چالیس ہیرے کے نگ تھے جو اتنے قیمتی تھے کہ ان میں سب سے سستا پانچ سو دینار کا تھا اور اس سے کہا ان ہیروں کو حفاظت سے رکھو، یہ تیرے کام آئیں گے۔ قمر الزمان سب چیزیں لے کر بھرے کو روانہ ہو گیا۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سڑستھویں رات

نو سو سڑستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- قمر الزمان یہ تمام چیزیں لے کر بھرے کو روانہ ہو گیا اور جواہرات کو کمر بند میں رکھ کر کمر سے باندھ لیا۔ جب بھرہ ایک منزل پہ گیا تو بدوں نے اس پر حملہ کیا اس کے کپڑے اتار لیے، نوکروں چاکروں کو قتل کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو خون میں لتھیر کر مردوں کے بیچ میں لیٹ گیا۔ بدوں نے مقتول سمجھ کر اسے چھوڑ دیا اور سارا سامان لے کر چل دیئے۔ وہ چلے گئے تو قمر الزمان اٹھا اور بھرے کی طرف پیدل روانہ ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس سوائے جواہرات کے اور کچھ نہ تھا۔ اتفاق کی بات وہ بھی جمعے ہی کے دن بھرے میں داخل ہوا اور جیسا کہ درویش نے بیان کیا تھا شہر کو آدمیوں سے خالی پایا دکانیں کھلی ہوئی تھیں، سارا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئیں مگر انسان حیوان کوئی نظر نہ آیا۔ اتنے میں نوبت بجنے کی آواز آئی۔ وہ ایک دکان میں جا کر چھپ گیا، لڑکیاں پہنچیں تو ان کا تماشا دیکھنے لگا، جوں ہی نظر اس لڑکی پر پڑی ہوش جاتے رہے، کھڑا رہنا دو بھر ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ گئے۔ بازاروں میں چہل پہل ہو گئی اس نے ایک جوہری کے پاس جا کر ایک ہیرا بیچا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور چل دیا۔ صبح ہوئی تو اس نے کپڑے بدل، حمال گیا وہاں سے نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند نکل آیا۔ اس کے بعد اس نے چار ہیرے اور چار ہزار دینار کو بیچے اور زرق برق کپڑے پہن کر بھرے کے گلی کوچوں کی سیر کرنے لگا۔

ایک بازار میں اسے ایک نائی کی دکان دکھائی دی وہاں جا کر اس نے بال بنوائے اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور کہا چچا! میں پردیسی ہوں کل جب میں یہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سارا شہر خالی پڑا ہے نہ آدم ہے نہ آدم زاد۔ اسی اثناء میں بہت سی لڑکیاں

دیکھیں ان کے بیچ میں ایک لڑکی تھی جس کا شاید وہ جلوس تھا۔ نائی نے کہا تو نے کسی اور اسے تو یہ بات نہیں کہی ہے۔ وہ بولا نہیں۔ نائی نے کہا، خبردار! کسی سے یہ بات نہ کہیو کیونکہ ہر آدمی راز نہیں رکھ سکتا۔ بیٹا! جو کچھ تو نے دیکھا ہے کسی نے نہیں دیکھا ہے اور نہ ایسا کسی اور شہر میں ہوتا ہے۔ ہر جمعے کے دن لوگ کتے بلیوں کو باندھ کر خود مسجدوں میں جا کے اور دروازے بند کر دیتے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ گلی کوچوں میں نکلے یا کسی سوراخ سے جھانکے۔ بیٹا! اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں لیکن میں آج اپنی بیوی سے پوچھوں گا کیونکہ وہ دائی ہے۔ بڑے بڑے گھرانوں میں آتی جاتی رہتی ہے اور شہر کی خبریں اسے معلوم رہتی ہیں۔ خدا نے چاہا تو جب کل تو میرے پاس آئے گا تو میں اس سے پوچھ کر تجھے بتا دوں گا۔ لڑکے نے مٹھی بھر سونا نکال کر اسے دے دیا اور کہا یہ اپنی بیوی کو دے دیجیو۔ اب وہ میری ماں ہو گئی ہے اس کے بعد اس نے اور ایک مٹھی بھر سونا نکالا اور یہ کہہ کر اسے دے دیا کہ یہ تیرے لیے ہے۔ نائی نے کہا بیٹا! تو یہیں بیٹھا رہ۔ میں ابھی جا کر اپنی بیوی سے پوچھے آتا ہوں۔ گھر پہنچ کر اس نے لڑکے کا قصہ بیان کیا کہ شہر کی ٹھیک ٹھیک خبر بتا دے تاکہ میں جوان سے جا کر کہہ دوں۔ میرے خیال میں وہ عاشق ہے اور بڑا شریف اور سخی ہے اگر ہم اسے بتا دیں گے تو ہمیں بہت مال مل جائے گا۔ بیوی بولی اسے جا کر بلا لا اور کہہ دے کہ تیری حاجت پوری ہو گئی۔ جب نائی دکان پر پہنچا تو قمرالزمان بیٹھا ہوا اس کی راہ دیکھ رہا تھا کہنے لگا اپنی ماں میری بیوی کے پاس چل تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ نائی کے گھر پہنچا تو نائن نے جوان کو مرحبا کہا اور بٹھایا۔ جوان نے سو دینار نکال کر اسے دیئے اور پوچھا مائی! اس لڑکی کا کیا قصہ ہے؟ اس نے کہا بیٹا! سن ایک بار ہند کے بادشاہ نے بھرے کے حاکم کے پاس ایک ہیرا بھیجا اس نے جو ہریوں کو بلا کر کہا کہ جس نے اس میں چھید کر دیا جو مانگے گا دوں گا اور اگر وہ ٹوٹ جائے گا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جوہری بولے جہاں پناہ! ہیرا جلد ٹوٹ

جاتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ہیرے میں چھید کیا جائے اور وہ ثابت رہے لہذا ہم پر ایسا کام نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہے۔ حاکم نے پوچھا تمہارا چودھری کون ہے؟ انہوں نے کہا استاد عبید۔ حاکم نے اسے بلا کر حکم دیا کہ اس ہیرے میں چھید کر دے اس نے چھید کر دیا۔ حاکم نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کل تک مجھے مہلت دے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کی رائے لینا چاہتا تھا اور اس کی بیوی وہی لڑکی تھی جسے تو نے جلوس کے ساتھ دیکھا۔ جوہری کو اس سے بہت محبت تھی اور محبت کی وجہ سے وہ بے اس کے مشورے کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جوہری نے اس کے پاس جا کر کہا میں نے حاکم کے لیے ایک ہیرے میں چھید کیا ہے اور اس نے کہا ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔ بتا کہ میں اس سے کیا مانگوں؟ وہ بولی مال و دولت کی تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو حاکم سے یہ مانگ کہ وہ بصرے کی گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پڑا دے کہ ہر جمعے کی نماز سے دو گھنٹے پہلے سے لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے مسجد چلے جایا گھر میں بند ہو جایا کریں لیکن دکانیں کھلی رہیں۔ میں اپنی کنیزوں کو لے کر اس وقت شہر میں سے گزرا کروں گی اور اگر مجھے کوئی راہ میں مل گیا تو اسے قتل کر دوں گی۔ اس نے حاکم کے پاس جا کر یہی مانگا اور حاکم نے بصرے میں ڈھنڈورا پڑا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اڑٹھ ویں رات

نو سو اڑٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب حاکم نے یہ ڈھنڈورا پڑا دیا تو لوگوں نے اس کے پاس آ کر کہا کہ کتے بلیاں ہمارا سامان آ کر خراب کر ڈالیں گے۔ حاکم نے حکم دیا کہ جب تک لوگ جمعے کی نماز پڑھ کر نہ نکلیں انہیں بند رکھا جائے۔ چنانچہ وہ لڑکی ہر جمعے کو نماز سے دو گھنٹے پہلے نکلا کرتی اور اپنی کنیزوں کے ساتھ جلوس میں بھرے کے گلی کوچوں سے گزرتی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ محراب یا جھروکے میں سے اسے جھانکے۔ بس یہ بات ہے اب تجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ لڑکی کون ہے لیکن بیٹا! تو محض اس کا حال جاننا چاہتا ہے یا تجھے اس سے ملنے کی آرزو ہے؟ اس نے کہا مائی! میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولی بیٹا! بتا تیرے پاس کیا کیا قیمتی چیزیں ہیں؟ لڑکے نے بتایا کہ میرے پاس چار قسم کے ہیرے ہیں، پانچ سو دینار والے، سات سو والے، اٹھ سو والے اور ہزار والے۔ اس نے کہا کیا تو ان میں سے چار کو علیحدہ کر سکتا ہے؟ لڑکے نے کہا بلکہ سب اس نے کہا بیٹا! جا کر ایک ہیرا لے آ جس کی قیمت پانچ سو دینار ہے اور جوہریوں کے چودھری استاد عبید کی دکان کا پتا پوچھ کر اس کے پاس جا تو دیکھے گا کہ وہ زرق برق کپڑے پہنے بیٹھا ہے اور شاگرد اس کے ہاتھ کے نیچے کلام کر رہے ہیں۔ اسے سلام کر کے دکان پر بیٹھ جائیو اور ہیرا نکال کر کہیو استاد! سونے کی انگوٹھی بنا کر اس ہیرے کو اس میں جڑے دے۔ انگوٹھی ایک مشقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی بناوٹ بہترین ہو۔ یہ کہہ کر بیس دینار استاد کو دیجیو ایک ایک دینار ہر کاریگر کو اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بھی ایک دینار دے دے دیجیو اور ہر طرح سے اپنی شرافت کا اظہار کیجیو تاکہ اس کے دل میں تیری محبت بیٹھ جائے پھر اپنے گھر جا کر سو رہیو۔ سویرا ہو تو سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیونکہ وہ غریب ہے اس نے

کہا ایسا ہی ہو گا۔

قمرالزمان نے اپنے وکیل کے پاس جا کر اس سے پانچ سو دینار والا ایک ہیرا لیا اور جوہری بازار جا کر جوہریوں کے کھیا استاد عبید کا پتا پوچھا اس کی دکان پر پہنچ کر دیکھا کہ وہ بڑا شان دار شخص ہے اور نفیس پوشاک پہنے بیٹھا ہے، اس کے نیچے چار کاریگر کام کر رہے ہیں۔ جوان نے اسے وہ نگ دے کر کہا استاد! ایک سونے کی انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑ دے لیکن وہ ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی ساخت نہایت نفیس ہو اس کے بعد اس نے بیس دینار اسے دے کر کہا یہ اس کے نقشے کے دام ہیں اور مزدوری ابھی باقی ہے پھر اس نے کاریگر کا ایک ایک دینار دیا جس سے وہ بھی خوش ہو گئے اور استاد عبید بھی۔ اب وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا کوئی فقیر آتا تو وہ اسے ایک درہم دیتا، لوگ اس کی سخاوت پر تعجب کرتے۔ استاد عبید کے گھر میں بھی وہی سامان تھا جو دکان میں۔ جب وہ کوئی عجیب و غریب چیز بناتا تو گھر جا کر بناتا تاکہ کاریگر سیکھ نہ لیں۔ گھر میں وہ اپنی بیوی کے سامنے بٹھا کر بناتا اسے دیکھتا جاتا اور ایسی کاریگری سے بناتا کہ وہ چیز سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے قابل نہ ہوتی چنانچہ وہ گھر میں بیٹھ کر نہایت عجیب طریقے سے انگوٹھی بنانے لگا۔

اس کی بیوی گلیہ دیکھا تو پوچھا اس کا تو کیا بنائے گا؟ اس نے کہا کہ انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑوں گا، اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے۔ بیوی نے پوچھا کس کے لیے؟ وہ بولا ایک حسین تاجر زادے کے لیے۔ وہ کبھی اس کے حسن کی تعریف کرتا اور کبھی اس کی سخاوت کی یہاں تک کہ عورت سنتے سنتے اس پر عاشق ہو گئی۔ اس شخص سے زیادہ احمق کون ہے جو اپنی بیوی کے سامنے دوسرے مرد کی خوبصورتی اور سخاوت کا ذکر کرے۔ اچھا تو جب اس کے دل میں جوان کی محبت نے گھر کر لیا تو اس نے کہا اس میں مجھ سا بھی کچھ حسن ہے؟ شوہر نے کہا تیرا ہر حسن اس میں ہے اور وہ ہو بہ ہو تجھ سا ہے بلکہ اس کا حسن بھی وہی ہے جو تیرا اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ میں تیرا دل دکھا دوں گا تو میں کہتا کہ وہ تجھ سے ہزار گنا زیادہ حسین ہے۔

بیوی چپ ہو گئی لیکن اس کے دل میں محبت کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ یہی باتیں کرتے کرتے استاد نے انگوٹھی بنا کر تیار کر دی۔ بیوی نے اسے پہنا تو وہ اس کی انگلی میں ٹھیک آئی۔ کہنے لگی اے میرے آقا! مجھے یہ انگوٹھی بہت اچھی لگتی ہے میں اسے انگلی سے اتارنا نہیں چاہتی۔ اس نے کہا ٹھہر جا میں اس کے مالک سے کہوں گا کہ وہ اسے میرے ہاتھ بیچ ڈالے اور غالباً وہ مان لے گا کیونکہ وہ بڑا سخی ہے ورنہ اگر اس کے پاس دوسرا گمینہ ہو گا تو میں اسے خرید کر تیرے لیے دوسری انگوٹھی بنا دوں گا جو اسی جیسی ہو گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• نو سو اہترویں رات

نو سو اہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوہری نے اپنی بیوی سے کہا میں تیرے لیے ایسی ہی دوسری انگوٹھی بنا دوں گا۔ ادھر جب قمرالزمان صبح کو اٹھا تو سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس گیا جو نائی کی بیوی تھی اور کہا یہ دینار لے اس نے کہا اپنے چچا کو دے دے اور بتا کہ جو میں نے کہا تھا تو نے کیا بھی؟ اس نے کہا ہاں کیا۔ بڑھیا بولی اب جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی کے سرے میں پہن کر فوراً اتار ڈالو اور کہیو استاد! یہ تو ٹھیک نہیں آتی تنگ ہے وہ کہے گا اے تاجر! میں اسے توڑ کر بڑی بنا دوں گا تو کہیو توڑ کر پھر بنانے کی ضرورت نہیں اسے اپنی کینز کو دے دے اس کے بعد دوسرا تنگ نکالو جس کی قیمت سات سو دینار اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور اسے تیس دینار اور ہر کاریگر کو دو دو دینار دیجیو پھر کل سویرے دو سو دینار لے کر یہاں آؤ اور میں تجھے آخری ترکیب بتا دوں گی۔

جوان جوہری کے پاس گیا اس نے اس کا خیر مقدم کر کے دکان میں بٹھایا اور انگوٹھی دی۔ جوان نے اسے انگلی میں ڈال کر فوراً اتار دیا اور کہا یہ تنگ ہے، باقی تمام باتیں بھی وہی کہیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں اور اسے سات سو دینار کا ہیرا دے کر کہا اسے بنا دے۔ وہ چلا گیا تو جوہری اس کی سخاوت پر عیش عیش کرنے لگا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا اس جوان سے زیادہ سخی میں نے نہیں دیکھا تیری قسمت جاگ اٹھی اس نے انگوٹھی مجھے مفت دے دی ہے۔ یہ لڑکا مجھے تاجر زادہ نہیں بلکہ شاہزادہ معلوم ہوتا ہے وہ اس کی جتنی تعریف کرتا جاتا لڑکی کا عشق اتنا ہی بڑھتا جاتا۔ لڑکی نے انگوٹھی لے کر پہن لی اور جوہری نے دوسری انگوٹھی بنائی جو اس سے ذرا ڈھیلی تھی اسے دیکھ کر بیوی نے کہا اے میرے آقا! دیکھ دونوں انگوٹھیاں میری انگلی میں کیسی بھلی معلوم

ہوتی ہیں، کاش دونوں میری ہوتیں۔ جوہری بولا صبر کر، ممکن ہے کہ میں یہ دوسری انگوٹھی اس سے خرید لوں۔ اس کے بعد وہ جا کر سو رہا۔

اب قمرالزمان کا ماجرا سنو! وہ صبح اٹھ کر نائی کی بیوی کے پاس گیا اور اسے دو سو دینار دے دیئے۔ وہ بولی اٹھ جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی میں پہن کر فوراً اتار ڈالیو اور کہیو استاد! تو نے ٹھیک نہیں بنائی۔ یہ ڈھیلی ہے۔ جب کبھی تجھ جیسے استاد کے پاس مجھ جیسا گاہک آئے تو پہلے ناپ لے لینی چاہیے۔ یہ کہہ کر تو دوسرا ہیرا نکالیو جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور یہ انگوٹھی اپنی کسی کنیز کو دے ڈال اس کے بعد تو تین سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیونکہ وہ غریب ہے ان سے اس کا کام چلے گا۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں سے اور جوہری کے پاس جا کر اس سے انگوٹھی لی، انگلی میں ڈا کر فوراً اتار ڈالی اور وہی باتیں کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں پھر ایک ہزار دینار والا نگ نکال کر اسے دیا جوہری نے ناپ لی اور کہا میں تجھ سے کتنی اجرت لے چکا ہوں تو ہمارے اوپر بڑا احسان کر رہا ہے اس نے کہا مضائقہ نہیں اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ جوہری اپنے گھر گیا تو جوان کی خوبصورتی اور سخاوت کی پھر تعریف کرنے لگا۔ بیوی نے کہا اے بد مذاق! اگر اس نے تجھے دو قیمتی انگوٹھیاں دی ہیں تو تجھے چاہیے کہ اس کی دعوت کر اور اس سے دوستی بڑھا۔ تیری محبت کو دیکھ کر وہ تیرے گھر آئے گا اور ممکن ہے کہ ہمیں اس سے کوئی بڑا فائدہ پہنچے اگر تو اس کی دعوت نہیں کرتا تو میں خود اپنی طرف سے اسے بلا کر کھانا کھلاؤں گی۔ آج بے اسے لیے گھر نہ آئیو اور اگر وہ انکار کرے تو اسے طلاق کی قسم دیجیو اور اصرار کیجیو ادھر تو وہ انگوٹھی بنا کر دکان پر گیا ادھر قمرالزمان تین سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس پہنچا بڑھیا نے کہا جب وہ تیری آج دعوت کرے اور تو اس کے گھر سوئے تو جو ماجرا ہو مجھ سے آ کر بیان کیجیو اور چار سو دینار اپنے ساتھ لیتا آئیو۔ جوں ہی وہ جوہری کے پاس پہنچا تو اس نے اسے

انگوٹھی دی وہ ٹھیک اتری۔ جوان نے کہا اے استادوں کے سر تاج! اب تو نے انگوٹھی
تو ٹھیک بنائی ہے لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• نو سو سترویں رات

نو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- قمرالزمان نے جوہری سے کہا انگوٹھی تو تو نے ٹھیک بنائی ہے لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا، میرے پاس اس سے اچھا نگینہ ہے یہ انگوٹھی کسی اپنی کنیز کے حوالے کر۔ یہ کہہ کر اس نے ایک دوسرا ہیرا نکالا سو دینار اسے دیئے اور کہا یہ تو مزدوری ہوئی لیکن جو تکلیف میں نے تجھے دی ہے اسے معاف کیجیو! جوہری بولا جو تکلیف تو نے مجھے دی ہے اس کا معاوضہ تو تو نے ادا کر دیا ہے اس کے علاوہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ میرے دل میں تیری محبت جاگزیں ہو گئی اور تیری جدائی مجھ پر شاق ہے۔ خدا کے لیے آج رات کو میری دعوت قبول کر کے میرا دل رکھ لے۔ اس نے کہا مضائقہ نہیں میں سرائے جا کر اپنے نوکروں سے کہہ آؤں میں آج رات باہر رہوں گا تاکہ وہ میری راہ نہ دیکھیں۔ جوہری بھی اس کے ساتھ ہو لیا تاکہ اسے لے کر آئے ورنہ اسے اپنی بیوی کے ناراض ہونے کا ڈر تھا۔ جب دونوں گھر پہنچے تو لڑکی اسے دیکھتے ہی اس کی محبت کا شکار ہو گئی۔ دونوں نے کھانا کھایا، پیا، نماز کا وقت آیا تو نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک کنیز دونوں کے لیے دو پیالے لائی جن میں کھانے پینے کی چیز تھی اس کے پیتے ہی انہیں نیند آ گئی۔ اب لڑکی ان کے پاس آئی دیکھا کہ دونوں سو رہے ہیں۔ قمرالزمان کے چہرے پر ٹکلی لگا دی اور کہنے لگی جو حسینوں کو چاہتے ہیں، سوتے نہیں۔ اور اسے چت لٹا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی، اتنے بوسے لیے کہ اس کے رخسار لال ہو گئے۔ اس کے ہونٹ اتنے چوسے کہ ان میں سے خون نکلنے لگا۔ باوجود ان تمام باتوں کے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اتنی دیر تک بوس و کنار کرتی اور ٹانگوں میں ٹانگیں ڈالے رہی کہ صبح نمودار ہونے لگی اس جوان کی جیب میں چار پانسے ڈال کر چل دی۔ اس نے اپنی کنیز کو نسلوار لے کر بھیجا اس نے اسے دونوں کی نتھنوں میں ڈال دی انہیں چھینک آئی اور

وہ دونوں جاگ اٹھے۔ کنیز نے کہا اے میرے آقا! نماز کا وقت آ گیا ہے اٹھ کر نماز پڑھو۔

کنیز جا کر تشر اور لوٹا لے آئی۔ قمرالزمان نے استاد سے کہا ہم ضرورت سے زیادہ سو چکے ہیں۔ اس نے جواب دیا اس کمرے میں ہمیشہ گہری نیند آتی ہے جب کبھی میں یہاں سوتا ہوں تو یہی پیش آتا ہے۔ جوان بولا تو سچ کہتا ہے جب وضو کرتے کرتے اس نے منہ پر پانی ڈالا تو اس کے رخسار اور ہونٹ جلنے لگے۔ وہ کہنے لگا اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے رخسار اور ہونٹ جل رہے ہیں؟ جوہری نے کہا مچھروں نے کاٹا ہو گا۔ جوان بولا کیا تجھے بھی کاٹا ہو گا؟ اس نے کہا نہیں لیکن جب کوئی بے داڑھی مونچھ والا شخص یہاں سوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کے کاٹنے کی شکایت کرتا ہے۔ داڑھی مونچھ والے کو مچھر نہیں کاٹتے اسی وجہ سے انہوں نے مجھے نہیں کاٹا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھر داڑھی مونچھ والوں کو پسند نہیں کرتے۔ لڑکا بولا تو سچ کہتا ہے پھر کنیز ناشتہ لائی اور دونوں ناشتہ کر کے چلے گئے۔ لڑکا بڑھیا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا تیرے چہرے سے خوشی ٹپکتی ہے۔ بتا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کچھ نہیں دیکھا۔ ہم دونوں نے ایک کمرے میں کھانا کھایا عشاء کی نماز پڑھی سو گئے اور صبح تک ہماری آنکھ نہیں کھلی۔

بڑھیا ہنسنے لگی اور کہا تیرے رخساروں اور ہونٹوں پر یہ نشان کیسے ہیں؟ وہ بولا مچھروں کی کارستانی کے۔ بڑھیا بولی تو سچ کہتا ہے لیکن مکان والے کو بھی مچھروں نے کاٹا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ استاد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس کمرے کے مچھر داڑھی مونچھ والوں کو نہیں کاٹتے۔ محض بے داڑھی مونچھ والوں کو کاٹتے ہیں۔ جب کبھی کوئی بے داڑھی مونچھ والا اس کا مہمان ہوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کی شکایت کرتا ہے اور اگر داڑھی مونچھ والا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آتی۔ بڑھیا بولی بالکل سچ لیکن اس کے علاوہ تو نے اور کوئی چیز بھی دیکھی؟ وہ بولا ہاں! میری جیب میں چار پانے پڑے ملے۔ بڑھیا نے کہا دکھا۔ لڑکے نے انہیں دکھایا

تو بڑھیا بولی یہ پانے تیری محبوبہ نے تیری جیب میں ڈال دیئے ہیں۔ لڑکا بولا یہ کیسے؟
 بڑھیا نے کہا وہ اشارتا تجھے بتانا چاہتی ہے کہ اگر تو عاشق ہوتا تو نہ سوتا، عاشق سویا نہیں
 کرتے تو ابھی بچہ ہے اور اسی قابل ہے کہ ان پانسوں سے کھیلے۔ تجھے حسینوں کو چاہنے
 سے مطلب! وہ رات کو تیرے پاس آئی تھی اور تجھے سوتا دیکھ کر تیرے اتنے بوسے
 لیے کہ تیرے رخسار زخمی ہو گئے لیکن ابھی اس کا ارمان پورا نہیں ہوا۔ وہ آج تیرے
 پاس اپنے شوہر کو بھیج کر پھر کھانے پر بلائے گی۔ لہذا جلد نہ سو جائیو اور پانچ سو دینار
 لے کر کل آئیو اور جو کچھ پیش آئے بیان کیجیو۔ ادھر جوہری کی بیوی نے شوہر
 سے پوچھا کہ مہمان چلا گیا؟ اس نے کہا ہاں! لیکن رات مچھروں نے اسے بہت کاٹا
 اور میں اس کے آگے بڑا پشیمان ہوا۔ بیوی بولی ہمارے کمرے کے مچھروں کی یہی عادت
 ہے کہ وہ بے داڑھی مونچھ والوں ہی کو کاٹتے ہیں خیر آج اسے پھر کھانے پر بلا۔
 جوہری جا کر اسے بلا لایا۔ انہوں نے کھایا پیا اور عشاء کی نماز پڑھی پھر کنیر نے آ
 کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• نو سو اکترویں رات

نو سو اکترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا وہ پی کر سو گئے لڑکی نے آ کر کہا ستیاناس ہو تیرا! تو عاشق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور سو جاتا ہے۔ عاشق بھی کہیں سویا کرتے ہیں؟ اب وہ پھر اس کے سینے پر چڑھ کر اس کے بوسے لینے، ہونٹ چوسنے اور ناز نخرے کرنے لگی اور صبح کے وقت اس کی جیب میں ایک چھری ڈال کر چل دی۔ اس کے بعد کنیز کو بھیج کر انہیں بیدار کرایا۔ لڑکا اٹھا تو اس کے رخسار آگ کی طرح جل رہے اور اس کے ہونٹ سرخ انگاہ تھے۔ جوہری نے پوچھا شاید تجھے آج بھی چھروں نے کاٹا ہے؟ اس نے کہا نہیں، کیونکہ وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا اور شکایت چھوڑ دی تھی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو چھری پڑی ہوئی ملی، مگر وہ چپ رہا۔ گھر جا کر پانچ سو دینار لیے، بڑھیا کے پاس پہنچا۔ اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا میں سونا نہیں چاہتا تھا لیکن آنکھیں بند ہو گئیں، جاگا تو میری جیب میں ایک چھری تھی۔ بڑھیا بولی، آج رات خدا خیر کرے! اس کا اشارہ یہ ہے کہ اگر تو پھر سو گیا تو میں تیری گردن کاٹ ڈالوں گی۔ لڑکے نے پوچھا، اب کیا کرنا چاہیے؟ بڑھیا بولی سونے سے پہلے تو کیا کھاتا اور کیا پیتا ہے؟ لڑکے نے کہا جو اور لوگ کھاتے ہیں، اس کے بعد ایک کنیز عشاء کے بعد آ کر ہمیں ایک ایک پیالہ دے جاتی اور اسے پی کر ایسا سو جاتا ہوں کہ صبح تک آنکھ نہیں کھلتی۔ بڑھیا بولی بس ساری آفت پیالے ہی کی لائی ہوئی ہے۔ آج تو پیالہ اس وقت تک نہ پیجیو جب تک اس کا شوہر پی کر نہ سو جائے اور کنیز سے کہنو کہ مجھے پانی پلا دے، وہ پانی لینے جائے تو پیالے کو تکیے کے پیچھے الٹ دیجیو اور جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر کے لیٹ جایو۔ تھوڑی دیر کے بعد تجھ پر سارا حال ظاہر ہو جائے گا لیکن خبردار! میرے کہنے پر چلیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے اور سرائے کی طرف چل دیا۔

یہ تو اس کا حال ہوا اب جوہری کی بیوی کا ماجرا سنو۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا، مہمان کی دعوت تین دن ہوتی ہے۔ وہ جا کر لڑکے کو بلا لایا۔ جب کھا پی کر نماز سے فارغ ہو چکے تو کنیز نے آ کر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا۔ جوہری اسے پی کر سو گیا اور لڑکے نے کنیز سے کہا میں پیسا ہوں، ایک کونہ پانی لے آ۔ وہ پانی لینے گئی تو اس نے پیالے کو تکیے کے پیچھے اندیل دیا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کنیز لوٹی اور اسے سوتا ہوا دیکھا تو جا کر اپنی آقا سے کہا وہ پیالہ پی کر سو گیا۔ لڑکی نے اپنے دل میں کہا اس کے جینے سے مرنا بہتر ہے ایک تیز چھری لے کر اس کے پاس گئی اور تین بار کہا، اے پاگل! تو نے میرا اشاہ نہیں سمجھا، اب میں تیرا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی۔ قمر الزمان نے اسے چھری لیے آتا دیکھ کر آنکھیں کھول دیں اور ہنستا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لڑکی بولی تو نے اپنی عقل سے تو میرا اشاہ نہیں سمجھا کسی کنٹی نے تجھے ہوشیار کر دیا۔ بتا تجھے کس نے بتایا؟ اس نے کہا، ایک بڑھیا نے اور اس کے ساتھ یہ یہ باتیں پیش آ چکی ہیں۔ لڑکی بولی، کل یہاں سے نکل کر بڑھیا کے پاس جائیو اور کہیو تیری چالوں کی پہنچ اس سے آگے بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے ہے تو اس سے کہیو مجھے لڑکی سے اعلانیہ ملا دے، اگر وہ کہے نہیں تو اس سے کناہ کش ہو جائیو۔ کل رات میرا شوہر پھر تجھے کھانے پر بلائے گا تو مجھ سے سارا ماجرا بیان کیجیو اور میں تجھے آخری تدبیر بتاؤں گی۔ لڑکے نے کہا، بہت خوب اور دونوں رات بھر مزے اڑاتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس نے لڑکے سے کہا، تجھ سے میری طبیعت ایک رات یا ایک دن یا ایک مہینے میں بھر نہیں سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی عمر تیرے ساتھ گزار دوں۔ لیکن ذار صبر کر، دیکھ میں اپنے شوہر کے ساتھ ایک ایسی چال چلتی ہوں جس سے بڑے بڑے سمجھدار لوگ حیران ہو جائیں۔ میں اسے شک میں ڈال کر اس سے طلاق لے لوں گی اور تجھ سے شادی کر کے تیرے گھر چلوں گی۔ بلکہ اسے دھوکا دے کر اس کا سارا مال تیرے پاس لے آؤں گی۔ اسے تباہ اور ملیا میٹ کر دوں گی۔ لیکن جیسا

میں کہوں ویسا ہی کیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے، تیرے خلاف میں کچھ نہیں کروں گا۔ لڑکی نے کہا جا اپنی سرائے اور جب میرا شوہر تجھے کھانے پر بلانے آئے تو اس سے کہیو بھائی! انسان جلد تنگ آ جاتا ہے اور جب بہت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں سخی ہو یا بخیل اکتا جاتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا کہ میں ہر روز جا کر تیرے ہاں سوؤں۔ اگر تو مجھ سے نہ بھی ناراض ہو تو تیری اہلیہ ہو جائے گی کیونکہ میری وجہ سے تو اس کے پاس نہیں جاتا اگر تو مجھ سے زیادہ میل جول رکھنا چاہتا ہے تو اپنے گھر کے پاس میرے لیے بھی ایک گھر لے دے تاکہ سونے کے وقت تک کبھی میں تیرے ہاں رہوں، کبھی تو میرے ہاں رہے اور سونے کا وقت آئے تو تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو ہر روز اپنی بیوی سے جدا رہے۔ تو یہ کہے گا تو وہ میرے پاس آ کر میری رائے لے گا میں اسے یہ مشورہ دوں گی کہ ہمارا پڑوسی اگر اٹھ جائے کیونکہ وہ ہمارا مکان ہے اور وہ آ رہے تو بہت اچھا ہے۔ پھر جب تو اس مکان میں آ جائے گا تو خدا اور باتیں بھی آسان کر دے گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد کنیز نے آ کر انہیں جگایا۔ جوہری کی آنکھ کھلی تو اس نے پوچھا اے تاجرا! آج مچھروں نے تجھے ستایا نہیں؟ اس نے کہا، نہیں۔ جوہری بولا شاید اب تجھے ان کی عادت ہو گئی ہے۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور وہ قہوہ پی کر اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ قمر الزمان نے بڑھیا کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

• نو سو بہترویں رات

نو سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- قمر الزمان نے بڑھیا کے پاس جا کر کہا کہ اس نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اس سے یہ کیا تو اور کوئی تدبیر کر سکتی ہے جس سے ہم دونوں علانیہ ملیں؟ اس نے جواب دیا بیٹا، اب اس کے آگے میرے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ جوان وہاں سے رخصت ہو کر سرائے گیا اور دوسرے دن شام کے وقت جوہری اسے بلانے آیا تو اس نے کہا میں تیرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جوہری بولا یہ کیوں؟ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور تیری جدائی گوارا نہیں، خدا کے لیے میرے ساتھ چل۔ لڑکے نے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ میں اور تو ہمیشہ ساتھ رہیں تو مجھے ایک مکان اپنے مکان کے قریب لے دے، اس وقت چاہے تو میرے ہاں رات گزارو چاہے میں تیرے ہاں رات گزاروں تاکہ جب سونے کا وقت آئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر پر چلا جائے۔ جوہری بولا میرے گھر کے پاس میرا ایک اور گھر ہے، آج تو میرے ساتھ چل، کل اس گھر کو میں تیرے لیے خالی کرا دوں گا۔ لڑکا اس کے ساتھ چل دیا دونوں نے کھانا کھایا نماز پڑھی اور جوہری نے وہ پیالہ پیا جس میں کچھ ملا ہوا تھا اور سو گیا۔ قمر الزمان کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی، اس نے پیا لیکن سویا نہیں، لڑکی آ کر اس سے رات بھر باتیں کرتی رہی اور اس کا شوہر مردے کی طرح پڑا رہا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کرائے دار کو بلا کر کہا میرا گھر خالی کر دے، مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس نے خالی کر دیا اور قمر الزمان اس میں رہنے لگا۔ پہلی رات جوہری اس کے گھر گیا اور جب سونے کا وقت آیا تو اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن لڑکی نے معمار کو بلا کر کہا میرے گھر سے دوسرے گھر تک سرنگ بنا دے۔ قمر الزمان کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور لڑکی دو تھیلیاں مال کی لے کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ قمر الزمان نے پوچھا کدھر سے آ گئی؟ اس نے سرنگ کی طرف اشارہ کیا پھر صبح تک اس کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کرتی رہی اور کہا کہ

اب جا کر میں اسے جگاتی ہوں تاکہ وہ دکان پر جائے تو میری راہ دیکھو میں ابھی لوٹ کر آتی ہوں۔ لڑکی نے جا کر اپنے شوہر کو جگایا، اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور دکان پر چلا گیا۔ اب لڑکی چار اور تھیلیاں لے کر اس کے پاس آئی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہو گئی اور قمر الزمان بازار چلا گیا۔ جب وہ مغرب کی وقت لوٹا تو اس نے دیکھا کہ دس تھیلیاں اور جواہرات وغیرہ کی اس کے ہاں رکھی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد جوہری گھر آیا اور قمر الزمان کو اپنے گھر میں لے گیا۔ کینر نے آ کر دونوں کو پیالے دیئے، جوہری پی کر سو گیا قمر الزمان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا کیونکہ اس کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی۔ لڑکی آ کر اس سے ہنسی مذاق کرنے لگی اور بہت کچھ سامان سرنگ کے راستے اس کے گھر منتقل کر دیا۔ تیسرے دن لڑکی نے ایک خنجر نکال کر اسے دیا جو اس کے شوہر نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور جس کی قیمت اس کے خیال میں پانچ سو دینار تھی۔ چونکہ لوگ اسے جوہری سے اکثر مانگتے رہتے تھے اس نے اسے ایک صندوق میں بند کر رکھا تھا اور کسی کے ہاتھ اسے بیچنے پر راضی نہ ہوتا۔ یہ خنجر اسے دے کر لڑکی نے کہا اسے کمر سے لگا کر میرے شوہر کے پاس جا اور اس سے کہیو کہ استاد یہ خنجر میں نے اسے آج خریدا ہے بتا کہ میں نے منگا خریدا ہے یا سستا؟ وہ اسے پہچان لے گا لیکن شرم کے مارے یہ نہیں کہے گا کہ یہ خنجر میرا ہے۔ اگر وہ پوچھے کہ کہاں سے خریدا اور کتنے دام دیئے؟ تو کہیو میں نے دیکھا کہ دو بدکار آپس میں ملے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تو کہاں تھا؟ وہ بولا کہ اپنی آشنا کے پاس اور جب کبھی میں اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ مجھے درہم دیا کرتی ہے لیکن آج اس نے کہا میرے پاس اس وقت درہم نہیں ہیں لہذا یہ خنجر لے جا، یہ میرے شوہر کا ہے۔ میں اس سے لے آیا اور چاہتا ہوں کہ اسے بیچوں۔

مجھے یہ خنجر پسند آیا میں نے تین سو دینار میں اسے خرید لیا، بتا سستا خریدا یا منگا؟ اس کے تھوڑی دیر بعد اس کے پاس سے چلا آیا اور سرنگ کے قریب آ کر خنجر مجھے واپس دیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ لڑکا خنجر لے کر جوہری کے پاس پہنچا اور کہا

اسے دیکھ۔ جوہری نے اپنا خنجر پہچان لیا لیکن مارے شرم کے کچھ نہ بولا۔
اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• نو سو تہترویں رات

نو سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوہری نے خنجر ہاتھ میں لے کر پوچھا تو نے یہ کہاں سے خریدا؟ اس نے وہی جواب دیا جو لڑکی نے اسے سکھا پڑھا دیا تھا۔ جوہری بولا ان دامنوں یہ سستا ہے، اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے۔ جوہری کا دل اندر سے تڑپ رہا تھا، اس نے اپنا کام بند کر دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اگر لڑکا اس سے پچاس لفظ کہتا تو وہ جواب میں محض ایک لفظ بولتا۔ جوہری کی یہ حالت دیکھ کر لڑکا اٹھا اور جلدی سے گھر چلا گیا۔ لڑکی نے پوچھا جو میں نے تجھ سے کہا تھا تو نے کیا؟ اس نے جواب دیا؟ لڑکا بولا اس نے کہا، یہ ان دامنوں سستا ہے، اس کی قیمت پانچ سو دینار ہے، لیکن اس کا رنگ فق ہو گیا اور میں اٹھ کر چلا آیا۔ لڑکی نے اس سے خنجر لے کر وہیں رکھ دیا جہاں وہ پہلے تھا اور بیٹھ گئی۔

یہ تو لڑکی کا ماجرا ہوا، اب اس کے شوہر کا حال سنو۔ قمر الزمان کے چلے جانے کے بعد اسے بڑی پریشانی اور گھبراہٹ ہوئی وہ اپنے دل میں کہنے لگا چل کر خنجر تلاش کرنا چاہیے تاکہ شک دور ہو جائے۔ وہ گھر گیا اور اڑدھے کی طرح ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! خیریت تو ہے؟ اس نے پوچھا خنجر کہاں ہے؟ بیوی بولی صندوق میں، اور پھر سینہ کوٹنے اور کہنے لگی ہائے میرے اللہ، کہیں تو کسی سے لڑا تو نہیں کہ خنجر لے کر اسے مارنے جائے گا؟ اس نے کہا خنجر لا کر مجھے دکھا۔ بیوی نے کہا، پہلے تو قسم کھا کہ اس سے کسی کو مارے گا تو نہیں۔ اس نے قسم کھائی بیوی خنجر نکال کر اس کے پاس لے آئی۔ وہ خنجر کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور کہتا یہ عجیب بات ہے! بیوی نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ وہ بولا میں نے اپنے دوست کے پاس ایسا ہی خنجر دیکھا ہے لیکن اب اسے دیکھ کر میرا شبہ جاتا رہا۔ بیوی بولی شاید تو نے میری طرف سے بدگمانی کی مجھے بدکار سمجھا اور یہ کہ میں نے اسے خنجر دیا

ہے؟ جوہری بولا ہاں مجھے شک ہوا تھا مگر خنجر دیکھنے کے بعد اطمینان ہو گیا ہے۔ بیوی نے کہا مردود، اب تجھ میں کوئی بھلائی باقی نہیں۔ جوہری معذرت کرنے لگا یہاں تک کہ وہ مان گئی اور جوہری اٹھ کر دکان پر چلا گیا۔ دوسرے دن اس نے قمر الزمان کو اپنے شوہر کی گھڑی دے کر اس کے پاس بھیجا جسے اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا جو لا جواب تھی اور کہا اس سے کہیو جس شخص کو میں نے کل دیکھا تھا، آج بھی دیکھا اس کے ہاتھ میں یہ گھڑی تھی، کہنے لگا یہ گھڑی خریدتا ہے؟ میں نے کہا، اسے کہاں سے لایا؟ اس نے کہا اپنی آشنا کے پاس سے، میں نے اسے پچاسی دینار میں خرید لیا۔ بتا یہ سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد تو جلدی سے واپس آ کر مجھے گھڑی دے دیجیو۔ قمر الزمان نے جوہری کے پاس آ کر یہی باتیں کہیں، اس نے کہا یہ گھڑی سات سو دینار کی ہے اور پھر شک میں پڑ گیا، ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور کہا میری گھڑی کہاں ہے؟ اس نے گھڑی نکال کر دکھا دی جوہری لاجوہل.... پڑھنے لگا اور بیوی سے کہا پہلے میں نے اپنے دوست تاجر کے پاس اپنا خنجر دیکھا اور پھر گھڑی، دونوں میری ہی بنائی ہوئی چیزیں ہیں ان کا جواب بھرے بھر میں کسی کے پاس نہیں کیا بتاؤں اس نے یہ یہ باتیں کہیں جن سے مجھے رنج پہنچا میری عقل دنگ ہو گئی اور خدا جانے میرے اوپر کیا گزری۔ بیوی نے کہا تیری تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ میں اس تاجر کی دوست اور آشنا ہوں تو نے مجھے خائن ٹھہرایا اور مجھ سے پوچھنے آیا۔ اگر تو نے میرے پاس اپنی گھڑی اور خنجر دیکھ نہ لیا ہوتا تو تجھے میری خیانت کا یقین آ جاتا۔ تیری اس بدگمانی کی وجہ سے اب میں نہ تیری روٹی کھاؤں گی نہ تیرا پانی پیوں گی اور تیری صحبت کو حرام سمجھوں گی۔ شوہر اسے منانے لگا اور پھر من گئی اور شوہر پشیمان ہو کر دکان چلا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چوتھریں رات

نو سو چوتھریں رات اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جوہری پشیمان ہو کر دکان چلا گیا، کبھی شک کرتا کبھی یقین۔ شام کے وقت وہ اکیلا قمر الزمان کے بغیر گھر آیا۔ لڑکی نے پوچھا، قمر الزمان کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا، اپنے گھر میں۔ لڑکی بولی، کیا تم دونوں کی دوستی ٹھنڈی پڑ گئی؟ شوہر نے کہا، واللہ ان باتوں سے میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ لڑکی بولی جا اور میری خاطر سے اسے لے آ۔ جوہری اٹھ کر اس کے گھر گیا اپنا سامان وہاں پھیلا پڑا دیکھا اس کے دل میں اگ بھڑکنے لگی آپہن بھرنے لگا۔ قمر الزمان نے پوچھا تو کس سوچ میں پڑا ہے؟ لیکن مارے شرم کے اس نے کچھ نہ کہا اور اس سے اپنے گھر چلنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا، میں تیرے گھر نہیں جاؤں گا، مجھے یہیں رہنے دے۔ جوہری نے اسے قسم دی اور اپنے گھر لے گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا اور تھوڑی دیر تک جاگتے رہے۔ اگر قمر الزمان اس سے سو لفظ کہتا تو وہ ایک لفظ میں جواب دیتا۔ اس کے بعد کنیز پیالے لائی جوہری پی کر سو گیا اور لڑکا جاگتا رہا۔ لڑکی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی دیکھا تو نے اس سینگ دار کو کہ وہ پڑا سو رہا ہے اسے عورتوں کے چھل فریب کی بالکل خبر نہیں۔ میں اس کے ساتھ اب ایسی چال چلوں گی کہ وہ مجھے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔ کل میں کنیز کے بھیس بدل کر تیرے ساتھ دکان چلوں گی تو کہیو کہ استاد! آج میں یسیرجہ کی سرائے گیا تھا وہاں اس کنیز کو ایک ہزار دینار میں مول لیا ہے، دیکھ کہ ان داموں سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد میرا چہرہ اور سینہ کھول کر اسے دکھا دیجیو، پھر مجھے اپنے گھر واپس لے آؤ میں سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی جاؤں گی اور اس آخری چال کا نتیجہ دیکھوں گی۔

دونوں نے رات بڑے مزے میں گزاری صبح ہوتے لڑکی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کنیز

نے آ کر اپنے آقا اور قمر الزمان کو جگایا۔ دونوں نے اٹھ کر وضو کیا، فجر کی نماز پڑھی ناشتہ اڑایا، قہوہ پیا، جوہری دکان چلا گیا اور قمر الزمان اپنے گھر۔ اتنے میں لڑکی کنیز کا بھی بدل سرنگ میں سے نکل کر اس کے پاس آئی۔ وہ پہلے تھی بھی کنیز ہی اور قمر الزمان کے ساتھ دکان چلی۔ وہاں پہنچ کر قمر الزمان نے جوہری کو سلام کیا اور بیٹھ کر کہنے لگا استاد! آج میں سیر کی غرض سے یسیرحہ کی سرائے گیا تھا۔ ایک دلال کے ساتھ اس کنیز کو دیکھا مجھے پسند آئی اور میں نے ایک ہزار دینار میں مول لے لیا۔ میں چاہتا ہوں تو اسے دیکھ کر بتائے کہ یہ سودا سستا ہے یا منگا۔ اتنا کہہ کر اس نے اس کا چہرہ کھول دیا جوہری نے دیکھا کہ وہ اس کی بیوی ہے، خوب بنی ٹھنی سرمہ اور مندی لگائے جس طرح کہ وہ اس کے آگے گھر میں بنی ٹھنی رہتی ہے۔ اس کے چہرے لباس اور گنے سے جو اس نے خود بنایا تھا وہ اسے بالکل پہچان گیا اس نظر ان انگوٹھیوں پر بھی پڑی جو اس نے حال میں قمر الزمان کے لیے بنائی تھیں اور اسے ہر طرح سے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ اس نے پوچھا کنیز، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا، حلیمہ۔ یہی اس کی بیوی کا نام تھا۔ اب اس نے جوان سے پوچھا، تو نے اسے کتنے میں خریدا ہے؟ لڑکا بولا ایک ہزار دینار میں۔ جوہری نے کہا ان دامنوں میں مفت ہے کیونکہ محض اس کی انگوٹھیوں، لباس اور دوسرے گنے کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ جوان بولا تو نے میرا سودا پسند کیا۔ خدا تجھے نیکی دے، اب میں اپنے گھر جاتا ہوں اور لڑکی کو ساتھ لے اپنے گھر چلا گیا اور لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

یہ تو لڑکی کے ساتھ پیش آیا، ادھر جوہری کے دل میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس نے اپنے دل میں کہا میں ابھی جا کر اپنی بیوی کو دیکھتا ہوں۔ اگر وہ گھر میں ہے تو یہ کنیز اس کے ہم شکل ہے اور اگر وہ گھر میں نہیں تو وہ ضرور میری بیوی ہے۔ وہ اٹھ کر گھر گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہی لباس اور گنا پہنے بیٹھی ہوئی ہے ہاتھ پر ہاتھ مار کر لاحول.... پڑھنے لگا۔ بیوی بولی تجھے جنون تو نہیں ہو گیا ہے؟ اس نے کہا

ہمارا دوست تاجر ایک کنیز خرید کر لایا تھا اس کا قد بھی تجھ سا تھا، بلندی بھی تجھ جیسی، نام بھی تیرا ہی اور لباس بھی یہی تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر گمان کیا کہ تو ہی ہے۔ کاش میں اس تاجر سے نہ ملا ہوتا کیونکہ اس نے میری خوشی مٹی میں ملا دی ہے اور میرے دل میں شک پیدا کر دیا ہے! بیوی بولی میرا چہرہ خوب غور سے دیکھ، ممکن ہے میں ہی اس کے ساتھ ہوں اور وہ میرا آشنا ہو۔ جوہری بولا تو یہ کیا کہتی ہے؟ میرے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ تو ایسی حرکت کرے۔ اس کے بعد بیوی نے کہا میں یہیں بیٹھی رہتی ہوں تو جا کر دروانہ کھڑکھڑا اور کسی چال سے فوراً اندر چلا جا۔ اگر تو نے اس کے پاس کسی کنیز کو دیکھا تو وہ میرے مشابہ ہو گی اور کسی کنیز کو نہ دیکھا تو وہ کنیز میں ہی ہوں اور تیرا شبہ بجا ہو گا۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے اور وہاں سے چل دیا۔ ادھر اس کی بیوی سرنگ میں سے ہو کر قمر الزمان کے پاس پہنچی اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا فوراً دروانہ کھول کر اسے میری صورت دکھا دے۔ اس نے دروانہ کھول کر جوہری کو اندر بلا لیا۔ جوہری نے دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ بیوی نے اٹھ کر اس کے اور قمر الزمان کے ہاتھ چومے۔ جوہری دیر تک اسے دیکھتا رہا اور اس سے باتیں کرتا رہا دیکھا کہ اس کنیز اور اس کی بیوی میں کوئی فرق نہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا، خدا جو چاہے پیدا کرے۔ اب اس کی حیرانی پریشانی اور بڑھ گئی وہ فوراً اپنے گھر واپس گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے کیونکہ وہ سرنگ میں سے ہو کر اس سے پہلے گھر پہنچ گئی تھی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو پچھترویں رات

نو سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے شوہر سے پہلے گھر پہنچ گئی اور جب وہ آیا تو کہنے لگی تو نے کیا دیکھا؟ شوہر نے کہا وہ اپنے آقا کے پاس تھی اور تیرے ہم شکل بیوی بولی جا اپنی دکان، میری طرف سے تو کافی بدگمانی کر چکا۔ شوہر بولا، قصور معاف کر۔ بیوی نے کہا خدا تجھے معاف کرے! اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو دائیں بائیں لپٹایا اور دکان چلا گیا۔ بیوی چار تھیلیاں لے کر سرنگ کے راستے سے قمر الزمان کے پاس پہنچی اور کہا جلدی سے سفر کی تیاری اور مال لے چلنے کا انتظام کر۔ قمر الزمان نے بازار جا کر خچر خریدے، ایک تخت رواں تیار کرایا غلام اور بھڑے مول لیے اور سب کو شہر کے باہر پہنچا کر لڑکی کے پاس آیا اور کہا میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔ لڑکی بولی، میں بھی اس کا سارا مال متاع لے کر تیرے پاس آگئی ہوں اس کے پاس ایک تنکا تک نہیں چھوڑا ہے۔ اے میرے پیارے! یہ سب تیری محبت کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے شوہر کو ہزار بار تجھ پر قربان کرتی ہوں۔ لیکن تجھے چاہیے کہ جا کر اس سے رخصت ہو اور کہہ کہ میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں، جو کچھ کرایہ میری طرف نکلتا ہو اس کا حساب کر لے تاکہ میں ادا کر دوں۔ جو کچھ وہ جواب دے مجھ سے آ کر کہیو، میں تو عاجز آگئی ہوں اور لاکھ کوشش کی کہ وہ مجھے طلاق دے دے لیکن وہ اور زیادہ مجھ سے مانوس ہوتا جاتا ہے اب سوائے اس کے چاہہ نہیں کہ میں تیرے وطن چلی چلوں۔ قمر الزمان نے کہا کاش یہ خواب صحیح نکلے اس نے دکان پر جا کر کہا، استاد! میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں اور تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں، کرائے کا حساب کر لے تاکہ میں بے باق کر دوں۔ جوہری نے کہا تو یہ کیا باتیں کرتا ہے؟ احسان تو تیرا میرے اوپر ہے، میں گھر کا کرایہ ہرگز نہ لوں گا۔ لیکن تو نے سفر کا نام لے

کر مجھے اداس کر دیا اگر میرے اوپر یہ حرام نہ ہوتا تو میں تجھے تیرے وطن جانے سے روک لیتا۔ یہ کہہ کر وہ گلے ملے اور دونوں بے حد روئے اور جوہری دکان بند کر کے اسے رخصت کرنے چلا۔ جب وہ قمر الزمان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بیوی وہاں موجود ہے پھر اپنے گھر گیا تو اسے وہاں پایا۔

تین دن تک یہی حالت رہی، اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ جوہری کا سارا مال اور فرش فروش تو میں نے یہاں منتقل کر دیا ہے محض وہ کنیز باقی رہ گئی ہے جو تمہارے لیے رات کو شراب لاتی ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتی وہ میری رشتے دار ہے میں اسے چاہتی ہوں اور وہ میری راز دار بھی ہے۔ میں اس پر ناراض ہوں گی، اسے ماروں گی اور جب میرا شوہر آئے گا تو اس سے کہوں گی کہ میں اس کنیز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہنا چاہتی، اسے لے جا کر بیچ ڈال وہ اسے بیچنے لے جائے تو تو اسے خرید لیجیو تا کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ اب اس نے کنیز کو مارا شوہر آیا تو اسے روتا دیکھ کر سب دریافت کیا۔ اس نے کہا میری آقا نے مارا ہے۔ جوہری نے بیوی سے پوچھا کہ اس مردود کنیز نے کیا خطا کی کہ تو نے اسے مارا؟ میں اس کنیز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی، اسے لے جا کر بیچ ڈال ورنہ مجھے طلاق دے دے۔ جوہری نے کہا میں ہر گز تیری مخالفت نہ کروں گا اسے ابھی بیچ آتا ہوں۔ وہ اسے بیچنے چلا تو راہ میں قمر الزمان ملا۔ اس اثنا میں لڑکی سرنگ میں سے ہو کر قمر الزمان کے پاس پہنچی اور قبل اس کے کہ وہ جوہری کے پاس جائے اس نے لڑکی کو تخت رواں پر سوار کر دیا۔ جب وہ جوہری کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ اس نے کنیز کو دیکھا تو کہا یہ کیا؟ جوہری بولا یہ میری کنیز ہے جو ہمیں شراب پلایا کرتی تھی لیکن اس نے اپنی آقا کو ناراض کر دیا ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بیچ ڈالوں۔ جوان نے کہا میرے ہاتھ بیچ ڈالو، اس کی وجہ سے مجھے تیری یاد آتی رہے گی اور میری کنیز حلیمہ کی خدمت کرے۔ جوہری بولا بہت خوب لے جا۔ جوان نے کہا، کتنے میں؟ جوہری بولا تجھ سے کچھ نہ لوں گا تیرا میرے اوپر احسان

ہے۔ اس نے منظور کر لیا اور لڑکی سے کہا اپنے آقا کا ہاتھ چوم، لڑکی نے تخت رواں سے اتر کر اس کا ہاتھ چوما اور پھر سوار ہو گئی۔ جوہری اسے دیکھتا رہا۔ قمر الزمان نے کہا، استاد عبید، میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں، ہمارا حساب کتاب بے باق ہے۔ جوہری بولا، خدا بے باق کرے اور تجھے صحیح و سلامت گھر والوں سے ملائے؟ غرض کہ اس سے رخصت ہو کر وہ روتا ہوا دکان پہنچا اسے قمر الزمان سے چھٹنے کا افسوس تھا ساتھ ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ چلا گیا اور بیوی کے بارے میں اس کا شک صحیح نہ نکلا۔ ادھر لڑکی نے قمر الزمان سے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چھترویں رات

نو سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔ قمر الزمان اس راستے سے روانہ ہوا جدھر سے لوگ عموماً آتے جاتے نہ تھے، چلتے چلتے مصر کی سرحد پر پہنچا اور وہاں پیادے کے ہاتھ باپ کو خط بھیجا۔ باپ تاجروں کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیادہ پہنچا۔ اس نے پوچھا تم میں سے عبدالرحمان نامی تاجر کون ہے؟ لوگوں نے کہا، تیرا اس سے کیا کام ہے؟ وہ بولا کہ میں اس کے بیٹے کا خط لایا ہوں اور میں نے اسے عریش کے پاس چھوڑا ہے۔ یہ سن کر عبدالرحمان خوش ہو گیا۔ دوسرے تاجر نے بھی خوش ہو کر اسے مبارک دی اس نے خط لے کر پڑھا-----

”قمر الزمان کی طرف تاجر عبدالرحمان کے نام، تجھ پر اور تمام تاجروں پر سلام پہنچے۔ خدا کا شکر کہ میں بھی بخیریت ہوں۔ میں نے خرید و فروخت کی، کمایا اور صحیح و سلامت لوٹ کر آ رہا ہوں۔“

یہ پڑھتے ہی وہ خوشیاں منانے لگے۔ دعوتیں اور گنا بجانا ہونے لگا۔ جب اس کا بیٹا صالحیہ پہنچا تو باپ اور تمام تاجر اس کے استقبال کے لیے گئے اور اس سے ملے۔ باپ اس کے گلے لپٹ گیا اسے سینے سے لگا لیا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو کہا بیٹا، مبارک ہو آج کا دن خدا نے ہمیں تجھ سے ملایا! اب اور تاجروں نے بڑھ کر اسے سلام کیا دیکھا کہ اس کے ساتھ بہت سا سامان، نوکر چاکر ایک تخت رواں ہے انہیں ساتھ لے کر وہ اس کے گھر پہنچے۔ لڑکی تخت رواں میں سے اتری، باپ نے دیکھا کہ وہ انسان کیا فتنہ ہے۔ اسے ایک محل میں اتارا، گویا وہ خزانہ تھی جو طلسمات سے نکلی تھی۔ ماں بھی اسے دیکھ کر فریفتہ ہو گئی سمجھی کہ وہ کوئی شاہزادی ہے۔ خوش ہوئی اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا تیری بہو ہوں۔ ماں نے کہا تو پھر ہمیں اس خوشی میں جشن منانا چاہیے۔

یہ تو لڑکی کا قصہ ہوا، اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اس نے بیٹے کے پاس آ کر پوچھا یہ کنیز کون ہے اور تو نے اسے کتنے میں مول لیا؟ اس نے جواب دیا یہ کنیز نہیں، یہ وہی لڑکی ہے جس کی وجہ سے میں پردیس گیا اور جس کا ذکر درویش نے کیا تھا۔ درویش سے اس کا ذکر سنتے ہی میرے دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ میں نے اسی کی خاطر سفر کیا راستے میں بدوؤں نے میرا سامان لوٹ لیا اور میرے کپڑے اتار لیے۔ میں اکیلا بھرے پہنچا اور میرے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا۔ باپ نے پوچھا ان تمام باتوں کے بعد تو نے اس سے شادی کی یا نہیں؟ لڑکا بولا نہیں لیکن اس سے میں نے وعدہ کر لیا ہے۔ باپ نے کہا کیا اب تو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو اجازت دے گا تو کر لوں گا ورنہ نہیں۔ باپ بولا اگر تو اس سے شادی کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں میرا ساتھ نہیں۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو تیرے ساتھ بھی یہی حرکت کرے گی۔ یہ دغا باز ہے اور دغا باز پر کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو میں اس سے خوب صورت لڑکی تلاش کروں گا جو پاک صاف ہو اور ایسا جشن مناؤں گا کہ کبھی نہ منایا گیا ہو۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے فلاں کی بیٹی سے شادی کی ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ کہیں کہ اس نے ایک کنیز سے شادی کی جس کا حسب نسب معلوم نہیں۔ قمر الزمان نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔

یہ سن کر باپ نے قمر الزمان کی پیشانی چومی اور کہا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ تیری جان کی قسم میں تیری شادی ایسی لڑکی سے کروں گا جس کا جواب نہ ہو گا۔ اب عبدالرحمان نے جوہری عبید کی بیوی اور اس کی کنیز کو ایک اونچے محل میں اتارا اور ان کے ساتھ ایک کالی کنیز کو رکھا جو انہیں کھانا پینا پہنچائے اور کہلا بھیجا کہ تو اور تیری کنیز یہیں بند رہے گی جب تک میں تمہیں کسی کے ہاتھ بیچ نہ ڈالوں، اگر تو نے یہ نہ مانا تو میں تجھے اور تیری کنیز دونوں کو قتل کر دوں گا کیونکہ تو نے خیانت کی ہے اور تجھ

میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس نے جواب دیا جو تیرا جی چاہے کر میں اس کی مستحق ہوں۔ اس نے دروازے میں قفل ڈال دیا اور اپنی بیوی سے کہا سوائے کالی کنیر کے ان کے پاس کوئی نہ جائے اور وہ بھی محض محراب میں سے انہیں کھانا پینا دے آیا کرے۔ اب وہ وہاں رہنے لگی۔ دن رات روتی اور پشیمان ہوتی کہ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ کیا کیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا، اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے کشتیوں کو ہر طرف روانہ کر دیا جب وہ کسی خوب صورت لڑکی کو دیکھتیں تو انہیں معلوم ہوتا کہ ایک اور لڑکی اس سے بھی زیادہ حسین ہے یہاں تک کہ وہ شیخ اسلام کے گھر پہنچیں دیکھا کہ اس کی بیٹی جوہری عبید کی بیوی سے ہزار درجے بہتر ہے آ کر عبدالرحمان کو خبر کی۔ عبدالرحمان اور دوسرے بڑے آدمی اس کے باپ کے پاس پیغام لے کر پہنچے۔ نکاح نامہ تیار ہو گیا اور دعوتیں شروع ہو گئیں۔ پہلے دن فقیہوں کو بلایا گیا اور میلاد شریف ہوا، دوسرے دن تمام تاجر مدعو کئے گئے۔ ہر روز گانے بجانے والے آتے گاتے بجاتے روزانہ ایک خاص طبقے کی دعوت ہوتی۔ چالیس دن تک یہی رنگ رہے عبدالرحمان اور اس کا بیٹا بیٹھ کر تماشا دیکھتے کہ اس جشن کا جواب نہیں۔ آخری دن دور اور نزدیک کے فقیروں اور مسکینوں کو دعوت دی گئی اور وہ آ کر دعوت میں شریک ہونے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ عبید بھی فقیروں کے ساتھ داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے سفر کے آثار نمودار تھے وہ ننگا اور تھکا ہارا تھا۔ قمر الزمان نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور باپ سے کہا اس فقیر کو ملاحظہ کیا جو ابھی دروازے سے داخل ہوا ہے؟ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے آیا ہے جن کی قیمت دو درہم ہو گی، اس کا چہرہ زرد اور اس پر گرد پڑی ہوئی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو سترویں راتے

نو سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب عبدالرحمان کے بیٹے نے اس سے کہا اس فقیر کو دیکھا تو اس نے پوچھا بیٹا! یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا جو عورت ہمارے ہاں قید میں ہے اس کا شوہر 'استاد عیبہ جوہری ہے۔ اس کے آنے کا سبب یہ تھا کہ جب وہ قمر الزمان سے رخصت ہو کر دکان پر گیا تو دن بھر وہاں کام کرتا رہا شام کو دکان میں قفل ڈال کر گھر گیا، دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ کھل گیا اندر جا کر دیکھا کہ نہ اس کی بیوی ہے نہ سامان اور گھر بری حالت میں پڑا ہوا ہے۔ گھر کو خالی دیکھ کر وہ ادھر ادھر پاگلوں کی طرح پھرنے لگا کوئی نظر نہ آیا کوٹھڑی کھولی تو اس کا سارا سامان غائب تھا۔ اب اس کے ہوش و حواس اڑ گئے اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اس کی بیوی ہی یہ چالیں چلتی تھی یہاں تک کہ وہ اسے دھوکا دے کر چل دی۔ لیکن اس نے یہ راز کسی سے نہ کہا تا کہ دشمن اس کا مذاق نہ اڑائیں اور دوستوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس رسوائی کو آشکارا نہ کر بلکہ جو کچھ تو کر سکتا ہے کر۔

اس نے گھر میں قفل لگایا دکان جا کر اسے اپنے ایک کاریگر کے سپرد کی اور کہا میرے دوست تاجر نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں اس کے ساتھ مصر چل کر سیر کروں اور اپنی بیوی کو بھی لے چلوں۔ اگر حاکم دریافت کرے تو کہیو کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے چیزوں کو بیچ کر اونٹ، خچر اور غلام و کنیزیں خریدیں ایک کنیز کو تخت رواں میں بٹھایا اور دس دن کے بعد دوست احباب سے رخصت ہو کر بھرے روانہ ہو گیا۔ لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ وہ خوش ہو گئے کہ ہر جمعے کو مسجدوں اور گھروں میں بند رہنے سے انہیں چھٹکارا ملا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ خدا پھر اسے بھرے نہ لائے ورنہ ہم پھر جمعے کو

مسجدوں اور گھروں میں بند رہا کریں گے! بعض کہتے کہ بھرے والوں کی بد دعا کی وجہ سے وہ سفر سے لوٹے گا ہی نہیں۔ بعض کہتے کہ اگر وہ لوٹا بھی تو خراب حال ہو کر لوٹے گا۔ جب جمعے کا دن آیا تو دستور کے مطابق شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ لوگ نماز سے دو گھنٹے پہلے مسجدوں میں چلے جائیں یا گھروں میں چھپ رہیں اور کتے بلیاں بھی بند کر دی جائیں۔ یہ سن کر لوگ حیران پریشان ہو گئے، حاکم کے پاس دربار میں جا کر کہا کہ جوہری تو اپنی بیوی کو لے کر حج کرنے گیا ہے، اب ہمیں کس لیے بند کیا جاتا ہے؟ حاکم بولا کیا وہ دعا باز چلا گیا ہے اور مجھے خبر تک نہیں؟ اگر وہ واپس آ گیا تب بھی تمہیں پھر تکلیف نہ دی جائے گی، جاؤ اپنی دکانوں پر اور خرید و فروخت کرو۔

یہ تو حاکم اور بھرے والوں کا ماجرا ہوا، اب جوہری عبید کا قصہ سنو۔ دس مرحلے طے کرنے کے بعد اس پر وہی گزری جو قمر الزمان پر بھرے میں داخل ہوتے وقت گزری تھی۔ بدوؤں نے اس پر حملہ کر کے اس کے کپڑے لے لے اتار لیے جو کچھ اس کے پاس تھا چھین لیا اور وہ مردہ بن کر لیٹ گیا۔ جب بدو چلے گئے تو وہ اٹھ کر آگے چلا اور چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا جہاں لوگوں نے اسے کچھ پھٹے پرانے کپڑے دے دیئے تاکہ وہ اپنی شرمگاہ ڈھانک سکے۔ اب وہ وہاں سے شہر بہ شہر بھیک مانگتا مصر پہنچا اور مارے بھوک کے بازاروں میں بھیک مانگنے لگا۔ ایک مصری نے اس سے کہا اے فقیر! آج ایک جگہ جشن منایا جا رہا ہے، وہاں جا کر کھا پی، اس وقت فقیروں اور مسکینوں ہی کی باری ہے۔ جوہری بولا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ مصری نے کہا، میرے ساتھ چل میں تجھے دکھا دوں گا۔ وہاں پہنچا تو قمر الزمان کی نظر اس پر پڑی وہ اسے پہچان گیا اور اس نے اپنے باپ سے کہا۔ باپ بولا بیٹا! اس وقت وہ بھوکا ہے پہلے اسے کھا پی لینے دے پھر ہم اسے بلائیں گے۔ وہ کھا پی کر باہر جانے لگا تو قمر الزمان کے باپ نے ایک شخص کو اس کے پیچھے دوڑایا اس نے جا کر کہا اے پردیسی! تاجر عبدالرحمان تجھے بلا رہا ہے۔ اس نے کہا یہ تاجر کون ہے؟ پیادے نے کہا جس کے ہاں جشن ہو

رہا ہے۔ جوہری لوٹ پڑا وہ سمجھا کہ تاجر مجھے انعام دے گا۔
 جوہری عبدالرحمان کے پاس پہنچا اور قمر الزمان سے چار آنکھیں ہوئی تو وہ مارے
 شرم کے بدحواس ہو گیا۔ قمر الزمان اٹھ کر اس سے لپٹ گیا سلام کیا اور دونوں
 دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کے بعد اس نے جوہری کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ باپ
 نے کہا اے ناسمجھ! دوست اس طرح نہیں ملا کرتے، اسے حمام بھیج اور اس کی شان
 کے لائق اسے کپڑے پہنا، اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کر۔ تاجر نے ایک نوکر کو آواز
 دی اور کہا اسے حمام لے جا، اس نے اس کے لیے ایک پوشاک بھیجی جس کی قیمت
 ایک ہزار دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گی، اسے پہن کر وہ ایسا معلوم ہونے لگا
 جیسے تاجروں کا شاہ بندر۔ جب وہ حمام میں تھا تو لوگوں نے قمر الزمان سے پوچھا یہ کون
 ہے اور تو اسے کہاں سے جانتا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ میرا دوست ہے، اس نے
 مجھے اپنے گھر میں رکھا اور مجھ پر بڑے احسان کئے ہیں۔ وہ امیر کبیر ہے اس کا پیشہ
 جوہری کا ہے اور بصرے کا حاکم اس سے بڑی محبت کرتا ہے۔ مجھے اس کے آگے
 شرم آتی ہے کہ اس کے احسانوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ کچھ کر سکتا۔ انہوں
 نے کہا ہم سب اس کا واجبی احترام کریں گے لیکن ہم جانا چاہتے ہیں کہ وہ مصر
 کس لیے آیا اور اس کا یہ برا حال کیونکر ہوا؟ جوان بولا، انسان قضا و قدر کی رسی میں
 جکڑا ہوا ہے اور جب تک وہ اس دنیا میں رہتا ہے آفتیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔
 اب قمر الزمان نے اپنی کہانی شروع کی کہ جب میں بصرے پہنچا تو میری حالت اس
 سے بھی زیادہ بری تھی۔ وہ تو کم از کم پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے، میرے پاس
 تو اپنی شرمگاہ چھپانے کے لیے بھی کوئی کپڑا لتا نہ تھا۔ میرا ایک ہاتھ آگے تھا اور
 ایک پیچھے، سوا خدا اور اس شخص کے کسی نے میری مدد نہ کی۔ جب بدو، میرے کپڑے
 لے لے کر چل دیئے تو میں بالکل ننگا بصرے میں داخل ہوا، اسی شخص نے
 مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیئے اور گھر رہنے کو، اور جو کچھ بھی میں لے کر آیا ہوں
 وہ خدا اور اس کی بدولت ہے۔ جس وقت میں مال و دولت لے کر خوش خوش اپنے

وطن لوٹا ہوں تو وہ بڑی اچھی حالت میں تھا شاید اس کے بعد اس پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے کہ وہ اپنے ملک اور وطن چھوڑ کر یہاں سے آیا اور غالباً راہ میں اس پر بھی وہی گزری ہے جو مجھ پر گزری تھی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ استاد عبید آگیا۔ سب نے اٹھ کر اسے سلام کیا اور صدر میں بٹھایا۔ قمر الزمان نے کہا دوست! آج کا دن مبارک ہے۔ مجھ پر رشک نہ کھا کیونکہ یہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا اگر بدوؤں نے تیرا مال چھین لیا ہے تو غم نہ کر، تیرے جسم سے بلا اتر گئی۔ میں بھی تیرے شہر میں ننگا پہنچا تھا اور تو نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیئے میری عزت کی اور مجھ پر بڑا احسان کیا، میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اٹھترویں رات

نو سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- قمر الزمان نے کہا میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ میرے پاس بیٹھنے کے بعد غم کس بات کا خوش ہو۔ اسی طرح وہ اس کی دل دہی کرتا رہا اور اسے بات کرنے کا موقع نہ دیا کہ کہیں وہ اپنی بیوی کا ذکر نہ کر بیٹھے۔ جوہری سمجھ گیا وہ بھی کچھ نہ بولا۔ پھر قمر الزمان اور اس کا باپ جوہری کو لے کر اندر گئے اس سے تنہائی میں باتیں کیں اور کہا ہم نے عمداً تجھے باتیں کرنے سے روکا ورنہ تیری اور ہماری دونوں کی فضیحت ہو جاتی۔ اب ہم اکیلے ہیں، بتا کہ تجھ میں تیری بیوی اور میرے بیٹے میں کیا ماجرا پیش آیا؟ جوہری نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ جب وہ ختم کر چکا تو عبدالرحمان نے پوچھا اس میں خطا تیری بیوی کی ہے یا میرے بیٹے کی؟ جوہری بولا تیرا بیٹا بالکل قصور وار نہیں۔ مردوں کو تو ہمیشہ عورتوں کی طرف کشش ہوتی ہے لیکن عورتوں کا فرض ہے کہ وہ مردوں سے بچتی رہیں۔ لہذا خطا میری بیوی کی ہے کیونکہ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ساتھ یہ حرکت کی۔ تاجر اٹھ کر اپنے بیٹے کے پاس گیا اور کہا میں نے اس کی بیوی کے بارے میں معلوم کر لیا ہے کہ وہ دغا باز ہے لیکن میں جاننا چاہتا ہوں آیا جوہری میں عزت اور انسانیت ہے یا وہ بھی کتنا ہے؟ بیٹے نے کہا تو یہ کیسے معلوم کرے گا؟

تاجر بولا میں اس سے کہوں گا کہ وہ اپنی بیوی سے صلح کر لے۔ اگر وہ صلح کرنے پر راضی ہو گیا تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کے بعد اس کی بیوی اور کنیز کو بھی قتل کر ڈالوں گا کیونکہ کٹنے اور زانیہ کے جینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر وہ اس سے الگ ہو جائے گا تو میں اس کی شادی تیری بہن سے کر دوں گا اور جتنا مال تجھے اس سے ملا ہے اس سے زیادہ اسے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ جوہری

کے پاس گیا اور کہا استاد! عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے بڑی دلیا دلی کی ضرورت ہے اور جو ان سے محبت کرے اسے نہایت فراخ دلی سے کام لینا چاہیے وہ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے مردوں کے ساتھ ناز و محرم کرتی اور انہیں ستاتی ہیں خاص کر جب انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے شوہر انہیں چاہتے ہیں جس مرد کا دل بڑا نہ ہو وہ اپنی بیوی کی بری بات دیکھ کر اس کی صحبت ترک کر دیتا ہے۔ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ آسمان پر ہی کیوں نہ ہوں مردوں کی گردنیں ان کی طرف جھکتی ہیں۔ یہ تو تیری بیوی ہے اور تو نے اس کے ساتھ ایک مدت گزاری ہے، تجھے چاہیے کہ اسے معاف کر دے۔ عورتوں کی سمجھ اور دین ناقص ہوتے ہیں اگرچہ اس نے برا کیا ہے اب وہ توبہ کرتی ہے اور خدا نے چاہا تو وہ پھر ایسا نہ کرے گی۔ لہذا میری رائے ہے کہ تو اس کے ساتھ صلح کر لے میں تیرے مال سے زیادہ تجھے دوں گا۔ اور اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہے گا تو بہ سر و چشم، یہاں تم لوگوں کے لیے ہر طرح سے خوشی ہی خوشی ہے۔ اور اگر تو اپنے گھر جانا چاہے تو جو تیری مرضی ہو لے جا تخت رواں حاضر ہے۔ اپنی بیوی اور کنیز کو اس میں بٹھا کر اپنے وطن چلا جا جوہری نے پوچھا۔ اے میرے آقا! میری بیوی کہاں ہے؟ اس نے کہا، فلاں محل میں۔ اس کے پاس جا کر اسے میری طرف سے تسلی دے اور سختی نہ کر۔ جب میرا بیٹا اسے لایا ہے تو وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے روک دیا اسے ایک محل میں اتار کر اس میں قفل لگا دیا اور اپنے دل میں کہا کہ جب اس کا شوہر آئے گا تو میں اسے اس کے سپرد کر دوں گا کیونکہ وہ حسین ہے۔ اب رہا میرا بیٹا، اس کی شادی میں نے دوسری لڑکی سے کر دی ہے یہ اسی کا جشن ہے جو منایا جا رہا ہے اور آج رات وہ اس سے ہم بستر ہو گا۔ لے یہ اس محل کی کنجی ہے جس میں تیری بیوی ہے، اسے کھول کر اپنی بیوی اور کنیز سے مل اور خوش ہو۔ میں کھانا پینا بھیجتا ہوں، جب تک تو پیٹ بھر کر کھا نہ لیجیو وہاں سے نہ نکلیو۔ جوہری بولا خدا تجھے نیک بدلہ دے، اور کنجی لے کر خوش خوش چل دیا۔ تاجر سمجھا کہ اسے یہ باتیں

پسند آئیں، تلوار لے کر چپکے چپکے اس کے پیچھے ہو لیا اور کھڑا ہو کر سننے لگا کہ اس میں اور اس کی بیوی میں کیا باتیں پیش آتی ہیں۔

یہ تو عبدالرحمان کا قصہ ہے، اب جوہری کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا، سنو! جب وہ اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس بات پر بلک بلک کر رو رہی ہے کہ قمر الزمان نے دوسری شادی کر لی اور کنیز اس سے کہہ رہی ہے کہ اے میری آقا! میں نے تجھے کتنا سمجھایا کہ اس جوان سے تجھے کوئی بھلائی نہ ملے گی لیکن تو نے میری بات نہ سنی اپنے شوہر کا مال تک اسے دے دیا اور گھر بار چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دی دیکھا اس نے تجھے کس طرح اپنے دل سے نکال دیا اور دوسری شادی کر لی اور تجھے قید کر دیا۔ لڑکی بولی، اے ملعونہ! چپ رہ، اگرچہ اس نے دوسری شادی کر لی لیکن ایک نہ ایک دن اسے ضرور میری یاد آئے گی اور وہ میرے بارے میں دریافت کرے گا۔ میں اپنے دل سے اس کی محبت نہیں نکال سکتی خواہ میں قید خانے میں مر ہی کیوں نہ جاؤں وہ میرا پیارا اور میرے دکھ کی دوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری طرف لوٹ کر آ جائے گا۔ جب اس کے شوہر نے اس کی یہ باتیں سنی تو اس کے پاس جا کر کہا اے دغا باز! تیری امید اس کے بارے میں ایسی ہے جیسی ابلیس کی جنت کے بارے میں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تجھ میں یہ عیب ہے تو میں تجھے ایک پہر اپنے پاس نہ ٹھہرنے دیتا۔ اب جب کہ مجھے یقین ہو گیا ہے تو لازم ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں خواہ اس کے بدلے میں قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اس کا گلا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گئی۔ کنیز چلانے لگی کہ ہائے میری آقا! جوہری نے کہا اے چڑیل، قصور سارا تیرا ہے، تجھے معلوم تھا کہ وہ یہ جو کچھ کر رہی ہے لیکن تو نے مجھے خبر نہ کی۔ اس کے بعد اس نے کنیز کا بھی گلا گھونٹ دیا۔ ادھر یہ واردات ہو رہی تھی اور ادھر عبدالرحمن ہاتھ میں تلوار لیے دروازے کے پیچھے کھڑا سن رہا اور دیکھ رہا تھا۔ جب عبید نے دیکھا کہ میں نے تاجر کے گھر میں انہیں مار ڈالا ہے تو اسے طرح طرح کے وہم آنے لگے، نتیجے سے ڈرا اور اپنے دل میں

کہنے لگا کہ جب تاجر کو معلوم ہو گا میں نے انہیں اس کے محل کے اندر قتل کیا ہے تو وہ ضرور مجھے بھی قتل کر ڈالے گا، لیکن میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو! اتنے میں تاجر عبدالرحمان اس کے پاس اندر جا پہنچا اور کہنے لگا ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہ ہو گا۔ دیکھ یہ تلوار میں اس لیے لایا تھا کہ اگر تو نے صلح کر لی تو میں تجھے بھی مار ڈالوں اور لڑکی کو بھی۔ لیکن چونکہ تو نے یہ کام کیا ہے، لہذا مرحبا، مرحبا! اس کے بدلے میں تیری شادی اپنی بیٹی سے کروں گا۔ اب تاجر جوہری کو لے کر باہر آیا مردہ شو کو بلوایا اور یہ خبر مشہور کر دی کہ قمر الزمان دو کنیریں ساتھ لایا تھا، ان کا انتقال ہو گیا لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے اور کہتے کہ تو سلامت رہے ان کے بدل خدا تجھے اور دے! اس کے بعد دونوں کو غسل دے کر کفن پہنایا اور دفن کر آئے۔ کسی کو اصل واقعے کا پتا تک نہ چلا۔

یہ تو جوہری عبید اور اس کی بیوی اور کنیر ماجرا ہوا۔ اب تاجر عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے شیخ الاسلام اور تمام امراء کو بلا کر کہا کہ اے شیخ الاسلام! میری بیٹی کو کب الصبح کا نکاح نامہ استاد عبید جوہری کے نام لکھ دے۔ اس کا مر مجھے پورا مل چکا ہے اور دونوں جشن ساتھ ساتھ منائے جانے لگے۔ شیخ الاسلام کی بیٹی اور کوکب الصبح کی منہ دکھائی ایک ہی تخت رواں پر ایک ہی رات ساتھ ساتھ کی گئی۔ اسی طرح شام کے وقت قمر الزمان اور استاد عبید کی منہ دکھائی ساتھ ساتھ ہوئی اور عبید نے دیکھا کہ کوکب الصبح اس کی بیوی سے ہزار درجے خوبصورت ہے۔ کچھ دنوں تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ ایک روز تاجر عبدالرحمان کے پاس گیا اور کہنے لگا چچا! مجھے وطن جانے کا اشتیاق ہے، وہاں میرا بڑا کاروبار ہے میں اسے اپنے ایک کاریگر کے سپرد کر آیا تھا۔ چاہتا ہوں کہ وطن جا کر ساری چیزیں بیچ ڈالوں اور پھر لوٹ کر یہاں آ جاؤں۔ تاجر بولا بیٹا! تجھے دل سے اجازت دیتا ہوں وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے لیکن اگر تو بغیر اپنی بیوی کے واپس جائے گا تو تیرا دل ڈانواں ڈول رہے گا کہ وطن میں رہوں یا بیوی کے پاس جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی بیوی کو بھی

لیتا جا، پھر اگر تو یہاں آنا چاہے تو مرحبا۔ ہم لوگ طلاق بالکل نہیں جانتے نہ ہماری عورتیں دوبارہ شادی کرتی ہیں اور نہ ہم کسی شخص کو نکال باہر کرتے ہیں۔

جوہری بولا مجھے ڈر ہے کہ شاید تیری لڑکی میرے ساتھ وطن چلنے پر راضی نہ ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنے شوہر کی مخالفت کرے یا اس پر ناراض ہو۔ جوہری بولا برکت دے خدا تمہیں اور تمہاری عورتوں کو۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں، تو کیا کہتی ہے؟ وہ بولی کہ جب تک میں کنواری تھی باپ کے حکم پر چلتی تھی اور اب چونکہ میری شادی ہو گئی ہے شوہر کا حکم مانوں گی اور کبھی اس کی مخالفت نہ کروں گی۔ جوہری بولا برکت دے خدا تجھے اور تیرے باپ کو اور رحمت بھیجے اس پر جس نے تیرا بوجھ اٹھایا اور اس پیٹھ پر جس سے تجھے رحم میں ڈالا۔ اب وہ چچا سے رخصت ہوا اور اپنی بیوی کو لے کر بھرے پہنچا۔ اس کے دوست اور رشتے دار اس کے خیر مقدم کے لیے گئے وہ اب تک اسی خیال میں تھے کہ وہ حجاز گیا ہوا ہے بعض اس کے آنے پر خوش تھے بعض ناخوش، بعض کہتے تھے کہ پھر وہ آ گیا ہے اب ہمیں پھر مسجدوں اور گھروں میں بند ہونا پڑے گا یہاں تک کہ کتوں اور بلیوں کو بھی بند کرنا پڑے گا۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا، اب بھرے کے حاکم کا قصہ سنو! جب اسے معلوم ہوا کہ جوہری آ گیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا اور اسے بلا کر کہا تو چلا گیا اور مجھے خبر تک نہ کی۔ کیا میں اتنا کم ہمت تھا کہ تجھے سفر کے لیے کچھ نہ دیتا؟ اس نے کہا معاف کر

واللہ میں جج پر نہیں گیا تھا بلکہ میرے ساتھ یہ باتیں پیش آئی تھیں۔ حاکم نے کہا واللہ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر کے اس لڑکی سے شادی کر لیتا خواہ اس میں مجھے خزانے کیوں نہ خرچ کر دینے پڑتے لیکن خدا نے اسے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس لیے اسے اچھی طرح سے رکھو۔ اس کے بعد حاکم نے اسے انعام دیا اور وہ چلا آیا۔ پانچ سال تک لڑکی کے ساتھ بسر کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

حاکم نے اس سے شادی کی درخواست کی، وہ راضی نہ ہوئی اور حاکم سے کہا ہم لوگوں میں کوئی عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے شادی نہیں کرتی۔ لہذا نہ میں تجھ سے شادی کر سکتی ہوں نہ کسی اور سے خواہ تو مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالے۔

اس کے بعد حاکم نے پوچھا کہ کیا تو اپنے وطن واپس جانا چاہتی ہے؟ اس نے جواب میں کہلا بھیجا اگر تو میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو تجھے اس کا بدلہ ملے گا۔ حاکم نے جوہری کا تمام مال جمع کیا اور اس کی حیثیت کے مطابق اپنے پاس سے بھی دیا اور اپنے ایک وزیر کے ہمراہ اسے روانہ کر دیا اور پانچ سو سوار اس کے ساتھ کر دیئے۔ وزیر اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا آئے۔ مرتے دم تک اس نے شادی نہ کی اور کر بھی کیسے سکتی تھی؟ جب اس نے حاکم سے شادی نہ کی تو پھر کس سے کرتی۔

اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ سب عورتیں برابر ہوتی ہیں تو اس کے جنوں کا کوئی علاج نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جو کبھی نہیں مرتی۔

○ عبداللہ بن قاضل اور اس کے بھائیوں کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- ایک یہ کہانی بھی لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید ملکوں کے خراج کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سوائے بصرے کے خراج کے تمام ملکوں کا خراج موجود ہے۔ وزیر جعفر کو بلا کر پوچھا کہ تمام ملکوں کا خراج بیت المال میں آ گیا ہے لیکن بصرے کا ابھی تک نہیں آیا۔ جعفر نے عرض کیا ممکن ہے کہ بصرے کے والی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آ گئی ہو جس کی وجہ سے وہ خراج بھیجنا بھول گیا ہو۔ خلیفہ نے کہا خراج بھیجنے کی مدت بیس دن ہوئے گزر چکی ہے اس اثنا میں نہ اس نے خراج بھیجا اور نہ اس تعویق کی وجہ لکھی۔ جعفر نے کہا اگر تیری رائے ہو تو ہم اس کے پاس کسی کو بھیجیں۔ خلیفہ بولا ابو اسحاق الموصلی

الندیم کو بھیج۔ جعفر نے گھر جا کر ابو اسحاق کو بلوایا اور اسے خط دے کر کہا بصرے کے والی عبداللہ بن فاضل کے پاس جا اور دیکھ اس نے خراج بھیجنے میں کیوں غفلت کی۔ پھر خراج لے کر فوراً لوٹ آئیو۔ اگر خراج موجود نہ ہو اور وہ عذر کرے تو اسے اپنے ساتھ لیتا آئیو تاکہ وہ خلیفہ کے آگے خود جواب دہی کر لے۔ ابو اسحاق پانچ ہزار سوار لے کر روانہ ہو گیا اور بصرے پہنچا۔ عبداللہ بن فاضل کو اس کے آنے کی خبر ملی تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے استقبال کو گیا اسے لے کر بصرے میں داخل ہوا اور اپنے محل میں اتارا۔

جب ابو اسحاق دربار میں آیا کرسی پر بیٹھا تو اس نے عبداللہ کو اپنے پہلو میں بٹھایا سارے درباری درجہ بہ درجہ بیٹھے۔ مزاج پرسی کے بعد ابن فاضل نے پوچھا اے میرے آقا! کیا کسی خاص وجہ سے تو نے قدم رنجہ فرمایا؟ اس نے کہا خراج لینے کے لیے کیونکہ خلیفہ کہتا ہے کہ خراج بھیجنے کا وقت گزر چکا اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابن فاضل نے کہا اس لیے تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ خراج پورا حاضر ہے اور میں اسے کل بھیجنے والا تھا لیکن چونکہ تو آگیا میں تین روز تیری ضیافت کر کے تیرے حوالے کر دوں گا اور اب چونکہ تو نے اور امیر المومنین نے میرے اوپر مہربانی کی ہے میرے لیے واجب ہے کہ تجھے ہدیہ دوں۔ اس کے بعد اس کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا، قہوہ، شربت پلایا اور جب بیٹھے بیٹھے تہائی رات گزر گئی تو اس کے لیے ہاتھی دانت کا تخت بچھوایا جس پر سونے کا کام تھا۔ ابو اسحاق اس پر لیٹ گیا اور بصرے کا والی دوسرے تخت پر جو اس کے بازو میں تھا۔ ابو اسحاق کو اس رات نیند نہ آئی کیونکہ وہ شعر کی بحرور اور نظام میں غرق تھا۔ اسے اشعار اور لطیفہ گوئی میں خاص لیاقت تھی، آدھی رات تک شعر کہتا رہا۔ اتنے وہ کیا دیکھتا ہے فاضل اٹھا اور ایک الماری کھول کر اس میں سے ایک کوڑا نکالا اور ایک جلتی ہوئی شمع لے کر محل کے دروازے سے نکل گیا، اسے یہی خیال تھا کہ ابو اسحاق سو رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• نو سو اٹاسی ویں رات

نو سو اٹاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب عبداللہ بن فاضل دروازے سے نکلا تو ابو اسحاق حیران ہوا اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ کوڑا لے کسی کو سزا دینے جاتا ہے۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے جا کر دیکھوں تو سہی کہ وہ آج رات کیا کرتا ہے۔ ابو اسحاق اٹھ کر دبے پاؤں اس کے پیچھے ہو لیا اس طرح سے کہ وہ اسے نہ دیکھ سکے کیا دیکھتا ہے کہ عبداللہ نے ایک کوٹھڑی کھولی اور اس میں سے ایک سینی نکالی جس پر چار پیالوں میں کھانا، روٹی اور ایک کونہ پانی۔ ان چیزوں کو لے کر وہ ایک دوسری کوٹھڑی میں گیا اور ابو اسحاق دروازے کی دراڑ میں سے جھانکنے لگا دیکھا اس میں بڑا قیمتی فرش بچھا ہوا ہے، بیچ میں ایک ہاتھی دانت کا تخت پڑا ہے جس پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں، اس تخت سے دو کتے سونے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ عبداللہ نے سینی تو ایک طرف رکھ دی اور آستینیں چڑھا کر

ایک کتے کو کھولا۔ کتا اچھلنے کودنے لگا اور اس نے اپنی تھو تھنی زمین پر رکھ دی گویا وہ اس کے آگے زمین چوم رہا ہے۔ اب اس نے کتے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑا نکالا اسے بے رحمی کے ساتھ مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اس کی آواز بند ہو گئی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے کتے کے ساتھ بھی وہی کیا جو پہلے کتے کے ساتھ کیا تھا، پھر اس نے رومال نکال کر دونوں کے آنسو پونچھے اور انہیں چپکار کر کہا مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ واللہ میں یہ اپنی خوشی سے نہیں کرتا ہوں بلکہ یہ مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں اس مصیبت سے نجات دے۔ پھر اس نے دسترخوان پر سے کھانا لے کر ان کے منہ میں نوالے دیئے اور ان کے منہ پونچھ کر انہیں کوزے سے پانی پلایا، عبداللہ لوٹنے لگا تو ابو اسحاق اس سے پہلے

ہی جا کر تخت پر لیٹ گیا۔ عبداللہ نے ساری چیزیں اپنی جگہ رکھ دیں اور کپڑے اتار کر سو گیا۔

یہ تو اس کا ماجرا ہوا اب ابو اسحاق کا حال سنو! مارے حیرانی کے اسے رات بھر نیند نہ آئی وہ اپنے دل میں کہتا کہ 'یا اللہ' یہ کیا قصہ ہے؟ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اٹھ کر ناشتہ کیا اور قہوہ پی کر دربار میں گئے، ابو اسحاق اسی سوچ میں لگا رہا لیکن عبداللہ سے کچھ ذکر نہ کیا نہ اس نے کچھ پوچھا۔ دوسری رات پھر یہی باتیں اس کی نظر سے گزریں اور پھر تیسری رات بھی، چوتھے روز وہ خراج لے کر روانہ ہو گیا اور عبداللہ سے کچھ نہ کہا۔ جب اس نے بغداد پہنچ کر خلیفہ کو خراج دیا اور کہا کہ خراج روانگی کے لیے بالکل تیار تھا، اگر میں ایک دن بعد روانہ ہوتا تو وہ مجھے راستے میں ملتا، لیکن میں نے عبداللہ کی ایک ایسی عجیب و غریب بات دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کی وجہ بھی پوچھی؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ خلیفہ نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ بھرے جا کر عبداللہ اور دونوں کتوں کو لے آ۔ اس نے کہا کہ مجھے اس سے معاف رکھ کیونکہ اس نے میرا بڑا احترام کیا ہے اور یہ باتیں مجھے اتفاقاً معلوم ہو گئی ہیں اور میں نے ان کا ذکر تجھ سے کر دیا ہے۔ میں کیا منہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اسے لے کر یہاں آؤں؟ خلیفہ نے کہا اگر میں کسی دوسرے کو بھیجوں تو ممکن ہے کہ وہ مکر جائے کہے کہ میرے پاس کتے نہیں لیکن تیرے سامنے وہ مکر نہیں سکتا۔ اس لیے تیرا جانا ضروری ہے ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اسی ویں رات

نو سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خلیفہ بولا کہ اگر تو نہ جائے گا تو میری تیری گردن اڑا دوں گا۔ ابو اسحاق نے کہا۔ یہ مثل سچ ہے کہ ساری آفتیں زبان سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں نے تجھ سے کہہ کر خود اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا اچھا تو اپنے ہاتھ سے خط لکھ اور جا کر اسے لے آؤں گا۔ خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے خط لکھا اور وہ اسے لے کر بھرے روانہ ہو گیا۔ والی نے اسے دیکھ کر پوچھا خدا خیر کرے، تو دوبارہ کیسے آیا ہے؟ کیا خراج میں کچھ کمی ہے؟ اس نے کہا نہیں، خراج تو پورا ہے اور خلیفہ نے اسے منظور کر لیا ہے۔ لیکن مجھے معاف کر کہ مجھ سے تیرے حق میں ایک گستاخی سرزد ہو گئی ہے، کیا کیا جائے، قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ عبداللہ بولا وہ کیا ہے مجھ سے کہہ دے، تو میرا دوست ہے، میں تجھ پر ناراض نہیں ہو سکتا۔ ابو اسحاق بولا میں تیرے پاس مہمان تھا تو میں نے تین رات برابر دیکھا کہ تو اٹھ کر کتوں کو مارتا ہے لیکن مارے شرم کے میں نے تجھ سے کچھ کہا نہیں۔ اس کے بعد اتفاق سے خلیفہ کے سامنے میرے منہ سے یہ بات نکل گئی اس نے مجھے واپس بھیجا اور تجھے یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ نے کہا چونکہ تو خلیفہ سے کہہ چکا ہے میں تجھے جھٹلاؤں گا نہیں، تو میرا دوست ہے اگر کوئی اور ہوتا تو میں مکر جاتا اور اسے جھٹلا دیتا۔ چل میں کتوں کو لے کر تیرے ساتھ چلتا ہوں خواہ اس میں میری موت ہی کیوں نہ ہو۔ ابو اسحاق بولا جس طرح تو نے خلیفہ کے آگے میری عزت رکھی لی خدا تیری عزت رکھے گا۔

اب اس نے خلیفہ کے لائق ہدیے لیے، دونوں کتوں کو سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اونٹوں پر سوار کیا اور بغداد پہنچ کر خلیفہ کے پاس گیا اس کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیسے کتے ہیں؟ اس پر دونوں کتے زمین چومنے اور دم ہلا ہلا کر رونے لگے

گویا وہ شکایت کر رہے تھے۔ خلیفہ کو اس پر تعجب ہوا اس نے کہا ان کیا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ کتے نہیں بلکہ دو خوش رو اور حسین جوان اور میرے سگے بھائی ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا وہ انسان سے کس طرح کتے ہو گئے؟ عبداللہ نے کہا جو کچھ میں کہوں گا اس پر یہ دونوں گواہی دیں گے۔ خلیفہ بولا کتے کس طرح گواہی دے سکتے ہیں؟ اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر میں جھوٹ بولوں تو تم سر اوپر اٹھا کر آنکھیں پھیرنا اور اگر سچ کہوں تو سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لینا۔

پھر اس نے کہنا شروع کیا کہ اے خلیفہ! ہم تینوں سگے بھائی ہیں، ہماری ماں ایک اور باپ ایک۔ باپ کا نام فاضل تھا اس لیے کہ وہ ایک دوسرا بچہ جڑواں پیدا ہوئے تھے دوسرا بچہ مر گیا اور ہمارا باپ زندہ رہا لہذا اس کے باپ نے اس کا نام فاضل رکھا۔ اس کی تین اولادیں ہوئی سب سے بڑا منصور، منجھلا ناصر اور چھوٹا میں عبداللہ۔ جب ہم جوان ہوئے تو باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ہمارے لیے ترکے میں ایک مکان چھوڑا اور ایک دکان جس میں طرح طرح کے ہندی، رومی اور خراسانی کپڑے تھے اور ساٹھ ہزار دینار نقد۔ ہم نے اسے دفن کر کے اس کا ایک شان دار مزار بنایا اور چالیس روز تک قرآن خوانی کی۔ اس کے بعد میں نے تمام تاجروں اور شریفوں کو اکٹھا کر کے کھانا کھلایا اور ان سے کہا اے تاجرو! دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت باقی رہنے والی، پاک ہے وہ ذات جو دنیا کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہے گی۔ میں نے تمہیں اس لیے جمع کیا ہے کہ ممکن ہے میرے باپ کے اوپر کسی کا قرضہ ہو تو میں ادا کر دوں۔ انہوں نے کہا اے عبداللہ! دنیا کے پیچھے آخرت بگاڑنا بے سود ہے، ہم جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہم حلال اور حرام میں فرق جانتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں اور یتیم کا مال خوردبرد نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تیرے باپ کا مال اوروں کے پاس رہا کرتا تھا لیکن اوروں کا اس کے پاس نہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ خداوند! تجھی پر میرا بھروسہ اور امید ہے، ایسی حالت میں مجھے نہ ماریو کہ میں کسی کا قرض دار ہوں! اگر اس کے پاس کسی کی کوئی چیز ہوتی تو وہ اسے بے مانگے دے دیتا اور اگر اس کے دام کسی

پر آتے تو کہتا کہ جب ہو سکے دے دیجیو اگر وہ غریب ہوتا تو اسے معاف کر دیتا، غریب نہ بھی ہوتا اور مر جاتا تو وہ کہتا کہ خدا اسے معاف کر دے! ہم ایمان سے کہتے ہیں کہ اس پر کسی کا قرضہ نہیں۔ میں نے کہا خدا تمہیں برکت دے۔!

اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ہمارے باپ پر کسی کا قرضہ نہیں اور ترکے میں اس نے مال، کپڑے اور دکان چھوڑی ہے، ہم تین بھائی تہائی تہائی کے حق دا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تقسیم نہ کریں، ساتھ ساتھ رہیں اور کھائیں پیئیں؟ یا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سارا سال آپس میں بانٹ لیں؟ وہ بولے کہ بانٹ لیں اور ہر شخص اپنا اپنا حصہ لے لے۔ یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہا بھائیو، یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں گویا وہ کہنا چاہتے تھا کہ ہاں۔ پھر اس نے کہا امیر المومنین! میں نے قاضی کے پاس سے حصہ کرنے والوں کو بلایا اور انہوں نے حصہ بخر کر دیا۔ مکان اور دکان میرے حصے میں آئے اور وہ دونوں مال اور کپڑوں میں اپنا حصہ لے کر چل دیئے۔ میں نے دکان کھولی جو دام میرے حصے میں آئے تھے ان کے کپڑے خرید کر دکان کو بھر دیا اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ لیکن میرے بھائیوں نے اچھے اچھے کپڑے خریدے اور ایک کشتی کرائے پر لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ایک سال تجارت کرنے کے بعد میرے پاس اتنا مال ہو گیا جتنا کہ باپ نے چھوڑا تھا۔ ایک دن میں دوکان میں دو لبادے پہنے ہوئے بیٹھا تھا ایک سمور کا اور ایک سنجاب کا کیونکہ ان دنوں سخت سردی پڑی رہی تھی کہ میرے دونوں بھائی محض پھٹی ہوئی قمیص پہنے آئے ان کے ہونٹ مارے سردی کے سفید پڑ گئے تھے اور کانپ رہے تھے، میں یہ دیکھ کر سہم گیا اور ان پر افسوس کرنے لگا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اکیاسی ویں رات

نو سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ نے خلیفہ سے کہا میں ان پر افسوس کرنے لگا میرے ہوش جاتے رہے میں نے اٹھ کر انہیں گلے سے لگا لیا، رونے لگا اور ایک کو سمور دوسرے کو سنجاپ کا لبادہ دے دیا اور انہیں حمام بھیج کر دونوں کے لیے ایک ایک ہزار دینار کی پوشاکیں بھیجیں۔ پھر میں انہیں اپنے گھر لے گیا ہم نے مل کر کھانا کھایا اور ان کے ساتھ نرمی سے باتیں کیں۔ انہیں دلاسا دیا۔ پھر اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی! یہی پیش آیا تھا یا کچھ اور؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ بعد ازاں اے امیر المومنین! میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا گزری اور تمہارا مال کیا ہوا؟ انہوں نے کہا ہم سمندر کا سفر کرتے کرتے کوفے پہنچے وہاں ہمیں بہت فائدہ ہوا اور وہاں سے عجمی کپڑے خریدے جن کی قیمت بھرے میں چوگنی تھی، پھر وہاں سے کرخ گئے اور بہت فائدہ اٹھایا۔ جب ہم وہاں سے بھرے لوٹنے لگے تو تین دن تو خیریت سے گزرے، چوتھے دن طوفان آیا آندھیاں چلنے لگیں ہماری کشتی ایک چٹان سے ٹکرائی اور ٹوٹ گئی، سارا مال متاع سمندر میں جا پڑا اور ہم ایک دن پانی میں تیرے رہے۔ خدا نے اپنی حکمت سے ایک کشتی بھیج دی اس کے مسافروں نے ہمیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور ہم شہر شہر بھیک مانگتے پھرے یہاں تک کہ کپڑے بھی اتار کر بیچ ڈالے۔ اب خدا خدا کر کے بھرے پہنچے ہیں کہ ہمارا سارا مال ضائع نہ ہو گیا ہوتا تو ہم بادشاہوں کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن خدا کو یہی منظور تھا۔ میں نے کہا بھائی! غم نہ کرو، جان بچی لاکھوں پائے۔

اؤ ہم یہ سمجھ لیں کہ ہمارا باپ آج مر گیا ہے اور جو کچھ مال و دولت میرے پاس ہے اس کا ترکہ ہے میں خوشی سے اسے آپس میں تقسیم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں

نے قاضی کے محکمے سے ایک حصہ کرنے والا بلایا اپنا سارا سامان اس کے آگے رکھ دیا اور تینوں نے ایک ایک تہائی لے لیا۔ اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا ہم تینوں دکانیں کھول کر خرید و فروخت کریں، جو جس کی قسمت میں لکھا ہے ملے گا۔ میں نے دونوں کو بھی دکانیں کھلوا دیں ان میں سامان بھر دیا اور کہا خرید و فروخت کرو اس میں سے کچھ خرچ نہ کرنا، تمہارا کھانا پینا میرے ساتھ ہے لیکن جب میرا اور ان کا ساتھ ہوتا تو وہ سفر کی تعریف کرتے اور مجھے بھی سفر پر آمادہ کرنا چاہتے۔ پھر اس نے کتوں کی طرف دیکھ کر پوچھا صحیح ہے یا غلط؟ انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس نے خلیفہ سے کہا انہوں نے مجھ سے اس قدر اصرار کیا کہ بالآخر میں راضی ہو گیا اور طرح طرح کے تھان لے کر ان کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا، چلتے چلتے ہم ایک شہر میں پہنچے جہاں ہم نے خرید و فروخت کی اور بہت فائدہ اٹھایا۔ وہاں سے اور شہروں میں گئے کچھ خریدا کچھ بیچا یہاں تک کہ ہمارے پاس بے حد مال ہو گیا۔ سفر بھی جاری تھا کشتی چلی جا رہی تھی کہ پہاڑوں کے پاس ناخدا نے لنگڑ ڈال دیئے اور کہا مسافرو! خدا تمہیں آج کی مصیبت سے بچا لے! اتر کر پانی تلاش کرو۔ ہم سب اتر کر پانی کی تلاش میں چل دیئے، ہر ہر شخص ایک ایک طرف روانہ ہو گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔

میں دھڑ چوٹی تک پہنچا بھی نہ تھا دیکھا کہ ایک سفید سانپ بھاگا چلا جاتا ہے اس کے پیچھے ایک بد صورت اژدھا لگا ہوا تھا۔ بالآخر اژدھے نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سرا اپنے منہ میں لے کر اس کی دم اپنی دم میں لپیٹ لی اور سانپ چلانے لگا مجھے اس پر ترس آ گیا میں نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر مارا پتھر ٹھیک اس کے سر پر جا کر پڑا اور وہ مر گیا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سانپ لوٹ پوٹ کر فوراً ایک خوبصورت لڑکی بن گئی جیسے چودھویں رات کو چاند۔ لڑکی نے اگے بڑھ کر میرا ہاتھ چوما اور کہا خدا تجھے دنیا میں عار سے آخرت میں نار سے بچائے! یہ کہہ اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا، زمین پھٹی اور اس میں سما گئی مجھے یقین ہوا کہ وہ جن ہے۔ اژدھے کے

اندر سے ایک آگ نکلی اور وہ جل بھن کر خاک ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر میں نے سارا ماجرا بیان کیا، سویرا ہوتے ہی ناخدا نے بادبان کھول دیئے اور کشتی چل نکلی، بیس دن تک نہ ہمیں خشکی دکھائی دی نہ کوئی چڑیا اور ہمارا پانی پھر ختم ہو چلا ناخدا نے کہا ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر چلیں جو خشکی ملے۔ ہم سب خدا سے دعا کرنے لگے کہ وہ ہمیں راستے پر لے آئے اور وہ رات بڑی کٹھن گزری۔

سویرا ہوا اور دن نکلا تو ہمیں ایک بہت اونچا پہاڑ دکھائی دیا ہم اسے دیکھ کر خوش ہو گئے ناخدا نے کہا اے لوگو! چلو ہم خشکی پر چل کر پانی ڈھونڈیں۔ ہم سب اتر کر پانی ڈھونڈنے لگے لیکن پانی کہیں نظر نہ آیا ہم بہت پریشان ہونے لگے میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور مجھے ایک گھنٹے کے فاصلے پر ایک بڑا سا دائرہ دکھائی دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا پہاڑ کے پیچھے اس دائرے کو دیکھو ایک عالی شان شہر دکھائی دیتا ہے جس میں شہر پناہ برج اور سبزہ زار، وہاں پانی اور کھانے پینے کی تمام چیزیں ملیں گی، آؤ چلیں پانی بھی لے آئیں اور راہ کے لیے گوشت، پھل وغیرہ بھی خرید لیں۔ انہوں نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں اس شہر میں کافر اور مشرک نہ رہتے ہوں اور ہمیں گرفتار کر لیں یا مار ڈالیں اور ہمارا خون خود ہماری گردن پر ہو۔ لہذا ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ میں بولا، اے لوگو! تم پر میرا کوئی زور نہیں چلتا لیکن میں اپنے بھائیوں کو لے کر جاؤں گا۔ انہوں نے بھی کہا کہ ہم ڈرتے ہیں تیرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ میں نے کہا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جاؤں گا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور جو کچھ اس نے میری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی ہوں۔ جب تک میں وہاں جا کر لوٹ نہ آؤں تم میری راہ دیکھنا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو بیاسی ویں رات

نو سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ نے کہا کہ جب تک میں لوٹ کر آؤں تم میری راہ دیکھنا۔ الغرض میں انہیں چھوڑ کر چل دیا شہر کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ وہ عجیب و غریب شہر ہے، شہر پناہ بلند، برج مضبوط، عمارتیں عالی شان، دروازے چینی لوہے کے اور ان پر ایسے نقش و نگار ہیں کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ دروازے پر پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سنگین چبوترا ہے اس پر ایک شخص پیتل کی زنجیر ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور اس زنجیر میں چودہ کنجیاں ہیں۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ شخص دربان ہے اور شہر کے چودہ دروازے ہیں۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا، پھر میں نے دوبارہ اور سہ بارہ سلام کیا وہ پھر بھی منہ سے نہ بولا۔ اب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو سلام کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ سو رہا ہے گونگا ہے یا غیر مسلم؟ اب بھی نہ اس کی زبان ہلی نہ سر میں اسے غور سے دیکھنے لگا معلوم ہوا کہ وہ پتھر ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا عجیب صنعت ہے پتھر کو کٹ کر اس خوبی سے انسان کی شکل بنائی گئی ہے کہ سوا گویائی کے اور کوئی کسر نہیں۔ میں اسے چھوڑ کر اندر گیا اور ایک شخص کو راہ میں کھڑا دیکھ کر اس کے پاس گیا دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔ اس کے بعد میں گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا جو انسان نظر آتا اور میں غور سے دیکھتا تو پتھر کا پاتا۔ میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے سر پر کپڑوں کی گٹھری رکھی ہوئی تھی جسے وہ دھونے کے لیے جا رہی تھی۔ قریب گیا تو وہ بھی پتھر کی نکلی اور اس کی گٹھری بھی پتھر کی۔

تاجروں کے بازار میں گیا تو ہر دکان میں دکان دار بیٹھے ہوئے ہیں اور مال بھرا پڑا ہے

لیکن سب کے سب پتھر کے، کپڑے ایسے ہیں جیسے مکڑی کا جالا۔ وہاں مجھے صندوق نظر آئے انہیں کھولا تو تھیلیوں میں سونا دیکھا۔ تھیلیاں ہاتھ لگاتے ہی ریزہ ریزہ ہو گئیں لیکن سونا اپنی حالت پر قائم رہا میں نے اتنا سونا لے لیا جتنا اٹھا سکتا تھا ور اپنے دل میں کہنے لگا اگر میرے بھائی بھی ساتھ ہوتے تو وہ بھی کافی سونا لے لیتے۔ ایک دوسری دکان میں جا کر میں نے اس سے بھی زیادہ سونا دیکھا لیکن جتنا میرے پاس تھا اس سے زیادہ میں اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح میں بازار بازار سیر کرتا رہا دیکھا کہ ہر چیز پتھر کی ہے یہاں تک کہ کتے بلیاں بھی، اس کے بعد میں سار بازار پہنچا دیکھا کہ لوگ دکانوں میں بیٹھے ہیں بعض گنے ان کے ہاتھ میں ہیں اور بعض آگے رکھے ہوئے۔ اے امیر المومنین! یہ دیکھ کر میں نے سونا پھینک دیا اور جتنا گنا اٹھا سکتا تھا اٹھا لیا، وہاں سے جوہری بازار میں پہنچا دکانوں میں یا قوت، ہیرے، زمرد، اور بلخس وغیرہ پڑے ہوئے دیکھے اور لوگ پتھر کے۔ اب میں نے سارا گنا پھینک دیا اور جواہرات لے لیے اور افسوس کرنے لگا کاش میرے بھائی ساتھ ہوتے اور جتنے جواہرات چاہتے لے لیتے اس کے بعد میں ایک بڑے دروازے پر پہنچا جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار تھے اندر چوکیاں پڑی تھیں جن پر نوکر چاکر اور لشکری بیٹھے تھے مگر سب پتھر کے۔ میں نے ان میں سے ایک کا لباس چھوا اور وہ مکڑی کے جالے کی طرح ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اندر جا کر مجھے ایک محل دکھائی دیا جس کی نظر دنیا میں نہ ہو گی۔ اس میں امراء وزراء اور رؤسا تھے لیکن سب پتھر کے، اور ایک سونے کی کرسی پر جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھی ایک شخص بیٹھا تھا جس کے سر پر شاہی تاج تھا اور اس میں نہایت عمدہ جواہرات جڑے ہوئے تھے، قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔

اس دربار سے نکل کر میں حرام سرا میں گیا دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی پر ملکہ بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سر پر جواہرات کا تاج ہے ارد گرد چاند سی لڑکیاں اور عمدہ عمدہ لباس پہنے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ اس دربار کی شان و شوکت ایسی تھی کہ عقل دنگ ہو جائے۔ اس میں شمع دان لٹکے ہوئے تھے اور شمع دان میں ایک لاجواب بیش بہا ہیرا

تھا۔ اے امیر المومنین! میں نے پہلے کے جواہرات میں سے جتنے لے سکتا تھا لے لیے اور سوچنے لگا کہ کون سے لوں اور کون سے نہ لوں۔ اس کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا دروانہ کھلا ہوا دیکھا اس کے اندر جا کر زینے کی چالیں پیڑھیاں چڑھا ہوں گا میں نے سنا کوئی شخص مہین آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اس آواز کی طرف چل دیا، چلتے چلتے محل کے دروازے پر جا پہنچا دیکھا کہ ریشم کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے اس میں موتی، مونگے اور یاقوت زمرہ کے ٹکڑے پروئے ہوئے ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ میں پردہ اٹھا کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی نفیس پوشاک اور عمدہ عمدہ جواہرات پہنے بیٹھی ہے۔ اے امیر المومنین! لڑکی کو دیکھتے ہی میں اس کی محبت کا شکار ہو گیا۔ وہ ایک اونچے چبوترے پر بیٹھی حفظ قرآن پڑھ رہی تھی۔ آواز ایسی دل فریب جیسے جنت کے دروازے کے کھلنے کی جب رضوان اسے کھولے اور جو الفاظ اس کے منہ سے نکلتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جواہرات بکھر رہے ہیں۔ جب میں نے قرآن پڑھتے سنا تو میری آواز بند ہو گئی اور مجھے سلام کرتے بھی بن پڑا۔ میری عقل اور آنکھیں دونوں دنگ ہو گئیں۔ بالآخر میں نے دل مضبوط کر کے اسے سلام کیا۔ اس نے کہا تیرے اوپر بھی سلام اے عبداللہ بن فاضل اے میرے پیارے اور آنکھ کے تارے! اہلاً و سہلاً و مرحباً! میں نے کہا اے میری آقا! تجھے میرا نام کہا سے معلوم ہوا تو کون ہے اور اس شہر کا کیا ماجرا ہے کہ سب کے سب پتھر ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا کے لیے ساری باتیں سچ سچ بتا۔ اس نے کہا اے عبداللہ بیٹھ جا میں اپنا اور اس شہر کا سارا قصہ تفصیل کے ساتھ تجھے سنا دوں گی۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا اور اس نے کہنا شروع کیا اے عبداللہ! خدا تجھ پر رحمت بھیجے! میں اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں میرا باپ وہی ہے جسے تو نے دربار میں اونچی کرسی پر بیٹھا دیکھا ہے جس کے ارد گرد اس کی حکومت کے امراء اور رؤسا ہیں۔ میرا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا اور گیارہ لاکھ بیس ہزار اس کے لشکری تھے، محض اس کے امراء کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔ قلعوں، گڑھیوں، گانوں اور جاگیروں کے علاوہ اس کی حکومت ایک ہزار شہروں

پر تھی۔ محض عربوں کے ایک ہزار سردار اس کے ماتحت تھے جن میں ہر ایک کے حکم میں بیس بیس ہزار سوار تھے، اس کے پاس اس قدر مال و دولت، ذخیرے، معدنیات اور جواہرات تھے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے ہوں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو سو تراسی ویں رات

نو سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- پتھروں کے شر کے بادشاہ کی بیٹی نے عبداللہ سے کہا باوجود ان تمام باتوں کے میرا باپ کافر مشرک تھا، بتوں کی پرستش کرتا تھا اس کی فوج بھی سب کی سب کافر تھی اور بتوں کو پوجتی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے امراء ارد گرد تھے کہ یک بہ یک ایک شخص دربار میں آیا جس کے چہرے کی روشنی سے سارا دربار چمک اٹھا۔ میرے باپ نے دیکھا کہ وہ سبز پوشاک پہنے ہوئے ہے، بلند بالا ہے اور اس کے ہاتھ گھنٹوں سے نیچے تک ہیں، اس کے چہرے سے دبدبہ پایا جاتا اور نور ٹپکتا ہے۔ اس نے میرے باپ سے کہا، اے باغی اے جھوٹے کب تک تو بتوں کی عبادت میں گمراہ پڑا رہے گا؟ اقرار کر کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بندہ اور رسول ہے تو بھی مسلمان ہو جا اپنی قوم کو بھی مسلمان کر لے اور بتوں کی پوجا چھوڑ دے کیونکہ وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ شفاعت کر سکتے ہیں۔ کسی کی عبادت درست نہیں سوائے اللہ کے جس نے آسمانوں کو بے کھیموں کے اٹھایا ہے اور زمین کو بچھلایا ہے اور جو بندوں کے لیے رحمت ہے اس نے جواب دیا اے شخص! تو کون ہے کہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا اور ایسی باتیں کرتا ہے؟ کیا تو ڈرتا نہیں کہ بت تجھ سے ناراض ہو جائیں گے؟ اس شخص نے کہا بت تو پتھر ہیں، نہ ان کے غصے سے مجھے نقصان نہ ان کی خوشی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگنا تو اپنے بت کو اور اپنے لوگوں سے کہہ کہ وہ بھی اپنی اپنے بت لے آئیں۔ جب سارے بت آ جائیں تو ان سے کہیوں کہ وہ مجھ پر ناراض ہوں پھر میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا کہ وہ ان پر ناراض ہو، اور تم خالق اور مخلوق کی ناراضگی میں فرق دیکھ لو گے۔ تمہارے بت مصنوع ہیں اور میرے خدا صانع۔ اگر یہ بات تمہیں سچ معلوم ہو تو اس کی پیروی کرنا جھوٹ

نکلے تو اسے چھوڑ دینا میرے باپ نے کہا تو اپنے رب کی دلیل پیش کرتا ہے کہ ہم اسے دیکھیں۔ اس شخص نے کہا تم اپنے ربوں کو پیش کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا ہر شخص اپنا اپنا بت لے کر آئے سب لشکری اپنے اپنے بت جا کر لے آئے۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا اب میری کہانی سن۔ میں اپنے باپ کے دربار کے سامنے پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی میرا بت ہرے زمرد کا تھا اور آدمی کے قد کے برابر۔ میرے باپ نے اسے بھی منگوا یا میں نے بھیج دیا اور وہ میرے باپ کے بت کے برابر رکھا گیا۔ میرے باپ کا بت یا قوت کا تھا وزیر کا الماس کا دوسرے لوگوں کے بت بلخش، عقیق، مونگے، قماری عود، آبنوس، چاندی اور سونے کے تھے۔ عوام الناس کے بت پتھر، لکڑی اور مٹی کے۔ ہر بت کا رنگ الگ الگ تھا بعض لال بعض ہرے بعض کالے اور بعض سفید۔ اس شخص نے کہا اپنے بتوں سے کہو مجھ پر ناراض ہوں۔ میرے باپ نے اٹھ کر اپنے بت کو سجدہ کیا اور کہا اے میرے خدا! تو مہربان پروردگار ہے ان بتوں میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ شخص تیری پروردگاری پر اعتراض کرتا، تیرا مذاق اڑاتا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ اس کا پروردگار تجھ سے زیادہ طاقتور ہے وہ کہتا ہے کہ ہم تیری پرستش چھوڑ کر اس کے خدا کی عبادت کریں۔ لہذا اے میرے خدا! اس پر اپنا قہر نازل کر۔ لیکن بت نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ میرے باپ نے کہا اے میرے خدا! تیری یہ عادت تو کبھی نہ تھی جب میں تجھ سے بات کرتا تو جواب دیتا اس وقت تو کیوں چپ ہے اور جواب نہیں دیتا؟ کیا تو غافل ہے یا سو رہا ہے، جاگ میری مدد کر اور مجھ سے بات کر۔ اس شخص نے کہا تیرا بت تو کچھ بھی نہیں کہتا اس نے جواب دیا یا تو وہ غافل ہے یا سو رہا ہے۔

اب اس شخص نے میرے باپ سے کہا اے خدا کے دشمن! تو ایسے خدا کی کیا پوجا کرتا ہے جو بات تک نہیں کرتا میرے خدا کی پرستش نہیں کرتا جو قریب ہے اور جواب دیتا ہے، حاضر ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا نہ غافل ہوتا نہ سوتا ہے، وہ دیکھتا ہے اور

دکھائی نہیں دیتا اور ہر چیز پر قادر ہے؟ تیرا خدا اپنے آپ کو بھی بچا نہیں سکتا۔ مردود شیطان اس کے اندر تھا لیکن اب وہ بھی بھاگ گیا ہے۔ لہذا خدا کی عبادت کر اور اقرار کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرا خدا اپنے آپ کو تو بچا نہیں سکتا پھر وہ تجھے کیوں کر بچا سکتا ہے، تو خود دیکھ لے کہ وہ کیسا ناکاہ ہے۔ اب اس شخص نے اٹھ کر بت کے کندھے پر ایک گھونسا مارا وہ زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے طیش میں آ کر حاضرین سے کہا اس منکر نے میرے خدا پر گھونسا مارا ہے اس کو قتل کر دو۔ انہوں نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی اٹھ نہ سکا اس نے اس کے آگے اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اس نے کہا اب میں تمہیں اپنے رب کا غصہ دکھاتا ہوں اور ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا مانگی اے میرے خدا اور مالک! یہ لوگ تیری روزی کھاتے اور دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ انہیں پتھر بنا دے۔ اس پر سارے شہر والے پتھر ہو گئے۔ میں اس کی دلیل سن کر مسلمان ہو گئی اور میرا حشر وہ نہ ہوا جو ان کا ہوا تھا۔ اب اس شخص نے میرے پاس آ کر کہا، تو نیک بخت نکلی۔ اس وقت میں برس کی تھی اور آج میری عمر تیس برس کی ہے۔

جب میں بچ گئی اور اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئی تو میں نے کہا تو میرا شیخ ہے، مجھے اپنا نام بتا۔ وہ بولا میرا نام ابوالعباس خضر ہے اور اس نے میرے لیے ایک انار کا درخت لگا دیا وہ فوراً بڑا ہو گیا اس میں پتے، پھول اور پھل نکل آئے اس نے کہا خدا کا رزق کھا اور اس کی خوب عبادت کر۔ اسی نے مجھے نماز، روزہ اور قرآن سکھایا۔ آج تیس سال سے میں اسی جگہ بیٹھی خدا کی عبادت کر رہی ہوں۔ ہر روز اس درخت پر سے ایک انار گرتا ہے اور میں اسے کھا لیتی ہوں۔ خضر ہر جمعے کو میرے پاس آتے ہیں انہی نے مجھے یہ خوش خبری دی تھی کہ تو عنقریب یہاں آنے والا ہے اور کہا تھا کہ جب وہ تیرے پاس آئے تو اس کی عزت کیجیو، اس کا حکم مانو، اس کی بیوی بیو اور وہ جہاں لے جائے جائیو۔ جب میں نے تجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ اس نے مجھے

انار کا درخت دکھایا، اس میں ایک انار لگا ہوا تھا، آدھا اس نے کھایا اور آدھا مجھے دیا۔ اس سے زیادہ شیریں اور لذیز میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ میں نے کہا حضرت خضر علیہ السلام کا حکم تجھے منظور ہے کہ تو میری بیوی بنے میں تیرا شوہر اور تو میرے ساتھ میرے وطن بھرے میں چل کر رہے؟ اس نے کہا ہاں، انشاء اللہ میں تیری بات سنوں گی اور تیرا حکم مانوں گی۔ میں نے اس سے پکا وعدہ لیا اور وہ مجھے اپنے باپ کے خزانے میں لے گئی وہاں سے ہم نے اتنا مال لیا جتنا کہ اٹھا سکتے تھے اور وہاں سے چل دیئے بھائیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں، انہوں نے کہا تو کہا تھا؟ تو نے بڑی دیر لگائی، ہمارا دل تجھ میں لگا ہوا تھا۔ ناخدا نے مجھ سے کہا کہ اے تاجر عبداللہ! ہوا بہت دیر سے موافق ہے اور تو نے ہمیں سفر سے روک رکھا ہے۔ میں نے کہا مضائقہ نہیں، ممکن ہے کہ دیر میں بھلائی ہو۔ دیکھو اس دیر کی وجہ سے مجھے کیا ہاتھ آیا۔ یہ کہہ کر میں نے تمام جواہرات دکھائے اور جو کچھ پتھر کے شہر میں دیکھا تھا ان سے بیان کیا اور کہا اگر تم میرا کہنا مانتے اور میرے ساتھ چلتے تو تمہیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چوراسی ویں رات

نو سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ نے کہا اگر تم میرے ساتھ چلتے تو تمہیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔ وہ بولے خدا کی قسم اگر ہم چلتے بھی تو شہر کے بادشاہ کے پاس جانے کی ہماری ہمت کبھی نہ پڑتی۔ میں نے اپنے بھائیوں سے کہا مضائقہ نہیں جو کچھ میں لایا ہوں وہ ہم سب کے لیے کافی ہو گا اور میں نے مال کے حصے کئے برابر بھائیوں اور ناخدا کو دیئے خود بھی اتنا ہی لیا تھوڑا تھوڑا نوکروں اور ملاحوں کو بھی دیا۔ وہ خوش ہو گئے اور انہوں نے مجھے دعا دی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ میرے بھائی راضی نہ تھے کیونکہ ان کی تیوری بدلی ہوئی آنکھیں پھری ہوئی تھیں۔ میں نے کہا بھائیو! میرے خیال میں تم اس سے خوش نہیں جو میں نے تمہیں دیا ہے لیکن میں تمہارا بھائی ہوں اور تم میرے بھائی، مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں میرا مال اور تمہارا مال ایک چیز ہے اور اگر میں مر گیا تو تو تمہی میرے والی وارث ہو گے۔ اب میں نے لڑکی کو لے جا کر ایک کوٹھڑی میں بٹھایا اس کے لیے کھانا پینا بھیجا اور خود بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔ انہوں نے پوچھا بھائی، تو اس حسین لڑکی کا کیا کرے گا؟ میں نے کہا بھرے پہنچ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک بولا بھائی، یہ لڑکی بہت حسین ہے اور مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ تو اس لڑکی کو میرے حوالے کر دے تاکہ میں اس سے شادی کر لوں۔

دوسرے بھائی نے کہا میری بھی یہی حالت ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بولا بھائیو! میں اسے زبان دے چکا ہوں اگر میں تم سے کسی کو دے دوں تو میں وعدہ خلاف بھی بنوں گا اور اس کا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔ وہ آئی ہی اس شرط پر ہے کہ میں اس سے نکاح کروں۔ اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ میں اسے کسی اور

کو دے دوں؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بھرے پہنچ کر میں وہاں کی دو بہترین لڑکیوں سے تمہاری شادی کر دوں، مہر میں اپنے پاس سے دوں گا اور تینوں جشن ایک ساتھ ہوں گے وہ چپ ہو گئے۔ میں سمجھا کہ وہ راضی ہیں۔ ہم بھرے کی طرف روانہ ہوئے چالیس دن سفر کرنے کے بعد ہمیں بصرہ دکھائی دینے لگا، ہم خوش تھے۔ غیب کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں، میں پڑا سو رہا تھا کہ یکا یک آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بھائی کے ہاتھ میں میرے ہاتھ ہیں اور دوسرے کے ہاتھ میں میرے پاؤں اور وہ چاہتے ہیں کہ مجھے سمندر میں پھینک دیں۔ میں نے کہا، بھائی! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، اے بدتمیز! تو ایک لڑکی کی خاطر ہماری دل شکنی کرتا ہے لہذا ہم تجھے سمندر میں پھینک دیں گے اور یہ کہتے ہی انہوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا، بھائی! یہ سچ ہے کہ نہیں؟ وہ سر نیچا کر کے بھونکنے لگے اور خلیفہ کو تعجب ہوا۔ پھر اس نے اپنی کہانی شروع کی کہ اے امیر المومنین! انہوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں تھاہ تک پہنچ کر ابھرا پانی مجھے سطح پر لے آیا ایک بڑا سا پرندہ مجھ پر جھپٹا اور مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک نہایت عالی شان محل میں پایا۔ کنیزیں اپنے ہاتھ سینوں پر رکھے کھڑی تھیں اور ان کے بیچ میں ایک عورت سرخ سونے کی کرسی پر بیٹھی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور اس کے سر پر تین حلقوں والا تاج تھا۔ پرندے نے وہاں جا کر مجھے اتارا اور خود شکل بدل کر ایک حسین لڑکی بن گیا۔ ملکہ نے اس سے پوچھا تو آدمی کو کیوں یہاں لائی ہے؟ اس نے کہا اماں جان! یہ وہی شخص ہے جس کی وجہ سے میں جنوں کی لڑکیوں میں منہ دکھانے کے قابل رہی اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ بولا فلاں پہاڑ پر جب ایک کالا اژدھا میری آبرو لینا اور مجھے قتل چاہتا تھا تو تو نے اسے قتل کر کے میری آبرو بچائی تھی، میں وہی سفید سانپن ہوں لیکن دراصل میں ملک احمر کی بیٹی ہوں جو جنوں کا بادشاہ ہے میرا نام سعدیہ ہے اور یہ میری ماں

مبارکہ۔ جو اژدھا میری آبرو لینا چاہتا تھا، وہ ملک اسود کا نہایت بد شکل وزیر در فیل تھا۔

ایک بار اس نے مجھے دیکھ لیا، مجھ پر عاشق ہو گیا اور میرے باپ کے پاس پیغام بھیجا اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اے بد ذات وزیر! تیری حیثیت کیا کہ تو شاہ زادوں کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے؟ وزیر اس پر سخت ناراض ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ میری آبرو لینے کے درپے رہتا، وہ ایسا چال باز تھا کہ میرے باپ کی اس کے آگے نہ کچھ چلتی۔ میں اس کے ڈر سے روز صورت بدلتی رہتی۔ میں جو صورت اختیار کرتی وہ اس کے مخالف صورت بدلتا۔ ایک روز میں سفید سانپ بن کر اس پہاڑ پر گئی تو اس نے اژدھا بن کر میرا پیچھا کیا اور میں اس کے پنجے میں پھنس گئی۔ اتنے میں تو آ گیا اور تو نے پتھر مار کر اسے ماڑ ڈالا۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے اور میں تیری احسان مند ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں اڑ کر تیرے پاس پہنچی اور تجھے بچا لائی۔ ماں نے کہا اے آدمی! مرحبا! تو نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے ہمیں چاہیے کہ تیری عزت کریں اس نے مجھے ایک بڑی قیمتی پوشاک اور بے شمار ہیرے جواہرات دیئے اس کے بعد میں اس کے باپ کے سامنے پیش کیا گیا وہ مجھے دیکھ کر سرودھ کھڑا ہو گیا اس کی وجہ سے سارے لشکر نے میری تعظیم کی۔ اس نے میرے بڑا احترام کیا مجھے بہت سی قیمتی چیزیں دیں اور کہا میری بیٹی سے کہو کہ وہ اسے وہیں پہنچا آئے جہاں سے لائی ہے۔ ادھر جب میرے بھائیوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو ناخدا کی آنکھ کھل گئی اس نے پوچھا کہ سمندر میں کیا گرا؟ میرے بھائی رونے اور سینہ پیٹنے اور کہنے لگے ہمارا بھائی ضرورت رفع کرنے گیا تھا کہ سمندر میں گر پڑا۔ انہوں نے میرے مال پر قبضہ کر لیا لیکن لڑکی کے بارے میں جھگڑنے لگے، ہر ایک کہتا کہ اسے میں لوں گا۔ وہ جھگڑ رہے تھے کہ سعیدہ نے مجھے کشتی کے بیچ میں لا اتارا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• نو سو پچاسی ویں رات

نو سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ کا بیان ہے کہ جب سعیدہ نے مجھے بچ کشتی میں اتارا اور میرے بھائیوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے لپٹ گئے اور کہنے لگے بھائی! تیرا کیا حال ہے، ہمارا تو دل تجھ میں لگا ہوا تھا؟ سعیدہ بولی اگر تمہیں اس سے محبت ہوتی تو تم اسے سمندر میں نہ پھینکتے۔ اب تم اپنے لیے پسند کر لو کہ کون سی موت مرنا چاہتے ہو۔ یہ کہہ کر اس نے پکڑا اور قتل کرنا چاہتی تھی کہ وہ چلانے لگے بھائی! ہم تیری پناہ میں ہیں۔ میں لڑکی سے سفارش کرتا کہ انہیں قتل نہ کر وہ کہتی کہ میں ضرور قتل کروں گی کیونکہ وہ دغا باز ہیں۔ میں برابر اس کی خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا اچھا تیری خاطر میں ان کے قتل سے تو ہاتھ اٹھاتی ہوں لیکن ان پر جادو کر دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کٹورا نکالا اور اس میں سمندر کا پانی لے کر پڑھا اور کہا انسانی شکل چھوڑ کر کتے بن جاؤ۔ پھر اس نے وہ پانی ان پر چھڑک دیا، وہ کتے ہو گئے جیسا کہ اے خلیفہ! تو انہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا، بھائیو! جو کچھ میں نے کہا سچ ہے؟ انہوں نے سر جھکا لیا یعنی ہاں سچ ہے۔ بعد ازاں اس نے کہا اے امیر المومنین! جادو کرنے کے بعد پری نے کشتی والوں سے کہا سنو! عبداللہ بن فاضل کو میں نے اپنا بھائی بنا لیا ہے میں روز ایک یا دو بار آ کر اس کی خبر لیا کروں گی تم میں سے جو کوئی اس کی مخالفت کرے گا ہاتھ یا زبان سے اسے تکلیف پہنچائے گا اسے بھی انہی دونوں دغا بازوں کی طرح جادو کے زور سے کتا بنا دوں گی۔ اور بولی کے بھرے پہنچ کر اپنے سامان کا جائزہ لیجیو اور مجھے بتائیو۔ اگر اس میں کوئی بھی کمی ہو گی تو میں جس کے پاس اور جس جگہ بھی ہو گا لا کر تیرے حوالے کر دوں گی اور لینے والے کو

جادو سے کتا بنا دوں گی۔ جب اپنا سامان حفاظت سے رکھ چکیو تو ان دونوں دغا بازوں کی گردنوں میں زنجیر باندھ کر ایک اکیلی کوٹھڑی میں تخت کے پائے سے باندھ دیجیو اور ہر روز آدھی رات کے وقت انہیں اتنا ماریو کہ وہ بے ہوش ہو جائیں۔ اگر کسی روز تو نے انہیں نہیں مارا تو میں آ کر پہلے تجھے ماروں گی اور پھر انہیں میں نے بہ سرو چشم کہہ کر ان کی گردنوں میں رسی ڈال دی اور ستون سے باندھ دیا پری چلتی بنی۔ دوسرے دن جب ہم بھرے پہنچے تو تاجر آئے انہوں نے مجھے سلام کیا لیکن کسی نے میرے بھائیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔ کتوں کو دیکھے اور کہتے کہ تو ان کتوں کا کیا کرے گا؟ میں کہتا میں نے انہیں راستے میں پالا ہے اور اب انہیں گھر لایا ہوں، وہ ہنستے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ میرے بھائی ہیں۔

گھر آ کر میں نے انہیں ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور خود سامان کے اتارنے اور تاجروں سے ملنے میں اتنا مشغول رہا کہ کتوں کو مارا نہ باندھا۔ اتنے میں ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی اور کہنے لگی تو نے نہ انہیں باندھا نہ کوڑے لگائے، یہ کیوں؟ ادھر اس نے مجھے پکڑ کر اتنے کوڑے مارے کہ میں بے ہوش ہو گیا پھر میرے بھائیوں کے پاس جا کر انہیں اتنا مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگی ہر رات انہیں اسی طرح کوڑے لگایا کر۔ میں نے کہا اے میری آقا! کل ہی میں ان کے گلے میں زنجیریں ڈالوں گا، رات کو انہیں ماروں گا اور ہر روز مارا کروں گا۔ سویرا ہوا تو میں نے دل پر جبر کر کے ان کے لیے سونے کی زنجیریں بنوائیں جیسا اس نے حکم دیا تھا اسی طرح انہیں باندھا اور رات کے وقت بادل ناخواستہ انہیں مارا بھی۔ یہ واقعہ بنی عباس کے پانچویں خلیفہ مہدی کے زمانے کا ہے۔ میں نے اس کے لیے تحفے تحائف بھیجے اور اس نے مجھے بھرے کا والی بنا دیا۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب پری کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا اور انہیں نہیں مارا، لیکن اس نے آ کر مجھے اتنا مارا کہ میں آج تک بھولا نہیں۔ مہدی کے مرنے کے بعد تو خلیفہ ہوا اور تو نے مجھے ولایت

پر قائم رکھا۔ آج باہ سال ہو گئے ہیں کہ میں ہر روز اپنے دل پر جبر کر کے انہیں مارتا ہوں پھر ان کی دل دہی کرتا اور اسی قید کی حالت میں انہیں کھلاتا پلاتا ہوں۔ جب تک تو نے ابواسحاق الندیم کو خراج لینے میرے پاس نہیں بھیجا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ اسے میرا بھید معلوم ہو گیا اس نے تجھ سے بیان کیا اور تو نے اسے دوبارہ بھیج کر مجھے بلوایا۔ بس یہ ہے میری ساری کہانی۔

خلیفہ ہارون الرشید کو بڑا تعجب ہوا وہ کہنے لگا کہ تو نے اب انہیں معاف کر دیا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا اے میرے آقا! خدا انہیں معاف کرے دنیا اور آخرت میں ان سے مواخذہ نہ کرے! میں ان سے معافی کا خواست گار ہوں کیونکہ میں باہ سال سے ہر روز کوڑے مارتا ہوں۔ خلیفہ بولا اے عبداللہ خدا نے چاہا تو میں انہیں مصیبت سے چھڑا کر پھر آدمی بنا کر تمہارے درمیان صلح کرا دوں گی اور باقی عمر تم سب بھائیوں کی طرح پیار سے رہو گے۔ جا انہیں گھر لے جا اور آج رات نہ ماریو، کل تک سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عبداللہ نے کہا تیرے سر کی قسم اگر انہیں میں نے ایک رات بھی نہ مارا تو سعیدہ آ کر مجھے مارے گی اور اب میرا جسم مار پیٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ بولا ڈر نہیں، میں تجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط دوں گا، وہ خط تو سعیدہ کو دے دیجیو اگر وہ پڑھ کر تجھے معاف کر دے تو احسان اس کی طرف سے ہے اگر وہ تجھے مارے تو سمجھ لیجیو کہ تو ایک دن انہیں مارنا بھول گیا اور اس وجہ سے تجھ پر مار پڑی۔ لیکن اگر یہ واقعہ پیش آیا اور میں امیرالمومنین ہوں تو اس سے سمجھ لوں گا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط لکھا جو دو سطروں کا ہو گا اور اس پر مر لگا کر کہا سعیدہ سے کہیو انسانوں کے بادشاہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انہیں نہ ماروں اور اس نے تجھے سلام کے بعد یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ ان دونوں کتوں کو لے کر چل دیا اور دل میں کہنے لگا دیکھا چاہیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ گھر پہنچ کر اس ان کے پٹے اتار دیئے اور ان سے کہا ڈرو نہیں بنی عباس کے ساتویں خلیفہ نے

تمہاری خلاصی کا بیڑا اٹھایا ہے اور میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے، خدا نے چاہا تو آج رات سے تمہیں نجات مل جائے گی۔ یہ سن کر وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• نو چھپاسی دیں رات

نو سو چھپاسی دیں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- یہ سن کر دونوں کتے بھونکنے اور اپنا منہ اس کے قدموں سے ملنے لگے گویا وہ اسے دعا دے رہے تھے۔

عبداللہ ان کی پیٹ سہلانے لگا یہاں تک کہ عشاء کا وقت آ گیا اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، نوکروں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہنے لگا والی پاگل معلوم ہوتا ہے، بھرے کا والی ہو کر کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، کیا اسے معلوم نہیں کہ کتے نجس ہوتے ہیں؟ انہیں کیا خبر تھی کہ وہ اس کے بھائی ہیں۔ کھانا کھا کر عبداللہ نے اپنے ہاتھ دھوئے کتوں کے ہاتھ دھلائے ہر شخص انہیں دیکھ دیکھ کر ہنستا۔ اس کے بعد وہ عبداللہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس سے اس کا سبب پوچھے۔ یہ حالت آدھی رات تک رہی اب نوکر چاکر جا کر سو رہے اور کتے بھی ایک تخت پر جا لیٹے لوگوں نے دسترخوان کا کھانا پھینک دیا اور کہنے لگے کہ ہم کتوں کا کھانا کیسے کھا سکتے ہیں؟ اتنے میں یک بہ یک زمین پھٹی سعیدہ نکلی اور اس نے کہا عبداللہ! آج تو نے کیوں کوڑے نہیں لگائے اور ان کے پٹے کیوں اتار دیئے؟ میں ابھی تجھے کوڑے مار کر انہی کی طرح کتا بنائے دیتی ہوں۔ وہ بولا اے میری آقا! میں تجھے اس نقش کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی پر تھا کہ پہلے میری بات سن لے، اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ ان کے نہ مارنے کا سبب تو یہ ہے کہ آدمیوں کے بادشاہ خلیفہ امیر المومنین ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ انہیں آج رات نہ ماروں۔ اس نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اسے لے کر پڑھ، پھر جو تیرا جی چاہے میرے ساتھ کیجیو۔ اس نے خط لے کر کھولا اور پڑھا، اس میں لکھا تھا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ یہ خط آدمیوں کے بادشاہ ہارون الرشید کی طرف سے ملک احمر کی بیٹی سعیدہ کے نام ہے۔ اس شخص نے اپنے بھائیوں کو معاف

کر دیا ہے اور اس کا دعویٰ ان کے خلاف ختم ہو گیا اس لیے میں نے حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور جب صلح ہو گئی تو سزا کیسی؟ اگر تم لوگ میرے احکام میں دخل اندازی کرو گے تو ہم بھی تمہارے احکام میں دخل اندازی کریں گے تمہارے قوانین تو رڈالیں گے اور اگر تم ہمارے احکام مانو گے تو ہم تمہارے احکام مانیں گے۔ اگر تو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتی ہے تو تجھے رسول کے نائب کا حکم ماننا چاہیے۔ اگر تو نے انہیں معاف کر دیا تو میں تجھے حتی الامکان اچھا بدلہ دوں گا۔ میرے حکم ماننے کا ثبوت یہ ہو گا کہ تو ان کا جادو توڑ کر انہیں پھر انسان بنا دے، اور اگر تو نے ان کا جادو نہ توڑا تو میں خدا کی مدد سے زبردستی ان کا جادو توڑ دوں گا۔

پری نے یہ خط پڑھا تو وہ کہنے لگی میں ابھی جا کر یہ خط اپنے باپ کے سامنے پیش کرتی ہوں اور فوراً جواب لے کر آتی ہوں۔ جب سعیدہ اپنے باپ کے پاس پہنچی اور خط پیش کیا تو اس نے خط کو چوم کر سر پر رکھا اور پڑھ کر کہا بیٹی! آدمیوں کے بادشاہ کا حکم ہمارے ہاں چلتا ہے اور ہم اس کی مخالفت نہیں کر سکتے، تو جان کر ان دونوں آدمیوں کو ابھی آزاد کر دے۔ بیٹی نے پوچھا ابا! آدمیوں کے بادشاہ کا حکم یہاں کیوں کر چلتا ہے؟ اس نے جواب دیا کئی وجہ سے، اول تو وہ انسان ہے اور ہم سے بہتر دوسرے وہ خدا کا خلیفہ ہے، تیسرے وہ فجر کی دو رکعات کبھی ناغہ نہیں کرتا، اس لیے ساتوں زمینوں کے جن بھی اکٹھے ہو کر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اگر وہ ہم پر ناراض ہو کر فجر کی دو رکعتیں پڑھے اور ہمیں آواز دے تو ہم اس طرح اس کے پاس

جا کر جمع ہو جائیں گے جیسے قصاب کے پاس بھیڑ بکریاں۔ لہذا بیٹی، دو آدمیوں کی خاطر ہمیں ہلاکت میں نہ ڈال بلکہ جا کر انہیں آزاد کر دے۔ یہ سن کر وہ عبداللہ بن فاضل کے پاس آئی اور کہا ہماری طرف سے خلیفہ کے ہاتھ چومو اور کہیو کہ ہم سے ناراض

نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے وہی کٹورا نکالا اس میں پانی بھر کر منتر پڑھا اور ان پر چھڑک کر کہا کتوں کی صورت سے آدمیوں کی صورت میں آ جاؤ۔ ان کا جادو ٹوٹ گیا وہ پھر آدمی بن گئے اور کلمہ پڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور اس سے معافی مانگی۔ اس نے کہا تم مجھے معاف کرو اب انہوں نے دل سے توبہ کی اور کہا مردود ابلیس نے ہمیں بد راہ کر دیا تھا اور وہ اپنے بھائی کو منانے، رونے اور پشیمان ہونے لگے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا تم نے میری بیوی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولے جب ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا تو وہ اپنی کوٹھڑی میں سے نکلی اور کہا کہ میری وجہ سے جھگڑا نہ کرو، میں تم میں سے کسی کی بھی نہ ہوں گی، میرا شوہر سمندر میں گیا، میں بھی اس کے پیچھے جاتی ہوں۔ اس کے بعد وہ سمندر میں کود پڑی اور مر گئی۔

عبداللہ بولا وہ شہید ہو گئی اور رونے لگا۔ بھائیوں نے کہا ہم نے برا کیا اور خدا نے ہمیں سزا دی۔ سعیدہ بولی وہ تیرے ساتھ یہ حرکتیں کرتے ہیں اور تو انہیں معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا بہن، جس میں طاقت ہو اور معاف کرے خدا اس کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ وہ بولی خیر تو جان لیکن یہ دغا باز ہیں، ان سے بچتا رہو، پھر وہ اس سے رخصت ہوئی اور چلی گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو ستاسی ویں رات

نو سو ستاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کیا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سعیدہ رخصت ہو کر چلی گئی تو عبداللہ نے رات اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے لطف سے گزاری۔ سویرا ہوتے ہی انہیں حمام بھیجا بے حد قیمتی لباس پہنایا اور دسترخوان بچھوا کر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ نوکروں نے انہیں دیکھا تو پہچان گئے کہ اس کے بھائی ہیں انہیں سلام کیا اور امیر عبداللہ سے کہا بھائی تجھے ملے، مبارک ہو! لیکن اتنی مدت تک یہ تھے کہا؟ وہ بولا وہی ہیں جنہیں تم کتوں کی صورت میں دیکھا کرتے تھے، شکر ہے خدا کا کہ اس نے انہیں جون سے چھٹکارا دیا۔ دربار کا وقت ہوا تو وہ انہیں لے کر خلیفہ کی خدمت میں گیا اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ خلیفہ نے کہا مرحبا! بتا کیا ماجرا پیش آیا؟ اس نے کہا میں نے تیرے حکم کے مطابق گھر جا کر ان کے پٹے کھول دیئے اور خدا پر بھروسہ کیا۔ جب ہم سونے گئے تو ایک بہ یک ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی، اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے باقی قصہ سنا کر کہا کہ اس وقت یہ امیر المومنین کے سامنے حاضر ہیں۔ خلیفہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا کہ دونوں چاند کے مانند ہیں کہا اے عبداللہ! خدا تیرا بھلا کرے! تو نے مجھے ایسی بات بتائی جو مجھے معلوم نہ تھی۔ خدا نے چاہا تو میں فجر کی دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ

کر اس نے عبداللہ بن فاضل کے دونوں بھائیوں کو بہت ڈانٹا ڈپٹا اور انہوں نے اس کے آگے معافی مانگی۔ خلیفہ نے کہا آپس میں مصافحہ کرو اور ایک دوسرے کو معاف کرو۔ پرانی باتیں خدا معاف کرے! پھر اس نے عبداللہ سے کہہ ان دونوں کو اپنا نائب بنا لے اور ان سے کہا کہ اپنے بھائی کا حکم ماننا اور انہیں انعام دے کر بھرے روانہ کر دیا۔

یہ تو وہ باتیں ہوئیں جو انہیں خلیفہ کے ساتھ پیش آئیں۔ اب عبداللہ بن فاضل کی داستان سنو! وہ اپنے بھائیوں کو عزت و احترام سے لے کر بھرے پہنچا لوگ ان کی ملاقات کے لیے آئے اور شہر چراغاں کیا گیا۔ ہر شخص عبداللہ کو دعائیں دیتا اور دونوں بھائیوں کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا۔ یہ دیکھ کر وہ حسد کرنے لگے۔ عبداللہ ان کی جس قدر خاطر مدارت کرتا اسی قدر ان کے حسد کی آگ بھڑکتی جاتی۔ اس نے دونوں کو ایک ایک کنیر ہم بستری کے لیے دی، چالیس چالیس نوکر، باندیاں کالے اور گورے غلام، پچاس پچاس اخیل گھوڑے اور ان کا روزینہ اور ماہانہ مقرر کر کے اپنا نائب بنا لیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اٹھاسی ویں رات

نو سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ نے انہیں اپنا نائب بنا کر کہا ہم تم برابر ہیں اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ خدا اور خلیفہ کے بعد میرا اور تمہارا حکم چلے گا۔ میری موجودگی اور غیر موجودگی میں بھرے پر تم حکمرانی کرنا لیکن خدا سے ڈرنا، انصاف کرنا، ظلم نہ کرنا ورنہ اس کی خبر خلیفہ تک پہنچ جائے گی اور ہم تم سب بد نام ہوں گے۔ اگر تمہیں لوگوں کے مال کی خواہش ہو تو تم اس سے زیادہ میرے مال میں سے لے لینا۔ یہ نصیحت کرنے کے بعد اس کو خیال ہوا کہ اب وہ ضرور راہ راست پر آگئے ہوں گے اور اس لیے وہ ان کے ساتھ اور زیادہ انعام و اکرام کرنے لگا۔ لیکن جتنا وہ انعام و اکرام کرتا بھائی اور زیادہ حسد کرتے۔

ایک روز ناصر نے منصور سے کہا ہم کب تک اپنے بھائی کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے؟ وہ تاجر تھا امیر ہو گیا، چھوٹا تھا بڑا ہو گیا۔ ہم نہ بڑے ہو سکتے ہیں نہ ہمارا رتبہ بڑھ سکتا ہے، وہ مذاق اڑاتا ہے ہمیں اپنا نائب بنا رکھا ہے۔ جب چاہے وہ ہمیں معزول کر سکتا ہے۔ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں اس کے مال و دولت پر قبضہ کر کے آپس میں تقسیم کر لیں اور خلیفہ کے پاس تحفے تحائف بھیج کر اس سے کہیں کہ وہ مجھے کوفے کا والی بنا دے اور تجھے بھرے کا یا مجھے بھرے کا اور تجھے کوفے کا۔ منصور بولا تو سچ کہتا ہے لیکن اسے قتل کیوں کر کیا جائے؟ ناصر نے کہا ہم اسے دعوت پر بلائیں اس کی خوب خدمت کریں باتیں کر کے اور قہے سنا کر اسے دیر تک جاگتا رکھیں، اس کے بعد جب وہ سو جائے تو اس کا گلا گھونٹ کر سمندر میں پھینک دیں اور جب صبح ہو تو کہیں اس کی بہن پری آئی تھی اس نے کہا کہ اے حرام زادے! تیری یہ ہمت ہوئی کہ تو نے خلیفہ سے جا کر میری شکایت کی؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم اس سے ڈرتے ہیں، جیسے وہ بادشاہ ہے ہم بھی بادشاہ ہیں؟ اگر

ہم اس کا ادب نہ کرتے تو اسے بری موت مارتے لیکن میں فی الحال تجھے قتل کر کے دیکھتی ہوں کہ خلیفہ کیا کرتا ہے۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اسے لے کر زمین میں سما گئی، پھر ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ اس کی خبر ہم خلیفہ کو دیں گے اور وہ اس کی جگہ ہمیں والی بنا دے گا۔ تھوڑی مدت کے بعد ہم خلیفہ کے پاس عمدہ عمدہ ہدیے بھیجیں گے اور اس سے کوفے کا والی بننے کی درخواست کریں گے۔ اس طرح سے ہم میں سے ایک کوفے کا اور دوسرا بصرے کا والی بن جائے گی۔

انہوں نے یہ فیصلہ کر کے اپنے بھائی عبداللہ کو قتل کر ڈالیں ناصر نے دعوت کی تیاری کی اور اس سے کہا کہ تو اور منصور میری دعوت منظور کر کے میرا دل خوش کر دیں۔ عبداللہ بولا بھائی اس میں کیا مضائقہ ہے، تیرا گھر میرا گھر ہے اور دعوت نامنظور کرنا تو ویسے بھی بد اخلاقی کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی منصور کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو بھی چلے گا نہ؟ اس نے جواب دیا اس شرط پر کہ تو اس کے بعد میری دعوت بھی منظور کرے۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے، جیسے وہ میرا بھائی ہے تو بھی ہے۔ ناصر نے اپنے بھائی عبداللہ کا ہاتھ چوما اور گھر جا کر دعوت کا سامان کرنے لگا۔ دوسرے روز عبداللہ نے لشکر اور اپنے بھائی منظور کر ساتھ لیا اور ناصر کے گھر پہنچا۔ دسترخوان بچھایا گیا کھایا پیا ہاتھ دھوئے مغرب اور عشا کی نماز پڑھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے، منصور ایک کہانی کہتا تو ناصر دوسری، عبداللہ انہیں سنتا۔ محل میں وہ اکیلے تھے اور باقی لشکر دوسری جگہ تھا۔ جب عبداللہ جاگتے جاگتے تھک گیا اور اسے نیند آنے لگی۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو نواسی ویں رات

نو سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عبداللہ کو نیند آنے لگی تو وہ تخت پر لیٹ کر سو گیا، دونوں بھائی اس کے پہلو میں دوسرے تخت پر لیٹ گئے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ سو گیا ہے تو اٹھ کر بھائی کے سینے پر چڑھ بیٹھے، اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ بھائی سینے پر چڑھے ہوئے ہیں کہا بھائیو! یہ کیا؟ وہ بولے اے بد تمیز! نہ ہم تیرے بھائی ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ تو کون ہے۔ تیرے جینے سے تیرا مرنا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کی گردن پکڑ کر مروڑ دی وہ بے ہوش گیا، انہوں نے سمجھا مر گیا اور سمندر میں پھینک دیا۔

جب وہ سمندر میں گرا تو خدا نے ایک درفیل کو اس پر مسلط کر دیا جو اکثر محل کے نیچے آیا جلا کرتا تھا جب باورچی خانے میں جانور ذبح کئے جاتے تو ان کی آنتیں اور اوجھڑی سمندر میں پھینک دی جاتیں۔ آج چونکہ دعوت تھی اور بہت کچھ سمندر میں پھینکا گیا تھا اس لیے درفیل کو بہت کھانے کے لیے ملا وہ کھا پی کر مضبوط ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پھر کوئی چیز آ کر سمندر میں گری تو وہ دوڑ کر پہنچا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے تو وہ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر کنارے سے دوسرے کنارے پر ڈال آیا۔ ادھر سے ایک قافلہ گزرا لوگوں نے اسے پڑا دیکھ کر قافلہ سالار کو خبر کی کہ وہ مردہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے دیکھ کر کہا ابھی اس میں جان ہے عجب نہیں کہ وہ اچھا ہو جائے اور اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ تین منزل تک اس کا علاج کرتے رہا۔ عبداللہ کو ہوش آ گیا اور کمزوری محسوس ہونے لگی، تیس دن کے بعد وہ عجم کے ایک شہر میں پہنچے جس کا نام عوج تھا ایک سرائے میں اترے اسے فرش بچھا کر لٹا دیا اور وہ رات بھر پڑا کراہتا رہا۔

صبح ہوئی تو سرائے کے دربان نے آ کر پوچھا کہ اس بیمار کی کیا حالت ہے؟ سالار بولا

ہم نے اسے سمندر کے کنارے راہ میں پڑا پایا تھا اور برابر اس کی دوا دارو کرتے رہے لیکن ابھی تک وہ اچھا نہیں ہوا۔ دربان بولا اسے شیخہ راجحہ کے پاس لے چل۔

یہاں ایک نہایت حسین باکرہ لڑکی ہے، اس کا نام راجحہ ہے۔ لوگ بیماروں کو اس کے پاس لے جاتے اور وہ وہاں رات بھر رہ کر سویرے تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ سالار اسے لے کر راجحہ کے پاس گیا دیکھا کہ لوگ نذریں لیے اندر جاتے اور خوش خوش باہر آتے ہیں۔ دربان نے پردے کے پاس جا کر کہا اے شیخہ راجحہ! اجازت ہے؟ ایک بیمار کو لائے ہیں۔ اس نے جواب دیا اسے پردے کے اندر بھیج دے۔ دربان نے عبداللہ سے کہا اندر جا جوئی اندر گیا دیکھا کہ یہ تو میری بیوی ہے جسے مدینتہ الحجر

سے لایا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور سلام کیا۔ عبداللہ نے پوچھا تو یہاں کیسے آئی؟ اس نے کہا جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے اور میرے لیے لڑ رہے ہیں تو میں بھی سمندر میں کود پڑی۔ خواجہ خضر ابوالعباس مجھے وہاں سے اٹھا کر اس زاویے میں لے آئے اور مجھے اجازت دی کہ میں بیماروں کا علاج کیا کروں، شہر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جو شخص بیمار ہو شیخہ راجحہ کے پاس جائے اور مجھ سے کہا تو یہیں ٹھہری رہ جب تک تیرا شوہر تیرے پاس نہ آجائے۔ سارے بیمار میرے پاس آتے ہیں، ان کی مالش کرتی ہوں اور وہ صبح تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ میں دور دور تک مشہور ہو گئی ہوں، لوگ میرے پاس نذریں لاتے ہیں اور تمام لوگ مجھ سے دعا کے طلب گار رہتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام ہر جمعرات کو میرے پاس آتے ہیں۔ چنانچہ رات ہوئی تو وہ کھاپی کر خضر علیہ السلام کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آ پہنچے اور دونوں کو زاویے سے لے جا کر بصرے میں ایک محل پر اتار دیا اور چلے گئے۔ سویرا ہوا اور عبداللہ نے غور سے دیکھا تو وہ اسی کا محل تھا، اتنے میں اسے باہر شور و غل سنائی دیا۔ جھروکے میں سے جھانکا تو اس کے دونوں بھائی دو تختوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب انہوں نے اپنے بھائی کو سمندر میں پھینک دیا تو سویرے اٹھ کر رونے

پٹنے لگے اور کہا ہمارے بھائی کو پری اٹھا کر لے گئی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ہدیہ تیار کر کے خلیفہ کے پاس بھیجا اور اس سے بھرے کی ولایت طلب کی۔ خلیفہ نے انہیں بلا کر قصہ پوچھا اور بہت ناراض ہوا صبح کو اس نے دن نکلنے سے پہلے دور رکعتیں

پڑھ کر جنوں کو بلایا اور ان سے عبداللہ کی خبر پوچھی۔ انہوں نے اپنی لا علمی ظاہر کی لیکن ملک احمر کی بیٹی سعیدہ نے آ کر بتا دیا کہ وہ کہاں ہے۔ دوسرے روز اس نے ناصر اور منصور کو خوب پڑوایا۔ انہوں نے اپنی خطا کا اقرار کر لیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ انہیں لے جا کر عبداللہ کے محل کے دروازے پر پھانسی دے دو۔ غرض کہ عبداللہ دونوں کو دفن کر کے بغداد گیا اور خلیفہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح اس لڑکی سے کرا دیا جسے وہ مدینہ الحجر سے لایا تھا اور مرتے دم تک دونوں بھرے میں رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں۔

○ رفوگر اور اس کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ----- مصر میں ایک رفوگر معروف نام رہتا تھا جو پرانی قالینوں کو رفو کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اور جسے لوگ رنڈی کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ وہ بڑی بدکار، شیریر، بے شرم اور چال باز تھی۔ وہ اپنے شوہر پر حکم چلاتی اور دن بھر میں ہزار گالیاں دیتی، برا بھلا کہتی۔ رفوگر اگرچہ غریب تھا لیکن عزت والا ڈرتا تھا کہ کہیں اس کی آبرو پر دھبہ نہ لگ جائے اس لیے وہ اس کے شر فساد سے ڈرتا رہتا۔ اگر وہ کسی دن زیادہ کما کر لاتا تو بیوی پر خرچ کر دیتا اگر کسی دن تھوڑا کماتا تو وہ اس کی زندگی اجیرن کر دیتی۔ ایک روز اس نے معروف سے کہا آج شام کو سواں لایو جن پر شہد پڑا ہو۔ وہ کہنے لگا واللہ آج میرے پاس دام

تو نہ ہوں گے لیکن خدا کر کے یہ مصیبت مجھ پر آسان ہو جائے! بیوی بولی باتیں نہ بنا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• نو سو نوے دیں راتے

نو سو نوے رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بیوی نے کہا باتیں نہ بنا، آسان ہو یا مشکل، شہد والی سواں لے کر آئیو ورنہ گھر میں نہ گھسیو۔ اس نے کہا اللہ کریم ہے اور اٹھ کر نماز پڑھی جا کر دکان کھولی اور دعا مانگی کہ خدا وندا مجھے سواں دیجیو اور اس رنڈی کے ہاتھ سے بچائیو! دوپہر تک دکان پر بیٹھا رہا کوئی کام نہ ملا بیوی کے ڈر کے مارے کانپنے لگا کان بند کر کے چلا حیران پریشان تھا کہ سواں کہاں سے لائے؟ اس کے پاس تو روٹی کے لیے بھی دام نہیں۔ جب وہ سویوں کی دکان کے پاس سے گزرا تو وہاں ٹھہر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ سویوں والے نے کہا اے استاد معروف! تو کیوں رو رہا ہے؟ کون سی ایسی مصیبت تجھ پر آئی ہے؟ اس نے جواب دیا میری بیوی بڑی مرد مار ہے اس نے کہا کہ بے سواں لیے نہ آئیو۔ دوپہر تک دکان میں بیٹھا رہا لیکن میں نے اتنا بھی نہیں کمایا کہ روٹی خرید سکوں۔ سویوں والا ہنسنے لگا اور بولا کتنی سواں چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا، پانچ رطل۔ دکاندار نے تول کر پانچ رطل سواں دے دیں اور کہا میرے پاس مکھی کا شہد نہیں، شکر کا شہد ہے جو مکھی کے شہد سے اچھا ہے۔ معروف شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ ادھار لے رہا تھا۔ دکان دار نے پوچھا، روٹی اور پنیر بھی چاہیے؟ اس نے کہا، ہاں۔ اور چار اٹھنیوں کی روٹی ایک کا پنیر اور دس کی سواں لیں۔ دکان والا بولا، اے معروف! تیری طرف پندہ اٹھنیاں ہو گئی ہیں، ایک اٹھنی نقد حمام کے لیے بھی لیتا جا۔ دو تین دن میں جب خدا تجھے دے ادا کر دیجیو۔

معروف سواں، روٹی اور پنیر لے کر اسے دعا دیتا ہوا چل دیا ور راستے بھر کہتا رہا کہ خدا وندا تو کتنا کریم ہے! گھر پہنچ کر اس نے سواں بیوی کے آگے رکھ دیں۔ بیوی نے دیکھا، یہ تو گنے کا شہد ہے۔ کہنے لگی میں نے تو تجھ سے کہا تھا کہ مکھیوں کے

شہد کے ساتھ لائیو تو گئے کا شہد ڈلوا لایا۔ معروف نے معافی مانگی اور کہا میں ادھار لایا ہوں۔ بیوی نے کہا، جھوٹ بکتا ہے اور ناراض ہو کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا جا کر دوسری سواں لا اور اس زور سے اس کی کپٹی پر مکا رسید کیا کہ اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور خون سینے تک بہنے لگا۔ رفوگر کو بھی غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کیا اور اس نے آہستہ سے بیوی کے سر پر ایک دھول ماری۔ بیوی نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور چلانے لگی اے مسلمانو! دوڑو، پڑوسیوں نے آ کر اس کی داڑھی چھرائی اور عورت کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا ہم سب سویوں کو گئے کے شہد کے ساتھ کھاتے ہیں، تو اس بے چارے پر کیوں ظلم کر رہی ہے؟ بری بات ہے۔ ادھر وہ تو دونوں میں صلح کرا کے چل دیئے اور بیوی نے قسم کھائی کہ میں ہرگز نہیں کھاؤں گی۔ شوہر بھوکا تو تھا ہی بولا تو نہیں کھاتی تو میں کھاتا ہوں۔ بیوی نے کہا یہ زہر ہو کر تیرے حلق سے اترے گا! شوہر ہنستا جاتا، کھاتا جاتا اور کہتا تو نے ان کے کھانے کی قسم کھائی ہے۔ خدا نے چاہا تو میں کل شام کو سواں اور خالص شہد لاؤں گا پھر تو اکیلی انہیں کھائیو۔ وہ بیوی کو سنائے جاتا اور بیوی اسے بد دعائیں دیئے جاتی۔

غرض کہ رات بھر بیوی اسے برا بھلا کہتی اور کوستی رہی، صبح ہوئی تو اس نے اپنے شوہر کو مارنے کے لیے آستینیں چڑھائیں۔ شوہر نے کہا صبر کر، میں جا کر تیرے

لیے دوسری سواں لاتا ہوں۔ وہ ابھی دکان کھول کر بیٹھا ہی تھا کہ قاضی کے دو پیادے آئے اور کہا چل تجھے قاضی بلاتا ہے، تیری بیوی نے تیرے اوپر نالش کی ہے۔ وہ قاضی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی بیوی پاؤں پر پٹیاں باندھے کھڑی ہے اس کا برقع خون میں لتھڑا ہوا ہے وہ روتی اور آنسو پونچھتی جاتی ہے۔ قاضی نے کہا اے شخص! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو نے اپنی بیوی کو مارا اور اس کی بانہ توڑ دی؟ دانت توڑا ہے؟ اس نے کہا اگر میں نے اسے مارا ہو یا دانت توڑا ہو تو جو تیرا جی چاہے مجھے

سزا دے۔ اصل قصہ یہ ہے اور پڑوسیوں نے آ کر بیچ بچاؤ کیا ہے۔ قاضی نے چوتھائی دینار نکالا اور کہا اس کی سویاں اور خالص شہد خرید کر باقی بیوی کو دے دے اور دونوں صلح کر لو۔ اس نے کہا یہ دام بیوی کے حوالے کر دے اور بیوی نے لے لیے۔ قاضی نے دونوں میں صلح کرا دی اور کہا اے نیک بخت! اپنے شوہر کا کہنا مان اور اے بھلے مانس! اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ۔ بیوی ایک راستے سے چل دی اور شوہر دوسرے راستے سے دکان چلا گیا۔ ابھی دکان کھولی ہی تھی کہ دونوں پیادے آ کر کہنے لگے ہمارا حق دے۔ اس نے کہا قاضی نے تو مجھ سے کچھ نہیں لیا بلکہ چوتھائی مجھے دیا۔ وہ بولے ہمیں اس سے مطلب نہیں قاضی نے تجھے دیا یا تجھ سے لیا، اگر تو ہمارا حق نہ دے گا تو ہم زبردستی لے لیں گے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اسے پکڑ کر گلی میں گھسیٹنا شروع کیا اور اس نے مجبور ہو کر اپنے اوزار بیچے اور انہیں نصف دینار دیا۔ پیادے چلے گئے تو وہ بیٹھ کر افسوس کرنے لگا اب اوزار بھی جاتے رہے، کام کیسے کروں گا؟

اتنے میں اور دو آدمی بھیانک شکل کے اس کے پاس پہنچے اور کہا چل قاضی کے پاس، تیری بیوی نے نالش کی ہے۔ وہ بولا قاضی نے تو ہمارے درمیان صلح کرا دی ہے۔ انہوں نے کہا ہم اس قاضی کے پیادے نہیں ہیں، تیری بیوی نے ہمارے قاضی کے پاس نالش کی ہے۔ وہ بیوی کو کوستا ہوا دونوں پیادوں کے ساتھ چل دیا۔ قاضی کے ہاں پہنچ کر اس نے بیوی کو دیکھا اور کہا اے حلال زادی! کیا ہم میں صلح نہیں ہو گئی؟ بیوی نے کہا، ہم میں صلح نہیں ہو سکتی، شوہر نے قاضی سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا ابھی ابھی فلاں قاضی نے ہم دونوں میں ملاپ کرایا ہے۔ قاضی نے کہا، اے رنڈی جب اس نے صلح کرا دی ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئی؟ اس نے جواب دیا میرے شوہر نے اس کے بعد مجھے مارا ہے۔ قاضی بولا ملاپ کر لو، اب تو اسے نہ ماریو اور وہ بھی تیری مخالفت نہیں کرے گی۔ اور پیادوں کا حق دے دے اس نے دے دیا۔ جا کر دکان کھولی اور بیٹھ گیا لیکن مارے رنج و غم کے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ ایک شخص نے آ کر کہا اے معروف! بھاگ، تیری بیوی نے باب علی میں جا کر تیری شکایت کی ہے اور

تیرے اوپر بلا ٹوٹنے والی ہے۔ وہ اٹھا اور دکان بند کر کے باب النصر کی طرف چلا۔ اس وقت اس کے پاس محض پانچ انہنیاں باقی تھیں، چار کی تو اس نے روٹیاں خریدیں ایک کا پنیر اور بھاگ۔ راستے میں زور سے پانی برسنے لگا سامنے ایک کھنڈر دکھائی دیا اس میں گھس گیا، رونے لگا اور کہا خداوند! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے ایسے ملک میں پہنچا دے جہاں وہ میرا پیچھا نہ کر سکے۔ اتنے میں دیوار پھٹی ایک لمبا تڑنگا شخص اس میں سے نکلا اور کہنے لگا اے شخص! تو آج مجھے کیوں پریشان کر رہا ہے؟ میں دو سو سال سے یہاں رہتا ہوں اب تک کوئی اس گھر میں آیا نہیں۔ بتا تیرا کیا مقصد ہے تاکہ میں اسے پورا کر دوں کیونکہ مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ معروف نے اس سے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا وہ سوار ہو گیا۔ وہ شخص اڑا عشاء کے وقت سے لے کر فجر تک اڑتا رہا اور جا کر اسے ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو اکیانویں رات

نو سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- دیو نے رفوگر معروف کو ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا اور کہا اے انسان! یہاں سے اتر کر سامنے والے شہر میں چلا جا، وہاں تیری بیوی کسی حالت میں نہیں پہنچ سکتی۔ معروف اس شہر میں جا پہنچا اور اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ لوگ اسے دیکھ کر متعجب ہوتے کیونکہ اس کا لباس ان لوگوں سے مختلف تھا۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا کیا تو پردیسی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اس شخص نے کہا کس ملک سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر سے۔ اس شخص نے کہا کیا تجھے مصر چھوڑے مدت ہو گئی ہے؟ معروف بولا کل عصر کے وقت چھوڑا ہے۔ وہ شخص ہنسنے لگا اور کہا لوگو، آؤ اور سنو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ کل عصر کے وقت مصر سے چلا۔ یہ سن کر سب لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا کہ ایسی باتیں کرتا ہے؟ یہاں سے مصر کا راستہ پورے سال بھر کا ہے۔ معروف بولا پاگل تم ہو گے، دیکھو یہ میرے پاس مصر کی روٹیاں ہیں جو ابھی تک تازہ ہیں۔ روٹیاں دیکھ کر سب اچنبھے میں پڑ گئے کیونکہ وہ روٹیاں ان کی روٹیوں کی سی نہ تھیں۔ اب شہر بھر میں اس کا شہرہ ہو گیا۔ بعض اسے سچا مانتے بعض جھوٹا اور اس کا مذاق اڑاتے۔

اس اثنا میں ایک تاجر خچر پر سوار آ پہنچا، اس کے پیچھے دو غلام تھے، وہ بھڑ کو چیرتا پھاڑتا اندر آیا اور کہا لوگو، تمہیں شرم نہیں آتی غریب پردیسی کا مذاق اڑاتے ہو؟ وہ سب کو برا بھلا کہتا رہا کسی نے چوں تک نہ کی پھر اس نے معروف کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی ان کی باتوں پر خیال نہ کر، یہ بے شرم ہیں اور میرے ساتھ آ۔ وہ اسے ایک بڑے اور خوبصورت مکان میں لے گیا، ایک شاہانہ کرسی پر بٹھایا اور ایک ہزار دینار کی پوشاک پہنائی۔ معروف خوش رو تو تھا ہی پوشاک پہن کر تاجروں کا شاہ بندر

معلوم ہونے لگا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا دونوں نے کھانا کھایا اس نے معروف سے پوچھا بھائی، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام معروف ہے اور پیشہ پرانی قالینوں کی رفوگری۔ اس نے پوچھا وطن؟ معروف بولا مصر۔ اس نے کہا محلہ؟ معروف بولا تو مصر سے واقف ہے؟ اس نے کہا میں وہیں کا باشندہ ہوں۔ معروف نے کہا میرا گھر درب احمر میں ہے۔ اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کو پہچانتا ہے؟ معروف نے کہا میری دیوار سے اس کی دیوار ملی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا اس کی کتنی اولادیں ہیں؟ معروف نے کہا تین: مصطفیٰ، محمد اور علی۔ مصطفیٰ عالم ہے اور لڑکے پڑھاتا ہے، محمد عطر فروش ہے اور اس کی دکان باپ کی دکان کے پہلو میں ہے۔ اس کی شادی ہو چکی ہے اور اس کا حسن نامی ایک لڑکا ہے۔ اب رہا علی تو میں اور وہ بچپن میں ساتھ ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ عیسائی لڑکوں کا لباس پہن کر گرجوں میں جاتے، کتابیں چراتے اور انہیں بیچ کر کھاتے اڑاتے۔ ایک دن عیسائیوں نے ہمیں کتاب چراتے پکڑ لیا اور اس کے باپ سے جا کر شکایت کی کہا کہ اگر تو اسے منع نہ کرے گا تو ہم بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کریں گے۔ باپ نے ان کی خاطر اسے کوڑے لگائے اور وہ اس وجہ سے بھاگ گیا آج تیس سال ہوئے کہ اس کی کوئی خبر نہیں۔

اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کا بیٹا علی میں ہی ہوں اور تو معروف میرا دوست ہے۔ اب بتا کہ تیرا آنا یہاں کیسے ہوا؟ معروف نے اپنی بیوی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا ایک جن مجھے لا کر چھوڑ گیا ہے۔ یہاں لوگوں کی بھیڑ میرے ارد گرد لگ گئی اور انہوں نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا میں کل مصر سے چلا ہوں انہوں نے یقین نہیں کیا، اتنے میں تو آ پہنچا۔ علی نے کہا میں ناراض ہو کر گھر سے چل دیا تھا اور بیس سال تک شہر بہ شہر خاک چھانتا ہوا یہاں پہنچا۔ اس شہر کا نام اختیان ختن ہے، یہاں کے لوگ بڑے شریف ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور جو کچھ ان سے کہا جائے اسے سچ مانتے ہیں۔ میں نے یہاں آ کر کہا کہ میں تاجر ہوں، میرا سامان پیچھے آ رہا ہے۔ انہوں نے میرا کہنا سچ مانا اور میرے لیے ایک مکان خالی کرا دیا۔ پھر میں نے

کہا جب تک میرا سامان نہ آ جائے مجھے ایک ہزار دینار کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھے ایک ہزار دینار دے دیئے۔ میں نے ان کا سامان خریدا اور جب اسے بیچا تو مجھے پچاس دینار کا فائدہ ہوا۔ اسی طرح خریدتے بیچتے میں امیر ہو گیا۔ بھائی! تجھے یہ مقولہ معلوم ہے کہ دنیا دغا بازی اور حیلہ سازی کا نام ہے؟ لہذا اگر تو کہے گا میں رفوگر اور غریب ہوں اور بیوی کے ڈر سے بھاگ آیا ہوں، وغیرہ وغیرہ تو وہ تیری بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تو کہے گا کہ مجھے دیو اٹھا کر لایا ہے تو وہ تجھ سے بھاگیں گے اور تیرے پاس کوئی پھٹکے گا بھی نہیں لوگ کہیں گے کہ اس پر جن آتا ہے۔ معروف نے پوچھا، پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا میں کل تجھے ایک ہزار دینار، ایک خچر اور ایک غلام دوں گا تو سوار ہو کر سوداگر بازار آؤ، میں وہاں تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوں گا سلام کر کے تیرا ہاتھ چوموں گا اور تیری بڑی عزت کروں گا۔ جب میں پوچھوں کہ فلاں کپڑے لایا ہے؟ تو کہیو بے شمار۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ تیرے لیے ایک دکان لے دیں اور ان سے کہوں گا کہ تو بڑا امیر اور سخی ہے۔ جب کوئی فقیر آئے تو جتنا دے سکے دیجیو۔ اس سے انہیں میری بات کا یقین آ جائے گا کہ تو بڑا آدمی ہے اور بے حد سخی وہ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد میں ان سب کی دعوت کر کے تیرے ساتھ شناسائی کرا دوں گا اور سب تجھے جان جائیں گے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو بانوے دیں راتے

نو سو بانوے دیں رات ہوئی اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- تاجر علی نے معروف سے کہا سب تجھے جان جائیں گے اور تو سب کو جان جائے گا تاکہ ان کے ساتھ خرید فروخت اور لین دین کر سکے۔ جب سویرا ہوا تو علی نے اسے ایک ہزار دینار دیئے۔

عمہ پوشاک پہنا کر اسے خچر پر سوار کیا ایک غلام دیا اور کہا اب اپنی بیوی کی بد چلنی کو بھول جا کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ معروف سوار ہو کر سوداگر بازار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ تاجر علی بہت سے تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ علی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا اے تاجر معروف! اے بھلائی اور نیکی کے پتلے۔ تیرا نام مبارک ہو! یہ کہہ کر اس نے تاجر کے رو برو اس کا ہاتھ چوما۔

خچر پر سے اتارا اور اسے تاجروں سے ملایا۔ تاجروں نے پوچھا کیا یہ بھی تاجر ہے؟ اس نے کہا بلکہ سب سے بڑا تاجر، مصر بھر میں اس سے اور اس کے باپ دادا سے امیر کوئی تاجر نہیں، اس کے ساجھی ہند، سندھ اور یمن میں موجود ہیں۔ اس کا یہاں آنا تجارت کی غرض سے نہیں بلکہ سیر و تفریح کی غرض سے ہے کیونکہ کمائی کے لیے اسے پردیس میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ آگ بھی اسے نہیں کھا سکتی۔ یہ تمام تعریفیں سن کر لوگ اس کے پاس آئے ناشتا اور شربت پیش کیا حتیٰ کہ تاجروں کا شاہ بندر بھی سلام کے لیے حاضر ہوا۔ علی نے اور تاجروں کے سامنے اس سے پوچھا اے میرے آقا! تو فلاں تھان بھی اپنے ساتھ لایا ہے اس نے کہا بے شمار جو کچھ وہ پوچھتا جاتا معروف کہتا کہ بے شمار۔

وہ بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ ایک فقیر آیا اور تاجروں سے بھیک مانگنے لگا۔ کسی نے اسے آدھا درہم دیا کسی نے ایک جدید اور اکثر لوگوں نے کچھ بھی نہیں دیا۔ جب وہ معروف کے پاس پہنچا تو اس نے مٹھی بھر سونا اسے دیا اور وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ تاجروں کو

بڑا تعجب ہوا، وہ کہنے لگے یہ بھیک نہیں شاہانہ بخشش ہے۔ اگر وہ حد سے زیادہ مال دار نہ ہوتا تو فقیر کو مٹھی بھر کر سونا نہ دیتا۔ فقیروں نے جا کر ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا اور وہ ایک ایک کر کے آتے اور معروف انہیں ایک مٹھی سونا دیتا یہاں تک کہ ہزار دینار ختم ہو گئے۔ اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔ شاہ بندر نے کہا اے تاجر معروف!

خیر تو ہے؟ اس نے کہا اس شہر والے زیادہ تر فقیر اور مسکین ہیں، اگر میں یہ جانتا ہوں تو اپنے ساتھ خرجی میں زیادہ مال لیتا آتا اور فقیروں کو دیتا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں مدت تک یہاں رہا تو فقیروں سے کیا کہوں گا؟ فقیروں کو لوٹانا میری فطرت سے بعید ہے۔ شاہ بندر نے کہا ان سے کہیو کہ خدا تمہیں دے! معروف نے کہا میری عادت نہیں اور اسی وجہ سے میں بہت رنجیدہ ہوں۔ شاہ بندر نے ایک نوکر کو بھیج کر ہزار دینار بھجوا دیئے اور اس نے پھر فقیروں کو دینار شروع کر دیا۔ جب وہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ہزار دینار میں سے جو کچھ بچا تھا اس نے نمازیوں پر نچھاور کر دیا۔

پھر اس نے ایک اور تاجر سے ہزار دینار لیے انہیں بھی بانٹ دیا۔ تاجر علی یہ ساری باتیں دیکھتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ غرض کہ بازار کا دروانہ بند ہوتے ہوئے اس نے پانچ ہزار دینار خرچ کر دیئے جس سے وہ ادھار لیتا کہتا کہ میرا سامان آ جانے دے، چاہے سونا لے لیجیو چاہے کپڑے، میرے پاس بہت سامان ہے۔

شام کو علی نے اسے اور تمام تاجروں کو دعوت پر بلایا جو کوئی اس سے پوچھتا کہ فلاں چیز لایا ہے وہ کہتا بے شمار۔ دوسرے دن وہ پھر بازار گیا اور لوگوں سے ادھار لے لے کر فقیروں کو دینے لگا۔ بیس دن تک اس کی یہی حالت رہی، ساٹھ ہزار دینار اس پر ادھار ہو گئے اور سامان کا کہیں پتا نہیں۔ اب لوگ پریشان ہوئے اور کہنے لگے، تاجر معروف کا مال اب تک نہیں آیا، آخر وہ کب تک لوگوں سے ادھار لے کر فقیروں کو دیا کرے گا۔ تاجر علی بولا ذرا اور صبر کرو، اس کا مال آتا ہی ہو گا۔ اس کے بعد علی نے معروف سے تنہائی میں کہا، یہ کیا تیری حرکت ہے؟ میں نے تجھ سے روٹی سینکنے کے لیے کہا تھا یا جلا دینے کو؟ تجھ پر ساٹھ ہزار دینار کا قرضہ ہو چکا ہے۔ وہ

بولا کیا مضائقہ؟ ساٹھ ہزار دینار کی حیثیت کیا ہے؟ جب میرا سامان آ جائے گا میں ادا کر دوں گا، چاہے وہ کپڑے لے لیں چاہے دینار اور درہم۔ علی کہنے لگا اللہ اکبر! کیا تیرے پاس سامان ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ علی نے کہا میں نے ہی تو تجھے یہ گر سکھایا تھا اس نے کہا چل، زیادہ باتیں نہ بنا، کیا میں کوئی بھک منگا ہوں جب میرا سامان آ جائے گا تو میں ایک کے بدلے دو دے دوں گا۔ تاجر علی کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا اے بد تمیز! تو جھوٹ بولتا ہے اور شر مانتا نہیں، ٹھہر تو سہی میں تجھے ابھی اس کا مزا چکھاتا ہوں۔ معروف بولا جو تیرا جی چاہے کر، اگر لوگ صبر سے بیٹھے رہے اور میرا سامان آ گیا تو جتنا ان سے لیا ہے اس سے زیادہ دے دوں گا۔ علی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا، پہلے تو میں نے اس کی تعریف کی، اب برائی کس منہ سے کروں؟ تاجروں نے اس کے پاس آ کر کہا، اے علی! تو نے اس سے باتیں کیں؟ اس نے جواب دیا، مجھے شرم آتی ہے۔ میں نے بھی اسے ایک ہزار دینار دیئے ہیں۔ تم نے اسے بے میرے مشورے کے دیا ہے، تم خود اس سے جا کر تقاضا کرو اور اگر وہ نہ دے تو بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کرو۔ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے اور شکایت کی ساتھ ہی اس کی سخاوت بھی بیان کی۔ یہ بادشاہ بڑا لالچی تھا، معروف کی سخاوت اور دیا دلی سن کر وزیر سے کہنے لگا وہ ضرور مالدار ہو گا اگر اس کا سامان آ گیا تو سب انہیں دے دے گا حالانکہ اس کا زیادہ مستحق میں ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ میں اس سے محبت بڑھاؤں جب اس کا سامان آ جائے تو بجائے اس کے کہ تاجر اسے لیں میں اس کا مالک بنوں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر کے اس کا مال بھی اپنے مال میں شامل کر لوں۔ وزیر نے کہا۔ جہاں پناہ، میرے خیال میں وہ دغا باز ہے اور دغا باز لالچی کے گھر کو اجاڑ دیتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو ترانوںے دیں راتے

نو سو ترانوںے دیں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب وزیر نے کہا کہ وہ دغا باز ہے تو بادشاہ بولا اچھا میں اس کا امتحان لیتا ہوں اسے بلا کر ہیرے کا ایک ٹکڑا دکھاتا ہوں۔ اگر وہ اسے پہچان گیا اور اس کی قیمت بتا دی تو وہ سچا ہے ورنہ میں اسے بری موت ماروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلوایا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر پوچھا لوگ کہتے کہ ان کا تجھ پر ساٹھ ہزار دینار قرضہ ہے۔ معروف بولا سچ ہے جب میرا سامان آ جائے گا تو میں ایک کے دو ادا کر دوں گا۔ اب بادشاہ نے اسے ہیرا دکھا کر کہا بتا یہ کیسا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور اس کے پاس یہی ایک ہیرا تھا۔ معروف نے اسے زور سے دبا کر توڑ دیا اور ہنس کر کہنے لگا جہاں پناہ یہ ہیرا نہیں بلکہ معمولی معدنیہ ہے اس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو گی۔ ہیرا ستر ہزار دینار سے کم نہیں ہوتا۔ اس کو ہیرا نہیں کہتے بلکہ معدن۔ اگر ہیرے کا ٹکڑا اخروٹ سے چھوٹا ہو تو ہمارے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے پاس ایسے ہیرے ہیں جن کا تو ذکر کرتا ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ بادشاہ نے کہا کیا تو مجھے ان ہیروں میں سے دے سکتا ہے؟ اس نے کہا بے شمار میرا سامان آ جانے دے میں تجھے بے داموں دے دوں گا۔ بادشاہ خوش ہو گیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم جاؤ جب اس کا سامان آ جائے تو اپنے اپنے مجھ سے آ کر لے جانا۔ یہ سن کر تاجر چلے گئے۔

یہ تو معروف اور تاجروں کا قصہ ہوا اب بادشاہ کا حال سنو۔ اس نے وزیر سے کہا تاجر کے ساتھ بات چیت کر نرمی سے پیش آ اور اس کے آگے میری بیٹی کا ذکر کر تاکہ اس سے شادی کر لے اور اس کا مال و متاع مجھے مل جائے۔ وزیر بولا وہ تو مجھے مکار معلوم ہوتا ہے ایسی باتیں جانے دے ایسا نہ ہو کہ بیٹی بھی تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ اس وزیر نے پہلے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ شہزادی کی شادی اس کے ساتھ

کر دے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا چونکہ میں اس پر راضی نہ تھا کہ اپنی بیٹی تجھے دوں لہذا تو چاہتا ہے کہ وہ بڑی مرقی رہے یہاں تک کہ وہ تجھے مل جائے۔ تیرا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کیونکر جھوٹا اور دغا باز ہو سکتا ہے! اس نے میرے ہیرے کی قیمت بتا دی اور اس کے پاس بے شمار جواہرات ہیں، جب وہ میری بیٹی سے ہم بستر ہو گا اور دیکھے گا کہ وہ بڑی خوبصورت ہے تو وہ اپنے سارے ہیرے جواہرات اسے دے دے گا۔ وزیر بادشاہ کے ڈر کے مارے چپ ہو گیا اور معروف کے پاس جا کر کہا بادشاہ تجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دے۔ تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا مضائقہ نہیں لیکن میرا سامان آ جانے دے کیونکہ شہزادیوں کا مہر بہت زیادہ ہوتا ہے، میرا سامان آ جائے گا تو میں مال دار ہو جاؤں گا۔ کم از کم پچاس ہزار توڑے میں اس کے مہر میں دوں گا، ایک ہزار توڑے فقیر کو بانٹوں گا ایک ہزار توڑے براتیوں پر خرچ کروں گا اور ایک ہزار سے لشکر والے کی دعوت کروں گا۔ سو ہیرے لونڈی غلاموں میں تقسیم کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار سے ننگوں کو کپڑے پہناؤں گا۔ یہ تمام باتیں اس وقت تک نہیں ہ سکتیں جب تک میرا سامان نہ آ جائے۔

وزیر نے یہ تمام باتیں جا کر بادشاہ سے کہیں۔ بادشاہ بولا پھر بھی تو اسے جھوٹا اور دغا باز بتاتا ہے۔ اگر تو نے اپنا منہ بند نہ کیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ جا کر اسے میرے پاس لے آ۔ میں اس سے خود باتیں کروں گا۔ وزیر جا کر اسے لے آیا، بادشاہ نے کہا اس طرح کے عذر نہ کر، میرا خزانہ پر ہے، اس کی کنجیاں لے کر جتنا جس پر چاہے خرچ کر اور جب تیرا سامان آ جائے تو تیرا جو جی چاہے اپنی بیوی کو دیجیو ہم مہر میں جلدی نہیں کرتے تیرے سامان کا انتظار کریں گے، ہم میں اور تجھ میں ہر گز کوئی فرق نہیں۔ بادشاہ نے شیخ الاسلام کو بلا کر دونوں کا نکاح نامہ لکھوا دیا جشن منانے کی تیاری کرنے لگا شہر سجایا گیا شادیانے بجنے لگے اور دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے گئے۔ معروف کرسی پر بیٹھا اور بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ سونا

چاندی لا اور معروف مٹھی بھر بھر کر فقیروں کو دینے لگا۔ وزیر یہ دیکھ کر طیش میں آیا جاتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ تاجر علی تعجب کرتا اور اس سے کہتا کیا تاجروں کا مال تو نے کافی ضائع کیا کہ اب بادشاہ کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے؟ معروف جواب دیتا تجھے اس سے کیا واسطہ؟ جب میرا سامان آ جائے گا تو میں بادشاہ کو اس سے زیادہ دے دوں گا اور دل میں کہتا کہ جو ہو گا سو ہو گا، تقدیر سے مفر نہیں۔

چالیس دن تک جشن ہوتا رہا، اکتالیسویں دن شہزادی کی منہ دکھائی کی رسم ادا ہوئی اور معروف نے لوگوں پر خوب سونا چاندی نچھاور کیا۔ اب اسے شہزادی کے پاس لے گئے پردہ گرا کر دروازوں میں قفل ڈال دیئے اور اسے دلہن کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے۔

معروف دیر تک بیٹھا ہاتھ ملتا، اور لاجول پڑھتا رہا۔ شہزادی بولی اے میرے آقا! خیر تو ہے؟ تو رنجیدہ کیوں ہے؟ اس نے کہا میں کیونکر رنجیدہ نہ ہوں؟ تیرے باپ نے ہری کھیتی کو آگ لگا دی ہے۔ شہزادی بولی، میرے باپ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا میرا سامان آنے سے پہلے اس نے ہماری شادی کر دی۔ میں چاہتا تھا کہ سو ہیرے تو تیری کنیزوں کو دوں کم از کم ایک ایک ہیرا تو ہر ایک کے حصے میں آئے وہ خوش ہوں اور کہیں جب ہمارا آقا ہماری مالکہ سے ہم بستر ہوا تھا تو ہمیں ایک ایک ہیرا دیا تھا۔ اس سے تیری عزت بڑھتی اور میں اس میں کمی نہیں کرتا کیونکہ میرے پاس بہت ہیرے ہیں۔ شہزادی نے کہا بس اسی وجہ سے تو رنجیدہ ہے۔ میرا خیال نہ کر، میں تیرا سامان آنے تک انتظار کروں گی۔ رہیں کنیزیں ان سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اٹھ اور اپنے کپڑے اتار کر آرام سے بیٹھ۔ معروف نے کپڑے اتارے فرش پر بیٹھ گیا اور راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چورانوے ویں رات

نو سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- اس کے بعد معروف حمام گیا شاہانہ لباس پہن کر وہاں سے نکلا اور دربار پہنچا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور خزانچی کو حکم دیا کہ خلعتیں لا کر وزیروں، امیروں اور منصب داروں کو پہنا۔ بیس دن تک بادشاہ ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق انعام دیتا رہا لیکن سامان نہ آیا۔ اب خزانچی معروف کی غیبت میں بادشاہ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ وزیر کے ساتھ اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ زمین چوم کر کہنے لگا جہاں پناہ، میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، اگر نہ کہوں تو بعد میں تو مجھے لعنت ملامت کرے گا۔ خزانہ خالی ہو گیا ہے اب اس میں زیادہ باقی نہیں اور دس دن کے بعد وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا میرے داماد کا سامان ابھی تک نہیں آیا اور نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ وزیر ہنس پڑا اس نے کہا خدا تجھ پر مہربان ہو! آخر تو کب تک اس جھوٹے دغا باز سے غافل رہے گا؟ قسم ہے تیرے سر کی سامان تو درکنار اس کے پاس دھاگے کی لچھی تک نہیں۔ وہ تجھے برابر دھوکا دیئے چلا جا رہا ہے اس نے تیرا مال ضائع کر دیا اور تیری بیٹی سے مفت میں شادی کر لی۔ بادشاہ نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیے؟ وزیر نے کہا شوہر کا حال محض بیوی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ تو اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلاتا کہ میں اس کی حقیقت دریافت کروں۔ بادشاہ نے کہا بہت خوب، اگر ثابت ہو گیا کہ وہ چال باز ہے تو میں اسے بری موت ماروں گا۔ اس نے اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلوایا اور کہا کہ وزیر تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ وزیر نے کہا اے میری آقا! تیرے شوہر نے تیرے باپ کا سارا مال خرچ کر دیا اور تجھ سے بلا مہر نکاح کیا ہے۔ وہ برابر سامان کا وعدہ کرتا جاتا ہے لیکن اس کا سامان کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے شوہر کا حال بتا۔ شہزادی بولی وہ باتیں تو بہت کرتا ہے اور ہر روز جواہرات، سامان اور قیمتی

حال کپڑوں کا مجھ سے وعدہ کرتا ہے لیکن اب تک میں نے کچھ دیکھا نہیں۔ وزیر نے کہا، 'آج رات تو اس سے باتوں باتوں میں سچی بات پوچھ لے۔ پھر وہ سب باتیں تو ہم سے بیان کر دے۔' شنزادی نے کہا ابا جان میں اس سے تمام باتیں پوچھ لوں گی۔ یہ کہہ کر شنزادی چلی گئی، عشاء کے بعد اس کا شوہر معروف آیا تو وہ اسے بغل گیر ہو گئی اور بڑا پیار جتانے لگی، 'خدا بچائے اس پیار سے جو عورتیں اپنا مطلب نکالنے کے وقت جتاتی ہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ شوہر بالکل مست و بے خود ہو گیا تو کہنے لگی اے میرے پیارے آنکھ کے تارے! خدا مجھ میں اور تجھ میں کبھی جدائی نہ ڈالے! تیری محبت میرے دل میں سا گئی ہے اور تیرے عشق کی آگ نے میرا جگر کباب کر دیا ہے، لیکن میں چاہتی ہوں کہ تو سچ سچ بتا دے کہ تیرا کیا قصہ ہے۔ آخر تو کب تک میرے آگے جھوٹ بولا کرے گا؟ اگر تیرا بھید کھل گیا اور ہم اس کے لیے پہلے سے تیار نہیں تو مجھ پر ناراض ہو گا۔ اور تو نے سچ سچ بتا دیا تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آخر تو کب تک کہے جائے گا کہ میں تاجر اور مال دار ہوں میرا سامان آ رہا ہے؟ مدت گزر گئی سامان ہی سامان پکارے جاتا ہے اور سامان کا کہیں پتا نہیں اس غم میں تیرا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو مجھ سے کہہ دے اور میں تیرے چھٹکارے کی کوئی تدبیر نکال دوں گی۔ معروف نے کہا اے میری آقا! میں تجھ سے اپنا کچا چٹھا کھے دیتا ہوں، پھر تیرا جو جی چاہے کیجیو۔ شنزادی نے کہا کہہ اور سچ سچ کہہ، سچائی نجات کی ناؤ ہے۔ معروف نے کہا اے میری آقا! سن نہ میں تاجر ہوں اور نہ میرے پاس سامان ہے۔ اپنے وطن میں رفوگر تھا اور میری ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا لوگ اسے رنڈی کہتے تھے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ شنزادی یہ سن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی جھوٹ بولنے اور دغا بازی میں تو بڑا ماہر ہے۔ اس نے کہا اے میری آقا! میرا پردہ فاش نہ کر، خدا تجھے سلامت رکھے!

شہزادی بولی سن، تو نے میرے باپ کے ساتھ دغا کیا، اسے اتنا دھوکا دیا کہ اس نے لالچ میں آ کر مجھے تیرے ساتھ بیاہ دیا اور اس کا مال تو نے خوب اڑایا حالانکہ وزیر اس کے خلاف تھا اس نے کتنی بار میرے باپ سے کہا بھی کہ تو دھوکے باز ہے! میرے باپ نے اس کا کہنا اس لیے نہ مانا کہ اس نے ایک بار مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی اور وہ راضی نہیں ہوا تھا۔ میری تجھ سے شادی ہو گئی۔ شادی کو بہت دن گزر گئے اور میرا باپ گھبرانے لگا تو اس نے مجھ سے کہا میں تجھ سے گفتگو کروں اور اب میں نے تجھ سے گفتگو کی اور بھید کھل گیا۔ میرا باپ تجھے سزا دینے پر مصر ہے لیکن تو میرا شوہر ہو چکا ہے میں تجھے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ اگر میں باپ سے کہہ دوں تو تیرا جرم اس کے نزدیک معافی کے قابل نہ ہو گا۔ وہ تجھے ضرور قتل کر دے گا اور لوگوں میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ میں نے ایک دغا باز سے شادی کی ہے اور میری بد نامی ہو گی، اگر میرے باپ نے تجھے قتل کر دیا اور چاہا کہ میں کسی دوسرے سے بیاہ کروں تو میں اسے مرتے دم تک گوارا نہیں کر سکتی۔ لہذا ابھی اٹھ کر غلاموں کا بھیس بدل اور میرے پاس سے پچاس ہزار دینار لے اور گھوڑے پر سوار ہو کر کسی ایسے ملک میں نکل جا جہاں میرے باپ کا حکم نہ چلتا ہو۔ وہاں جا کر تجارت کر اور مجھے پوشیدہ خط لکھ کہ تو کس ملک میں ہے، مجھ سے جتنا ہو سکے گا بھیجتی رہوں گی اور تو امیر ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں اگر میرا باپ مر گیا تو میں تجھے بلا بھیجوں گی تو بڑی عزت کے ساتھ یہاں آ جائے گا اور اگر میں مر گئی یا تو مر گیا تو پھر قیامت کے دن ہم ملیں گے۔

جب تک ہم دونوں صحیح سلامت ہیں میں تجھے برابر خط اور مال بھیجتی رہوں گی۔ فی الحال چلا جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دن نکل آئے اور تیرا سراڑا دیا جائے۔ معروف نے اٹھ کر غلام کا بھیس بدلا اور سائیں سے کہا گھوڑا تیار کر اور شہزادی سے رخصت ہو کر آخری رات میں شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ جو کوئی اسے دیکھتا یہی گمان کرتا کہ بادشاہ

کا غلام کسی کام کے لیے جا رہا ہے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ اور وزیر شہزادی کے پاس آئے۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹی، کیا کہتی ہے؟ وہ بولی خدا تیرے وزیر کا منہ کالا کرے، وہ چاہتا ہے کہ مجھے اور میرے شوہر کو بدنام کرے۔ بادشاہ نے کہا کیونکر؟ اس نے کہا قبل اس کے کہ کل میں اس سے گفتگو کروں فرج غلام ایک خط لے کر آیا اور کہا کہ دس غلام نیچے کھڑے ہوئے ہیں، انہوں نے مجھے یہ دے کر کہا کہ ہماری طرف سے معروف تاجر کے ہاتھ چوم اسے یہ خط دے اور اس سے کہہ ہم تیرے وہ غلام ہیں جو سامان کے ساتھ ہیں۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ تو نے شہزادی سے شادی کی ہے اور ہم تجھے اپنی سرگزشت سنانے آئے ہیں۔ میں نے خط لے کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا: پانسو غلام کی طرف سے ان کے آقا حضرت معروف تاجر کے نام۔ تیرے جانے کے بعد دو ہزار بد سواروں نے ہم پر حملہ کر دیا ہم میں اور ان میں سخت لڑائی ہوئی اور آج تیسواں دن ہے کہ برابر ہو رہی ہے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک رکھا ہے، اسی وجہ سے ہم اب تک تیرے پاس نہیں پہنچ سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو پچانوے ویں رات

نو سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- اس کے بعد خط میں یہ تھا کہ بدو ہمارے دو سو گٹھے لے گئے ہیں اور پچاس غلاموں کو قتل کر ڈالا ہے، جب اسے یہ خبر ملی تو وہ کہنے لگا خدا ان کا ستیاناس کرے، محض دو سو گٹھوں کے پیچھے بدو سے لڑ رہے ہیں، دو سو گٹھوں میں زیادہ سے زیادہ سات ہزار دینار کا مال ہو گا، بہتر ہے کہ میں جا کر ان سے کہوں کہ جلد چلے آئیں اور جو کچھ بدو لے گئے ہیں اسے جانے دیں۔ میں سمجھوں گا کہ میں نے وہ مال ان پر صدقہ کر دیا۔ یہ کہہ کر وہ ہنستا ہوا چل دیا اور اس کے چہرے پر ذرا سی شکن بھی نہ آئی، نہ مال ضائع ہونے کا ملال تھا نہ غلاموں کے قتل پر افسوس۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے جھروکے میں سے جھانک کر دیکھا تو واقعی دس غلام کھڑے تھے چاند سے زیادہ خوب صورت دو ہزار کی پوشاک پہنے ہوئے۔ وہ انہیں لے کر چل دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں نے وہ باتیں اس سے نہ پوچھیں جو تو نے مجھ سے پوچھنے کے لیے کہی تھیں ورنہ وہ میرے اور تیرا دونوں کا مذاق اڑاتا لیکن یہ ساری خرابی تیرے وزیر کی ہے اس نے میرے شوہر کے بارے میں اسے ناشائستہ الفاظ کہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹی! تیرے شوہر کے پاس بڑی دولت ہے اس لیے اسے ان باتوں کی بالکل پروا نہیں، جس روز سے وہ آیا ہے فقیروں کو برابر خیرات دیتا ہے۔ خدا نے چاہا تو عنقریب اس کا سامان آ جائے گا اور ہمیں اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ پر بیٹی کی چال چل گئی اس نے اسے تسلی دی اور وزیر کو خوب ڈانٹا۔

یہ تو بادشاہ کا قصہ ہوا، اب تاجر معروف کا حال سنو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل بیابان میں نکل گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے دل میں کہتا، کاش میں مر گیا ہوتا! چلتے چلتے دوپہر کے قریب ایک گاؤں کے پاس پہنچا دیکھا کہ ایک

کسان دو بیل لیے کھیت جوت رہا ہے۔ بھوک سے وہ اتنا پریشان تھا کہ اس نے کسان کے پاس جا کر سلام کیا اس نے مرحبا کہا اور پوچھا کیا تو سلطان کے غلاموں میں سے ہے؟ معروف بولا ہاں۔ کسان بولا میرے ہاں آج تیری دعوت ہے۔ معروف نے کہا بھائی تیرے پاس تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا تو میری دعوت کیسے کرے گا؟ کسان نے کہا اتر تو سہی میں قریب والے گاؤں میں جا کر تیرے لیے ناشتہ اور تیرے گھوڑے کے لیے چاہ لے آؤں گا۔ معروف نے کہا اگر گاؤں اتنا قریب ہے تو جتنی دیر میں تو پہنچے گا میں بھی پہنچ جاؤں گا اور جو میرا جی چاہے گا بازار سے مول لے کر کھا لوں گا۔ کسان بولا یہ تو محض ایک چھوٹی سی بستی ہے نہ بازار ہے نہ لین دین کی کوئی صورت۔ تو یہیں ٹھہر میں جا کر ابھی لیے آتا ہوں۔ معروف گھوڑے پر سے اتر پڑا۔ کسان ناشتہ لینے چل دیا یہ اس کا انتظار کرنے اور اپنے جی میں کہنے لگا میں نے اس کسان کو اس کے کام سے روکا ہے مجھے اس کے بدلے ہل چلانا چاہیے۔ اس نے تھوڑا ہی سا جوتا ہو گا کہ ہل نے کسی چیز سے ٹکر کھائی اور بیل ٹھہر گئے غور سے دیکھا تو ایک سونے کے حلقے میں پھنسا ہوا تھا اور حلقہ مرمر کی ایک گول سل میں لگا ہوا جو چکی کے برابر تھی۔

معروف نے کوشش کر کے سل کو اپنی جگہ سے سرکایا تو اسے اس کے نیچے ایک تہ خانہ دکھائی دیا جہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ اتر اور دیکھا کہ وہاں چار کمرے ہیں پہلے میں نیچے سے اوپر تک مٹی بھری ہوئی ہے دوسرے میں زمرّد موتی اور مونگے تیسرے میں یاقوت، بخشلش اور فیروزے اور چوتھے میں ہیرے اور طرح طرح کے قیمتی جواہرات صدر میں ایک بلور کا صندوق ہے جس میں لاجواب جواہرات ہیں جو اخروٹ کے برابر ہیں۔ صندوق کے اوپر ایک ڈبیہ بھی رکھی ہوئی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر اسے تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی اس نے اس ڈبیہ کو اٹھا کر کھولا جو صندوق کے اوپر رکھی ہوئی دیکھا کہ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی ہے جس پر طلسمات کندہ ہیں۔ انگوٹھی کو وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ اسے کسی چیز سے رگڑ لگی۔ رگڑ لگتی تھی کہ کسی نے آواز دی اے میرے

آقا! میں حاضر ہوں، مانگ کیا مانگتا ہے؟ کوئی شہر تعمیر کر دوں یا کسی شہر کو اجاڑ دوں کسی بادشاہ کو قتل کر دوں یا نہر کھودوں۔ معروف نے کہا اے خدا کے بندے! تو کون ہے؟ جواب آیا میں اس انگوٹھی کا موکل ہوں، تو جو کچھ مانگے گا میں حاضر کروں گا۔

میں جنوں کی ایک قوم کا بادشاہ ہوں۔ بہتر قبیلے میرا لشکر ہے اور ہر قبیلہ بہتر بہتر ہزار کا ہے، ہر ہزار کے ماتحت ہزار دیو ہیں ہر دیو ہزار سرداروں پر حکومت کرتا ہے ہر سردار کے نیچے ہزار شیطان ہیں اور ہر شیطان کے نیچے ہزار جن، یہ سب میرے حکم کے تابع ہیں، میری مخالفت نہیں کر سکتے اور میں انگوٹھی کے تابع ہوں اور اس کے مالک کی مخالفت نہیں کر سکتا اس وقت تو اس کا مالک ہے اور میں تیرا فرمانبردار۔ جب کبھی اور جہاں کہیں تجھے میری ضرورت ہو انگوٹھی کو رگڑو اور میں تیرے پاس آ موجود ہوں گا۔ لیکن خبردار دوبارہ نہ رگڑو ورنہ میں جل کر مر جاؤں گا اور تو پچھتاوے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو چھیانوے ویں رات

نو سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب انگوٹھی کے موکل نے معروف کو سارے گر بتا دیئے تو اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ابوالسعادات۔ معروف نے کہا ابوالسعادات یہ کیا جگہ ہے اور تجھے اس ڈبیہ میں کس نے بند کیا؟ اس نے جواب دیا یہ خزانہ شداد بن عاد کا ہے ”جس نے کھجے والے شہر ارم کو آباد کیا جس کا جواب دنیا بھر میں نہیں پیدا کیا گیا۔“ میں اس کے جیتے جی اس کا خادم تھا، یہ تیری قسمت میں لکھی تھی۔ معروف نے کہا، کیا تو اس خزانے کو زمین کے اوپر نکال سکتا ہے؟ اس نے کہا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور زمین کی طرف اشاہ کیا وہ پھٹی جن اس میں سما گیا اور وہ تھوڑی دیر کے بعد دو چھوٹے خوب صورت لڑکوں کو لے کر نکلا جن کے ہاتھوں میں سونے کی پراتیں تھیں، وہ انہیں بھر بھر کے اوپر لاتے اور انڈیل جاتے یہاں تک کہ سارا تہ خانہ خالی ہو گیا۔ معروف نے پوچھا یہ لڑکے کون ہیں؟ اس نے کہا میرے بیٹے، کیونکہ اور جنوں کا لانا ٹھیک نہ تھا، میرے بیٹوں نے تیرا کام کر دیا اور انہیں تیری خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ بتا اب اور کیا چاہتا ہے؟ معروف نے کہا کیا تو اس مال کو صندوقوں میں بھر کر خچروں پر لاد سکتا ہے؟ جن بولا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور ایک چیخ ماری اس کے آٹھ سو بیٹے آ موجود ہوئے۔ اس نے ان سے کہا تم میں سے بعض خچر بن جائیں اور بعض ایسے خوبصورت بن جائیں جن پر سونے کے زین ہوں اور ان میں جواہرات ٹنکے ہوئے۔

اب معروف نے صندوق منگائے اور کہا ہر ایک جنس کو الگ الگ صندوق میں رکھو۔ انہوں نے ایسا ہی کر کے انہیں تین سو خچروں پر لاد دیا۔ معروف بولا ابوالسعادات! کیا تو عمدہ عمدہ تھان لا سکتا ہے؟ اس نے پوچھا مصری یا شامی، عجمی، ہندی یا رومی؟ معروف

نے کہا ہر ایک قسم کے سو سو گٹھے سو نچروں پر۔ اس نے کہا صبح تک حاضر ہو جائیں گے۔ معروف نے کہا میرے لیے ایک خیمہ لگا اس نے خیمہ لگا کر اس میں دسترخوان بچھا دیا اور معروف سے کہا اے میرے آقا! خیمے میں بیٹھ اور میرے بیٹے تیری پاسبانی کریں گے۔ ابوالسعادات جنوں کے پاس چلا گیا کہ انہیں کپڑے لینے بھیجے اور معروف خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں کسان ایک پیالے میں مسور کی دال اور ایک کٹورے میں جو لیے پہنچا دیکھا کہ خیمہ لگا ہوا ہے اور غلام ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اس کا خیال ہوا کہ بادشاہ آ گیا ہے وہ ششدر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کاش میں بادشاہ کے لیے دو چوزے تل کر لایا ہوتا! وہ لوٹنے ہی والا تھا کہ معروف کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے آواز دی اور غلام اسے معروف کے پاس لے گئے۔ معروف نے پوچھا کیا لایا ہے؟ اس نے کہا تیرا ناشتہ اور گھوڑے کا چارا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بادشاہ آیا ہوا ہے تو دو چوزے ذبح کر کے میں اس کی دعوت کرتا۔ معروف نے کہا بادشاہ تو نہیں آیا ہے لیکن میں اس کا داماد ہوں اس سے ناراض ہو کر چلا آیا تھا اب اس نے غلاموں کو بھیج کر مجھ سے صلح کر لی ہے اور میں شہر واپس جا رہا ہوں۔ تو نے بے مجھے پہچانے بغیر میری دعوت کی ہے اس لیے جو کچھ تو لایا ہے میں وہی کھاؤں گا۔ معروف نے پیالہ دسترخوان کے بیچ میں رکھا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ کسان نے دسترخوان پر سجے عمدہ عمدہ کھانے کھائے۔ جب پیالہ خالی ہو گیا تو اس نے اس میں سونا بھر دیا اور کہا 'اسے گھر دے آ اور میرے پاس شہر میں آؤ' میں تجھے انعام دوں گا۔ کسان پیالے اور بیلوں کو لے کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ جب صبح ہوئی تو گرد اٹھی اور ابوالسعادات سات سو نچروں پر تھانوں کے گٹھے لیے آ پہنچا، خیمے کے پاس پہنچ کر نچر پر سے اتر پڑا اور زمین چوم کر کہا۔ اے میرے آقا! تیری ضرورت بالکل پوری ہو گئی اس تخت رواں پر ایک شاہانہ پوشاک ہے۔ اسے پہن کر تخت رواں پر سوار ہو جا اور مجھے حکم دے کہ میں اب کیا کروں۔ معروف بولا میں تجھے خط لکھ کر دیتا ہوں تو اسے لے کر میرے خسر بادشاہ کے پاس اختیان ختن

جا لیکن اس کے پاس انسانی شکل میں جایو۔ اور معروف نے ایک خط لکھ کر اس پر
 مہر لگائی اور ابو السعادات اسے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ وزیر سے کہہ
 رہا ہے میرا دل داماد میں لگا ہوا ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدو اسے قتل نہ کر
 دیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کس طرف گیا ہے تو میں لشکر لے کر اس کی کمک
 کو پہنچتا! کاش اس نے جانے سے پہلے مجھے بتا دیا ہوتا! وزیر نے کہا، خدا تیری اس غفلت
 پر رحم کرے! قسم ہر تیرے سر کی اسے معلوم ہو گیا کہ ہم اسے پہچان گئے ہیں
 اور وہ مارے ڈر کے بھاگ گیا ہے۔

اتنے میں پیادے نے آ کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ بادشاہ نے پوچھا تو
 کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا مجھے تیرے داماد نے بھیجا ہے اور وہ سامان کے
 ساتھ آ رہا ہے، اس کا یہ خط ہے۔ بادشاہ نے خط لے کر پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ
 ----- ”سلام کے بعد میرے خسر کو معلوم ہو کہ میں سامان لے کر آ گیا ہوں۔ لشکر
 کے ساتھ میرا استقبال کر۔“

بادشاہ نے وزیر سے کہا منہ کالا ہو تیرا! کب تک تو میرے داماد کی عزت آبرو پر دھبہ
 لگاتا اور اسے جھوٹا اور دغا باز بناتا رہے گا؟ دیکھ وہ سامان لے کر آ گیا ہے۔ وزیر نے
 مارے شرم اور پشیمانی کے سر نیچا کر لیا اور کہا کہ جہاں پناہ! میں نے یہ اس لیے
 کہا تھا کہ کوئی سامان آتا نظر نہیں آتا تھا، ڈرتا تھا کہ جو مال اس نے خرچ کر دیا
 ہے کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ بادشاہ بولا جب سامان آ گیا تو مال کی کیا حیثیت؟ اس
 کے بدلے وہ ہمیں بہت کچھ دے دے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور
 بیٹی کو جا کر خوش خبری سنائی کہ تیرا شوہر عنقریب سامان لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔
 دیکھ یہ اس نے خط بھیجا ہے اور میں اس کے خیر مقدم کے لیے جا رہا ہوں۔ بیٹی یہ
 سن کر اچنبھے میں پڑ گئی اور دل میں کہنے لگی یہ عجیب و غریب ماجرا ہے کیا وہ میرے
 ساتھ مذاق کرتا اور مجھے بے وقوف بناتا تھا؟ اس نے اپنے آپ کو فقیر بنا کر میرا
 امتحان لینا چاہا تھا؟ شکر ہے خدا کہ مجھ سے اس کی شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا، اب تاجر علی بصری کا حال سنو۔ جب اس نے دیکھا کہ شہر سجایا جا رہا تو اس کا سبب پوچھا۔ لوگوں نے کہا بادشاہ کا داماد تاجر معروف اپنا سامان لے کر آ رہا ہے۔ علی نے اپنے دل میں کہا اللہ اکبر! یہ کیا قصہ ہے؟ وہ تو اپنی بیوی سے بھاگ کر میرے پاس آیا تھا اور غریب تھا، پھر یہ سامان کہاں سے آ گیا؟ ممکن ہے کہ شہزادی نے اس کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر نکال دی ہو۔ خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• نو سو ستانویں رات

نو سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- تاجر علی بولا خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے، سارے تاجر خوش ہو گئے کہ اب ہمیں دام مل جائیں گے۔ ادھر بادشاہ لشکر جمع کر کے نکلا ادھر ابوالسعادات نے معروف کو جا کر خبر دی کہ میں خط پہنچا آیا ہوں۔ معروف نے شاہی لباس پہنا اور تخت رواں پر سوار ہو گیا وہ بادشاہ سے ہزار گنا زیادہ شان دار معلوم ہوتا تھا۔ آدھے ہی راستے پر پہنچا ہو گا کہ بادشاہ لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور معروف کو شاہی لباس پہنے اور تخت رواں پر بیٹھا دیکھ کر لپٹ گیا، سلام کیا۔ تمام امراء نے بھی اسے سلام کیا اور انہیں یہ یقین آ گیا کہ معروف سچا ہے اور اس کی کوئی بات جھوٹ نہیں۔ جب وہ جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تو تاجر دوڑے ہوئے آئے اس کے آگے زمین چومی۔ تاجر علی نے کہا اے دغا بازوں کے استاد تو نے خوب چال چلی لیکن تو اس کا مستحق ہے اور خدا اپنے فضل سے تجھے اور دے گا۔ معروف ہنس کر چل دیا، محل میں جا کر کرسی پر بیٹھا اور کہا میرا سونا بادشاہ کے خزانے میں داخل کر دو اور کپڑوں کے گٹھے یہاں لاؤ۔ انہوں نے ایک ایک گٹھا کر کے کھولنا شروع کیا یہاں تک کہ کل سات سو کے سات سو گٹھے کھول ڈالے۔ ان میں سے بہترین کپڑے چھانٹ کر شناردی کو بھیجے کہ وہ انہیں کنیزوں میں تقسیم کر دے۔ اس کے بعد اس نے تاجروں کا قرضہ ادا کرنا شروع کیا، جس کا ایک ہزار تھا اسے دو ہزار بلکہ زیادہ کے کپڑے دیئے۔ پھر فقیروں اور مسکینوں کو دینا شروع کیا۔ غرض سات سو کے سات سو گٹھے دے ڈالے۔ لشکریوں کو مٹھی بھر بھر کر معدنیات، زمر، یاقوت، موتی اور مونگے دیئے۔

بادشاہ نے کہا بیٹا، اتنی بخشش کافی ہے کیونکہ تیرے سامان میں سے اب تھوڑا سا ہی بچا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس اور بہت ہے۔ اب اس کی سچائی کا چرچا ہونے لگا

کسی کی ہمت نہ پڑتی کہ اسے جھٹلائے۔ وہ بخشش کی بالکل پرواہ نہ کرتا کیونکہ جو وہ چاہتا موکل لا موجود کرتا۔ اتنے میں خزانچی نے آ کر بادشاہ سے کہا جہاں پناہ، خزانہ بھر گیا اور سونا اور جواہرات ابھی باقی ہیں، انہیں کہاں رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا، فلاں جگہ رکھ۔ شنزادی کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی۔ یا اللہ اتنی دولت کہاں سے آگئی؟ تاجر بھی اس کی بخششوں سے باغ باغ ہو گئے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ تاجر علی بڑا متعجب تھا اور کہتا تھا یا اللہ اس نے کون سی ایسی چال چلی کہ اس کے ہاتھ اتنے خزانے لگ گئے۔ اگر یہ محض شنزادی کا دیا ہوا مال ہوتا وہ فقیروں کو اس دیا دلی سے نہ دیتا۔

یہ تو تھا اس کا ماجرا ----- اب بادشاہ کا حال سنو۔ معروف کی سخاوت اور دیا دلی دیکھ کر اسے بے حد تعجب ہوا۔ جب وہ اپنی بیوی کے پاس گیا تو وہ مسکراتی ہوئی اس سے ملی اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگی کیا تو میرے ساتھ مذاق کرتا تھا یا یہ کہہ کر تو فقیر ہے اور اپنی بیوی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے میرا امتحان کرنا چاہتا تھا؟ خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے تیری شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی، تجھ سے زیادہ مجھے کوئی پیارا نہیں خواہ تو امیر ہو یا غریب، لیکن بتا تو سہی کہ ایسی باتیں کرنے سے تیرا مقصد کیا تھا؟ معروف بولا میں تیرا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ آیا تیری محبت خالص ہے یا محض مال اور دنیا کی وجہ سے، اب مجھے یقین ہو گیا کہ ہاں خالص ہے اور تیری قدر قیمت معلوم ہو گئی۔ پھر اس نے ایک گوشے میں جا کر انگوٹھی رگڑی اور جب ابو السعادات حاضر ہوا تو معروف نے کہا میں اپنی بیوی کے لیے شاہانہ پوشاک اور ایسا شاہانہ گہنا چاہتا ہوں جس میں چالیس نایاب موتیوں کا ایک ہار ہو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور جا کر لے آیا۔ موکل کو واپس کر کے وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور وہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ مارے خوشی کے شنزادی کے ہوش جاتے رہے اس نے دیکھا کہ گہنوں میں دو پازیبیں ہیں جو سونے کی ہیں جواہرات سے مرصع اور بڑی کاری گری کی بنائی ہوئی۔ اس نے کہا میں انہیں عید کے دن پہنا کروں گی۔ معروف بولا نہیں

بلکہ انہیں روز پہنا کر، ایسی میرے پاس بے شمار ہیں۔ کنیریں یہ دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا بتا اب تو کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا، جہاں پناہ! ایسی باتیں تاجروں سے تو ظاہر ہوتی نہیں وہ ایک ٹکڑا کتان کا بھی بے نفع لیے نہیں بیچتے، ان کے پاس ایسی چیزیں کہاں سے آئیں جو بادشاہوں کو بھی میسر نہیں؟ اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اگر تو میرا کہنا مانے تو میں اس کی تحقیق کر کے تجھے بتا دوں گا۔ بادشاہ بولا بہت خوب۔ وزیر نے کہا، اس سے مل کر محبت جتا اور باتیں چیتیں کر اور کہہ کہ اے میرے داماد! میں تو اور وزیر چل کر باغ کی سیر کریں۔ وہاں پہنچ کر ہم کھائیں پییں گے اور جب شراب اسے ذرا چڑھ جائے گی تو اس سے سارا بھید لے لیں گے۔ میں کہتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ لشکر کو مال و دولت دے کر اپنی طرف کر لے اور حکومت تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

• نو سو اٹھانوے ویں رات

نو سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ نے وزیر سے کہا تو سچ کہتا ہے اور دونوں اس پر متفق ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ نوکروں اور سائیسوں نے آکر کہا، ہم نے ان گھوڑوں اور خچروں کو باندھ دیا تھا جو سامان لے کر آتے تھے لیکن سویرے ہمیں معلوم ہوا کہ غلام گھوڑوں اور خچروں کو چرا کر بھاگ گئے۔ ہم نے تمام اصطلبل چھان مارے نہ وہاں کوئی گھوڑا ہے نہ خچر، اس کے بعد ہم نے اس جگہ جا کر دیکھا جہاں غلام اترے تھے تو ایک کا بھی پتا نہیں نہ جانے وہ بھاگ کیسے گئے۔ بادشاہ بولا اے مردود! ایک ہزار چوپائے اور پانسو غلام بھاگ گئے اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی۔ جاؤ جب تمہارا آقا حرم سرا سے نکلے تو اس سے کہنا۔ اتنے میں معروف حرم سرا سے نکلا اور انہیں رنجیدہ دیکھ کر وجہ پوچھی۔ انہوں نے سارا قصہ سنایا تو وہ کہنے لگا ان کی قیمت ہی کتنی ہو گی کہ تم افسوس کرتے ہو، چلو بھاگ جاؤ۔ یہ سن کر بادشاہ وزیر سے کہنے لگا یہ شخص کیا بلا ہے؟ اس کے سامنے دولت کی حقیقت ہی نہیں۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے کہا۔ اے داماد! میں چاہتا ہوں کہ میں، تو اور وزیر باغ میں چل کر سیر و تفریح کریں۔ اس نے کہا بہت خوب اور تینوں باغ پہنچے۔ وزیر نے اچھی اچھی کہانیاں سنائی شروع کیں اور معروف سنا کیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا اور شراب کی صراحیاں لائی گئیں، وزیر نے ایک جام بھر کر پہلے بادشاہ کو دیا پھر دوسرا معروف کو۔ معروف نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ اس نے کہا شراب، اور اس کی اتنی تعریف کی کہ معروف خود جام بھر بھر کر پینے لگا۔

جب وزیر کو یقین ہو گیا کہ اسے شراب کا نشہ خوب چڑھ گیا ہے تو اس نے کہا۔ اے تاجر معروف! مجھے تعجب آتا ہے کہ تجھے ایسے جواہرات کہاں سے ہاتھ لگے جو

بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں؟ نہ ہم نے عمر بھر تجھ جیسی سخاوت دیکھی، یہ تو بادشاہوں کی خاصیت ہے نہ کہ تاجروں کی۔ معروف بولا نہ میں تاجر ہوں نہ بادشاہ، یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا حال شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ وزیر نے کہا خدا کے لیے ہمیں بھی وہ انگوٹھی دکھا ہم بھی دیکھیں وہ انگوٹھی کیسی ہے۔ معروف بدست تو تھا ہی انگوٹھی اتار کر وزیر کو دے دی۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا اگر میں اسے رگڑوں تو موکل آ جائے گا؟ معروف نے کہا، ہاں، رگڑ موکل آ جائے گا اور تو اس کا تماشا دیکھو۔ وزیر نے انگوٹھی کو رگڑا ہی تھا کہ آواز آئی اے میرے آقا! مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کوئی شہر اجاڑنا چاہتا ہے یا کسی بادشاہ کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ وزیر نے معروف کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کم بخت کو لے جا کر جنگل بیابان میں پھینک آ جہاں وہ بھوک پیاس سے مر جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ موکل معروف کو لے کر اڑا، معروف نے کہا اے ابو السعادات! تو مجھے کہاں لیے جا رہا ہے؟ اس نے کہا اے بے وقوف! جس کے پاس ایسا ظلم ہو کہیں وہ اسے لوگوں کو دیتا ہے کہ وہ اس کا تماشا دیکھیں۔ جو مصیبت تجھ پر اتری ہے بجا ہے اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایک ہزار قد کی بلندی سے تجھے پھینک دیتا اور زمین تک پہنچتے پہنچتے ہوا سے تیرے پرزے پرزے اڑ جاتے۔ معروف چپ ہو گیا اور جن نے اسے غیر آباد زمین میں لا کر اتار دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• نو سو ننانوے ویں رات

نو سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جن نے معروف کو لے جا کر غیر آباد زمین میں پھینک دیا۔ ادھر وزیر نے بادشاہ سے کہا، دیکھا نا وہ کیسا جھوٹا اور دغا باز نکلا۔ بادشاہ نے کہا، اے وزیر! تو سچا ہے دکھا تو مجھے انگوٹھی، دیکھوں تو وہ کیسی ہے۔ وزیر نے طیش میں آ کر اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا اے بے وقوف! تجھے کیوں دوں؟ کیا تیرا مالک ہونے کے بعد پھر تیرا غلام بن جاؤں؟ دیکھ میں تیرا بھی خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی رگڑی اور جن آ پہنچا، اس نے کہا اس بد تمیز کو بھی وہیں جا کر پھینک آ جہاں تو اس کے داماد کو پھینک آیا ہے۔ جن اسے لے کر اڑا تو اس نے کہا، اے خدا کے بندے! میرا کیا جرم ہے؟ جن بولا مجھے معلوم نہیں، میرے مالک نے یہی حکم دیا ہے، جس کے پاس یہ طلسمی انگوٹھی ہو گی میں اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ اڑتا اڑتا اس جگہ پہنچا جہاں معروف تھا اور وہاں اسے پھینک کر چلا آیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ معروف وہاں بیٹھا رو رہا ہے نہ اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے نہ پینے کی اس کے پاس جا کر اپنا قصہ سنایا اور دونوں بیٹھ کر رونے لگے۔

یہ تو ان دونوں کا ماجرا ہوا، اب وزیر کا حال سنو۔ جب وہ معروف اور بادشاہ سے پیچھا چھڑا چکا تو باغ سے نکل کر سارے لشکر کر بلوایا، دربار گیا انہیں انگوٹھی کا قصہ سنایا اور کہا میں نے معروف اور بادشاہ کو نکال باہر کیا ہے اگر تم نے مجھے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کیا تو میں موکل سے کہوں گا وہ تمہیں بھی وہیں جا کر پھینک آئے گا اور تم بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمیں نقصان نہ پہنچا۔ ہم تجھے اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور تیرا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے مجبوراً اسے بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس نے انہیں خلعت عطا کیے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی کو کہلا بھیجا کہ تیار رہ،

میں آج رات تیرے ساتھ ہم بستر ہوں گا کیونکہ میں تیرا مشتاق ہوں۔ شنزادی رونے اور اپنے باپ اور معروف پر افسوس کرنے لگی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ عدت پوری ہو جانے دے اس کے بعد نکاح نامہ لکھوا کر حلال طریقے سے ہم بستر ہو جائیو۔ وزیر نے جواب دیا 'میں عدت و دت نہیں جانتا نہ اتنی مدت ٹھہر سکتا ہوں نہ مجھے نکاح نامے کی ضرورت ہے نہ میں حلال اور حرام میں فرق جانتا ہوں' آج رات ہی میں تجھ سے ہم بستری کروں گا۔ شنزادی نے کہا کوئی ہرج نہیں 'مرحبا۔ یہ اس کی چال تھی۔ یہ جواب سن کر وہ خوش ہو گیا اور سب لوگوں کے لیے کھانا منگوا یا اور کہا کھاؤ' یہ ولیمہ ہے کیونکہ میں آج رات شنزادی سے ہم بستر ہوں گا۔ شیخ الاسلام نے کہا جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو اور تیرا نکاح نامہ مرتب نہ ہو جائے ہم بستری حرام ہے۔ اس نے کہا میں عدت و دت نہیں جانتا۔ باتیں زیادہ نہ بنا' شیخ الاسلام مارے ڈر کے چپ ہو رہا اور لشکر والوں سے کہا کہ وہ کافر ہے' اس کا کوئی دین و مذہب نہیں۔ جب رات ہوئی اور وہ شنزادی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بہترین کپڑے پہنے اور بناؤ سنگھار کئے بیٹھی ہے۔ جب اس کی نظر وزیر پر پڑی تو اس نے کہا 'مرحبا' اگر تو نے میرے باپ اور شوہر کو قتل کر دیا ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ اس نے کہا میں انہیں بے مارے نہیں چھوڑوں گا۔ شنزادی نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اس سے ہنسی مذاق اور محبت کا اظہار کرنے لگی۔ یہ پیاری پیاری باتیں اور مسکراہٹ دیکھ کر وزیر کے ہوش جاتے رہے اور وہ وصال کا طالب ہوا لیکن جب وہ شنزادی کے قریب آیا وہ دور ہٹ کر رونے لگی اور کہا دیکھ وہ شخص میری طرف دیکھ رہا ہے۔ خدا کے لیے اسے یہاں سے دور کر۔ اگر وہ ہماری طرف برابر دیکھتا رہے گا تو تو کیونکر ہم بستر ہو گا؟ وزیر کو غصہ آ گیا اس نے کہا 'کہاں ہے وہ شخص؟ شنزادی بولی کہ وہ کیا انگوٹھی کے نگ میں بیٹھا ہوا ہے اور سر نکالے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ وزیر بولا ڈر نہیں وہ انگوٹھی کا موکل ہے اور میرا فرمانبردار۔ شنزادی نے کہا مجھے بھوت پریتوں سے ڈر لگتا ہے' انگوٹھی اتار کر مجھ سے دور پھینک دے۔ وزیر نے انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دی اور جونہی

شنزادی کے پاس آیا اس نے اس زور سے وزیر کے دل پر ایک ٹھوکر ماری کہ وہ چت ہو گیا اور اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ شنزادی نے کنیزوں کو آواز دی، چالیس کنیزوں نے آ کر وزیر کو پکڑ لیا اور اس نے انگوٹھی کو تکیے پر سے اٹھا کر رگڑا۔ ابو السعادات نے آ کر کہا اے میرے آقا! حاضر ہوں۔ شنزادی نے کہا کہ اس کافر کو لے جا کر قید خانے میں بند کر آ اور اس کے پاؤں میں سخت بیڑیاں ڈال دے۔ جب وہ اسے قید خانے میں بند کر کے واپس آیا تو شنزادی نے کہا میرے باپ اور شوہر کو تو کہاں لے گیا ہے؟ اس نے کہا، دنیا کے غیر آباد حصے میں۔ شنزادی نے کہا میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ انہیں فوراً لے آ۔ جب جن ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں اور ایک دوسرے سے شکوے شکایت کر رہے ہیں۔ جن نے کہا غم نہ کرو۔ خوشی کے دن قریب ہیں، یہ یہ واقعات پیش آئے ہیں اور میں وزیر کو اپنے ہاتھ سے قید کر آیا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ انہیں شنزادی کے پاس اٹھا لایا۔ شنزادی نے انہیں سلام کیا بٹھا کر کھانا اور حلوا کھلایا۔ دوسرے دن دونوں کو شاہی پوشاکیں پہنا کر باپ سے کہا کہ تو شاہی کرسی پر بیٹھ اور پہلے کی طرح حکومت کر، میرے شوہر کو میمنے کا وزیر بنا کر لشکر بلا کر انہیں سارا ماجرا سنا اور وزیر کو قید خانے سے نکال اور قتل کر کے جلا دے، وہ کافر ہے چاہتا تھا کہ بے نکاح کے زبردستی میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کافر ہے اور اس کا کوئی دین مذہب نہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹی، تیرا کہنا سر آنکھوں پر لیکن انگوٹھی مجھے یا اپنے شوہر کو دے دے۔ شنزادی نے کہا نہ تو اس کا اہل ہے نہ وہ۔ انگوٹھی میرے پاس رہے گی کیونکہ میں اس کی حفاظت تم دونوں سے بہتر کر سکتی ہوں۔ تمہارا جی چاہے مجھ سے مانگنا اور میں موکل سے منگوا کر تمہیں دے دوں گی، جب تک میں زندہ ہوں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا اور جب میں مر جاؤں تو انگوٹھی کا جو چاہا کرنا۔ اب بادشاہ اپنے داماد کو لے کر دربار میں گیا۔ لشکر نے ساری رات بڑے رنج و غم میں گزاری تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ وزیر شنزادی کے ساتھ

بے نکاح کے زبردستی ہم بستر ہونا چاہتا ہے جو اسلام کی توہین ہے۔ جب وہ دوبار پہنچے تو شیخ الاسلام کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو نے وزیر کو اس زبردستی سے روکا کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا لوگو! وہ کافر ہے اور انگوٹھی کا مالک بن بیٹھا ہے ہم تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خدا اس سے سمجھے گا، تم چپ رہو۔ ورنہ وہ کہیں تمہیں قتل نہ کر دے۔ لشکر والے دوبار میں بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ بادشاہ اپنے داماد معروف کے ساتھ داخل ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• ایک ہزارویں رات

ایک ہزارویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب لشکر والوں نے بادشاہ اور اس کے داماد معروف کو دیوار میں آتے دیکھا تو وہ خوش ہو کر کھڑے ہو گئے اور اس کے آگے زمین چوی۔ بادشاہ گرسی پر بیٹھا انہیں سارا ماجرا سنایا اور ان کا غم غلط ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سبایا جائے اور وزیر کو قید خانے سے لایا جائے۔ وزیر آیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے بری موت مارو۔ لوگوں نے اسے قتل کر کے جلا دیا اور وہ بری حالت میں جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد پانچ سال تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد چھٹے سال بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ شہزادی نے معروف کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا لیکن انگوٹھی نہ دی۔ اسی اثنا میں اس کے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکا پیدا ہوا، وہ پانچ برس کا ہوا تو ماں بیمار پڑی اور اس نے معروف کو بلا کر کہا مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیٹے کو حفاظت سے رکھو بلکہ یہ کہ انگوٹھی کی خبر گیری کیجیو۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اتاری اور معروف کو دے دی۔ دوسرے دن اس کا انتقال ہو گیا۔ معروف نے بادشاہ بن کر حکومت کرنی شروع کر دی۔ ایک دن جب اس نے دیوار برخاست کیا اور امراء کے ساتھ دیر تک شراب نوشی میں مشغول رہا، آدھی رات کے بعد انہوں نے اجازت چاہی اور چلے گئے اور وہ کپڑے بدل کر سو گیا تو نیند میں اسے محسوس ہوا کہ کوئی چیز اس کے پاس فرش پر ہے۔ ڈر کے اٹھ بیٹھا اور اعوذ باللہ پڑھ کر آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ اس کے پاس ایک بد صورت عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ عورت نے جواب دیا ڈر نہیں میں تیری بیوی فاطمہ ہوں۔ معروف نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور باوجود صورت کے مسخ ہو جانے اور دانتوں کے بڑھ جانے کے اسے پہچان لیا اور کہا، تجھے یہاں کون لایا؟ بیوی نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ اس نے کہا ختیان ختن اور تو کب مصر سے چلی؟ بیوی

نے کہا، ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ معروف نے کہا یہ کیسے؟ بیوی نے کہا جب میں نے تجھ سے لڑائی دنگا کرنا شروع کیا شیطان نے مجھے ورغلا یا کہ تجھے نقصان پہنچاؤں اور میں نے حکام سے جا کر تیری شکایت کی تھی تو انہوں نے تجھے تلاش کیا لیکن تو نہ ملا۔ دو دن کے بعد میں پچھتائی مجھے معلوم ہوا کہ خطا میری ہے لیکن پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ مدت تک میں تیری جدائی میں بیٹھی رویا کی۔ ناداری کی وجہ سے بھیک مانگنے نکلی تو دن بھر کسی نے کچھ نہ دیا جس کے پاس روٹی کا ٹکڑا مانگنے جاتی وہ مجھے برا بھلا کہتا اور کچھ نہ دیتا۔ رات کے وقت میرے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا اور میں مارے بھوک کے پریشان تھی کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شخص میرے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے اے عورت کیوں رو رہی ہے؟ میں نے کہا میرا شوہر مجھے کھلاتا پلاتا تھا، کھو گیا ہے اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اس نے پوچھا تیرے شوہر کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا، معروف۔ اس نے کہا میں تیرے شوہر کو جانتا ہوں وہ ایک جگہ کا بادشاہ ہے تو چاہے تو میں تجھے اس کے پاس پہنچا دوں۔ میں نے کہا، خدا کے لیے مجھے اس تک پہنچا دے۔ وہ مجھے لے کر اڑا اور اس محل میں پہنچ کر کہا۔ اس حجرے میں جا، وہاں تیرا شوہر تخت پر پڑا سو رہا ہے۔ اندر آ کر میں نے تیری شان و شوکت دیکھی۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ تو مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا کیونکہ میں تیری بیوی ہوں۔ شکر ہے خدا کا اس نے ہمیں ملا دیا!

معروف نے بولا میں نے تجھے چھوڑا ہے یا تو نے مجھ کو؟ تو ہی تو ایک قاضی سے دوسرے کے پاس جا کر میری شکایت کرتی تھی اور بالاخر باب عالی پہنچی اور میرے اوپر قلعے سے بلا نازل ہوئی اور میں تیرے ڈر کے مارے بھاگا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا اب میں بادشاہ ہوں اور شاہ زادی کے ساتھ شادی کی تھی لیکن اس کا انتقال ہو گیا، اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کی عمر سات سال کی ہے۔ بیوی نے کہا جو کچھ ہوا وہ قسمت کی لکیر تھی جو مٹ نہیں سکتی۔ اب میں نے توبہ کی ہے اور تیری پناہ میں ہوں مجھے نہ چھوڑ اور خیرات میں کھانے کو دے۔ وہ برابر خوشامد کرتی رہی یہاں

تک کہ اس کا دل پہنچ گیا۔ اس نے کہا، 'توبہ کر اور میرے ساتھ رہ' تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے، لیکن اگر تو نے پھر شرارت کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اب مجھے کسی کا ڈر نہیں نہ یہ اندیشہ ہے کہ تو باب عالی میں جا کر میری شکایت کرے گی، میں بادشاہ ہوں لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میں سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ میرے پاس ایک انگوٹھی ہے، جب اسے میں رگڑتا ہوں تو اس کا موکل حاضر ہو جاتا اور جو کچھ میں اس سے مانگتا ہوں وہ لا حاضر کرتا ہے۔ اگر تو اپنے وطن جانا چاہے تو میں تجھے وہاں ایک دم میں پہنچا دوں گا اور تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ عمر بھر کے لیے کافی ہو، اور اگر تو یہاں رہنا چاہے تو میں تیرے لیے ایک محل خالی کرا دوں گا اس میں خاصی ریشمی فرش بچھوا دوں گا تیری خدمت کے لیے بیس کنیریں دوں گا اور اچھے سے اچھا کھانا اور عمدہ عمدہ پوشاکیں دیا کروں گا تو ملکہ بن کر رہے گی اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے گی۔

بیوی نے کہا، میں تیرے ہی پاس رہنا چاہتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے معروف کا ہاتھ چوما اور شرارت سے توبہ کی۔ معروف نے اس کے لیے ایک محل خالی کرا دیا اسے کنیریں اور غلام دے کر ملکہ بنا دیا۔ بیٹا جیسے اپنے باپ کے پاس آیا جلیا کرتا، اس کے پاس بھی آتا جاتا لیکن وہ اس سے نفرت کرتی تھی کیونکہ وہ اس کا بیٹا نہ تھا۔ جب بیٹے نے اس کے یہ اطوار دیکھے تو وہ بھی اس سے نفرت کرنے لگا۔ ادھر معروف خوبصورت سے خوبصورت کنیزوں کے ساتھ رہنے لگا۔ اپنی بیوی فاطمہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی کیونکہ وہ بوڑھی اور بد صورت ہو چکی تھی سوائے اس کے معروف وہ برائیاں بھی نہیں بھولا تھا جو اس نے اس کے ساتھ کی تھیں۔ مثل ہے کہ برائی مقصد کی جڑ کاٹ ڈالتی اور دل دل میں دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔ تاہم وہ برابر اس کے ساتھ بھلائی کرتا رہا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ خدا اس سے خوش رہے۔

دینا زاد نے اپنی بہن شر زاد سے کہا تو نے کیسی اچھی اچھی کمائیاں سنائی ہیں! شر زاد

بولی کہ یہ تو کچھ بھی نہیں، اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا اور قتل نہ کیا تو کل کی کہانی اس سے بھی اچھی ہو گی۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو بادشاہ نے اپنے دل میں کہا جب تک باقی کہانی نہ سن لوں اسے قتل نہیں کروں گا۔ دربار میں آیا تو وزیر دستور کے موافق بغل میں کفن دبائے پہنچا۔ بادشاہ دن بھر احکام جاری کرتا رہا اور اس کے بعد حرم سرا میں اپنی بیوی شہر زاد کے پاس گیا۔

○○○

• ایک ہزار پہلی رات

ایک ہزار پہلی رات ہوئی تو اور بادشاہ حرم سرا میں اپنی بیوی شر زاد کے پاس گیا تو دنیا زاد نے اپنی بہن سے کہا، معروف کی کہانی پوری کر دے۔ وہ بولی سر آنکھوں پر یہ شرط طے کہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ نے کہا میں اجازت دیتا ہوں کیونکہ میرا دل بھی اسی میں لگا ہوا ہے اور میں اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔ شر زاد نے کہا اے بادشاہ -----

بادشاہ معروف اپنی بیوی کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اسے کھانے پینے کو دیتا۔ بیوی نے یہ دیکھا تو اسے معروف سے دشمنی پیدا ہو گئی اور شیطان نے اسے یہ پٹی پڑھائی کہ اس سے انگوٹھی لے کر اسے قتل کر دے اور اس کہ جگہ خود ملکہ بن بیٹھے۔ یہ پختہ ارادہ کر کے وہ ایک رات اپنے محل سے نکلی اور اپنے شوہر بادشاہ معروف کے محل کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اس رات بادشاہ اپنی ایک چیمٹی کنیر کے پاس تھا جو بڑی خوبصورت تھی۔ وہ اسم اعظم کا اتنا احترام کرتا کہ جب کسی سے ہم بستر ہوتا تو انگوٹھی اتار ڈالتا اور جب تک پاک نہ ہو جاتا نہ پہنتا۔ اس کی بیوی فاطمہ نے روانہ ہونے سے پہلے یہ پتا لگا لیا تھا کہ جس وقت وہ جماع کرتا ہے تو انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دیتا ہے۔ معروف کا دستور تھا کہ ہم بستری کرنے کے بعد کنیر کو کمرے سے باہر کر دیتا تا کہ انگوٹھی جاتی نہ رہے اور کمرے میں قفل لگا کر حمام جاتا اور وہاں سے نکل کر انگوٹھی پہن لیتا۔ فاطمہ کو یہ ساری باتیں معلوم ہو چکی تھیں، اسی لیے وہ رات کے وقت نکلی کہ جب وہ سوتا ہو گا تو میں محل میں جا کر انگوٹھی چرا لاؤں گی اور اسے خبر نہ ہو گی۔

وہ نکلی تو شہزادے نے اسے اندھیرے میں سے دیکھ لیا کہ وہ تیز تیز اس کے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے، اپنے دل میں کہنے لگا دیکھوں تو سہی یہ چڑیل اس وقت اندھیرے

میں اپنے محل سے نکل کر کیوں میرے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے، ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے اس طرح سے ہو لیا کہ وہ اسے دیکھ نہ سکے۔ اس کے پاس ہمیشہ ایک چھوٹی سی تیز تلوار رہتی اور وہ اسے اتنی پیاری تھی کہ جب کبھی وہ باپ کے دربار میں جاتا تو اسے لگا کر جاتا۔ باپ اسے دیکھ کر ہنستا اور کہتا بیٹا، ماشاء اللہ تلوار بڑی شاندار ہے لیکن نہ تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کا سر اڑایا ہے۔ وہ جواب دیا اگر کسی کو دیکھوں گا کہ وہ سر اڑائے جانے کے قابل ہے تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ باپ یہ سن کر قہقہہ لگاتا۔ اب جب کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کے پیچھے چلا تو تلوار میان میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔ جب وہ باپ کے محل میں داخل ہوئی تو شہزادہ دروازے پر ٹھہر گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتی ہے دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے یا اللہ! اس نے انگوٹھی کہاں رکھی؟ اور اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ بیٹے کو یقین ہو گیا کہ وہ انگوٹھی کی تلاش میں ہے۔ اتنے میں اس کی نظر انگوٹھی پر پڑی اس نے یہ کہہ کر کہ مل گئی، اسے اٹھا لیا اور باہر جانے لگی۔ شہزادہ کواڑ کے پیچھے چھپ گیا، عورت دروازے سے نکلی اور انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اور چاہتی ہی تھی کہ اسے رگڑے شہزادے نے تلوار اٹھا کر اس زور سے اس کی گردن پر ماری کہ وہ ایک چیخ مار کر گری اور مر گئی۔ معروف کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی مری پڑی لہو بہہ رہا ہے اور اس کا بیٹا تلوار کھینچے کھڑا ہے۔ اس نے کہا بیٹا، کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان، تو کتنی بار مجھ سے کہہ چکا ہے کہ تیری تلوار تو بڑی شاندار ہے لیکن نہ تو تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کا سر اڑایا ہے، دیکھ اب میں نے ایک شخص کا سر اڑا دیا جو اس قابل تھا۔ یہ کہہ کر اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔

اس کے بعد معروف نے انگوٹھی ڈھونڈنے لگا۔ وہ کہیں نظر نہ آئی، اس نے دیکھا کہ لڑکا اسے مٹھی میں لیے ہوئے ہے اس نے اس کی مٹھی میں سے نکال لیا اور

کہنے لگا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ جیسے تو نے مجھے اس ناپاک عورت سے نجات دی خدا تجھے دنیا اور آخرت میں نجات دے! اب معروف نے اپنے نوکروں کو بلا کر ان سے فاطمہ کی حرکت بیان کی۔ انہوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور قبر کھود کر گاڑ آئے۔ مصر سے اس کی مٹی وہاں لے گئی تھی۔ پھر معروف نے اس کسان کو بلوایا جس کے پاس بھاگتے وقت وہ مہمان رہا تھا، اسے میمنے کا وزیر بنایا اور جب اسے معلوم ہوا کہ کسان کی ایک بڑی حسین و جمیل بیٹی ہے تو اس نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اپنے بیٹے کی بھی شادی کر دی اور وہ عیش و عشرت اور خوشی کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا، صحبتوں کو ترمتر کرنے والی اور بھرے گھرانوں کو اجاڑنے، بیٹوں اور بیٹیوں کو یتیم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں ملک اور حکومت کی کنجیاں ہیں۔

اس مدت میں شہر زاد کے تین بیٹے بادشاہ سے پیدا ہو چکے تھے۔ جب وہ یہ کہانی کہہ چکی تو اس نے اٹھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور کہا جہاں پناہ! میں تیری لونڈی ہوں اور ایک ہزار ایک راتیں ہو چکی ہیں کہ میں تیرے سامنے پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں سنا رہی ہوں اگر تو اجازت دے تو میں تجھ سے کچھ مانگوں۔ بادشاہ بولا، جو مانگے گی، پائے گی۔ شہر زاد نے دایوں اور غلاموں کو آواز دی کہ میرے بچوں کو لے آؤ اور وہ دوڑ کر لے آئے یہ تین لڑکے تھے۔

ایک پاؤں پاؤں چلتا تھا
دوسرا گھٹنوں کے بل اور
تیسرا دودھ پیتا تھا۔

اس نے ان تینوں کو لے کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا اور زمین چوم کر کہا، جہاں پناہ! یہ تیری اولادیں ہیں اور میں تجھ سے یہ مانگتی ہوں کہ ان کے طفیل میں مجھے قتل نہ کر۔ اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو یہ بچے بے ماں کے رہ جائیں گے اور انہیں کوئی

عورت نہ ملے گی جو اچھی طرح ان کی تربیت کر سکے۔ یہ سن کر بادشاہ رونے لگا اس نے اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور کہا اے شہر زاد! ان بچوں کے آنے سے پہلے ہی میں تجھے معاف کر چکا تھا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تو بڑی نیک پارسا اور پاکباز ہے۔ خدا برکت دے تجھے اور تیرے باپ کو تیری ماں کو اور سب تیرے اگلوں اور پچھلوں کو! میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر بات سے باز آیا جس سے تجھے تکلیف پہنچے۔ شہر زاد خوش ہو گئی اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی اور کہا خدا تیری عمر بڑھائے تیرا بدبہ اور شان زیادہ کرے!

یہ خوش خبری شاہی محل اور پھر سارے شہر میں پھیل گئی۔ بادشاہ کو بھی اتنی خوشی ہوئی کہ سویرا ہوتے ہی اس نے سارے لشکر کو بلوایا اور شہر زاد کے باپ وزیر کو ایک نہایت شان دار خلعت دیا اور کہا خدا تجھے اپنی امان میں رکھے کہ تو نے اپنی نیک بیٹی سے میری شادی کرائی جس کی وجہ سے میں نے لوگوں کی بیٹیوں کو قتل کرنے سے توبہ کی! میں نے دیکھ لیا کہ وہ نیک پارسا اور پاکباز ہے اور خدا نے اس سے مجھے تین بیٹے عطا کئے۔ اس کی اس مہربانی کا لاکھ لاکھ شکر! اس کے بعد اس نے تمام وزیروں اور امیروں کو خلعت بخشے تین دن تک شہر سجاایا گیا اور اس کا بار کسی شہر والے پر نہیں ڈالا بلکہ سارا خرچ شاہی خزانے سے ادا کیا۔ شہر کبھی پہلے اس طرح نہیں سجاایا گیا تھا۔ شادیانے بجائے گئے اور باجوں کے تمام استادوں نے اپنی اپنی صنعت دکھائی۔ بادشاہ نے انہیں بڑے بڑے انعام دیئے، فقیروں اور غریبوں کو خیراتیں دیں اور ساری رعیت کے تمام لوگوں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا، صحبتوں کو ترتر کرنے وال موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جسے زمانہ کبھی فنا نہیں کر سکتا، اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کام کو بھلاتا نہیں اور اس میں ہر صفت کمال کے ساتھ پائی جاتی ہے اور درود اور سلام اس شخص پر جو اس کے دیوار کا سردار اور بہترین مخلوق ہے۔ ہمارے سر تاج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے سردار

ہیں، اور ہم ان کے وسیلے سے خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ بالآخر کرے!